سیف المقلد

لقطع وسواس غیر المقلد

مفتی محمد جسیم الدین

استاذ و مفتی دار العلوم معین الاسلام ہاٹہزاری

فیصل



سیف المقلد

لقطع وساوس غیر المقلد

مفتی محمد جسیم الدین

استاذ و مفتی دار العلوم معین الاسلام ہاٹہزاری

یعنی تقلید کی حقیقت و اقسام، تقلید کے آغاز و ترویج کا باحوالہ تذکرہ، غیر مقلدیت کی تردید اور قرآن و سنت سے مسلک احناف کی وضاحت پر مشتمل علمی و تحقیقی جائزہ۔

ناشر

فیصل پبلیکیشنز دیوبند

نام کتاب	سیف المقلد لقطع وسواس غیر المقلد
مؤلف	مولانا مفتی جسیم الدین صاحب زید مجدہ
	استاذ و مفتی دارالعلوم معین الاسلام ہاٹھزاری
نظر ثانی	حضرت علامہ فقیہ الامت مفتی عبدالسلام صاحب
صفحات	۳۳۶
سن اشاعت	۲۰۰۷ء
باہتمام	محمد صہیب صدیقی
قیمت	۱۵۰ روپئے
کمپیوٹر ورک و ٹائٹل ڈیزائن	فیصل کمپیوٹرز دیوبند
مطبع	فیصل پریس دیوبند
ناشر	فیصل پبلیکیشنز
	جامع مسجد دیوبند
فون	01336-224110,9359210398
فیکس	01336-224110

Printed & Distributed by

FAISAL BROTHERS

468, Gali Bahar Wali Chhatta Lal Mian
Daryaganj New Delhi.110002 Ph. 23245665
e-mail : faisal_india@rediffmail.com
website : www.faisalindia.com

فہرست مضامین



بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

الحمد لله رب العلمين مالك الملك وخالق الخلق فهو الاول فليس قبله شئ وهو الآخر فليس بعده شيئ الذى خلق الانسان واكرمهم بالقرآن العظيم القديم وبما اوحاه الى رسوله الصادق الامين وبينه بالاحاديث الثابتة عن النبى الكريم بنقل الصحابة والتابعين واتباعهم من ائمة الدين المجتهدين فى الطريق القويم وشرحها بالفقه العظيم واشهد ان سيدنا محمدا عبده ورسوله وحبيبه وخليله افضل المخلوقين واكرم السابقين واللاحقين وخاتم الانبياء الهادى الى صراط مستقيم والداعى الى دين قويم والقائل "من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين". "فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد" -

صلوات الله وسلامه عليه وعلى سائر النبيين وآله وصحبه الذين ساروا فى نصرة دينه سيرا حثيثا وجاهدوا فى الله حق جهاده من غير سمعة ولاريا، وعلى اتباعهم الذين ورثوا العلم والعلماء ورثة الانبياء من ائمة الهدى الذين دونوا الدواوين و استنبطوا احكام الوقائع والحوادث من العبارة والاشارة والدلالة والاقتضاء فجزاهم الله تعالى احسن الجزاء وعلى من تبعهم باحسان الى يوم الدين -

امابعد فقد قال الله جل جلاله فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون- وقال تعالى: "ولو ردوه الى الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم" - وقال النبى صلى الله تعالى عليه وسلم انما شفاء العى السوال- وقال عليه الصلوٰة والسلام فى حديث طويل لعن اخر هذه الامة اولها-

تاریخ شاہد ہے کہ دنیائے انسانیت کے ہر دور میں فتنوں کی آماجگاہ رہی ہے اور

مسلمانوں میں مذہبی، ملی اور اعتقادی اختلافات وانتشارات کوئی انوکھی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا سلسلہ اسلام کے قرن اول ہی میں شروع ہو چکا تھا، بلکہ فخر کائنات، افضل الرسل، سرور دو عالم، شفیع اعظم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اس دنیا سے روپوش ہو جانے کے بعد ابھی نصف صدی بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ عبداللہ بن سبا یہودی منافق کی زیر قیادت مختلف فرقے اپنے مخصوص اعتقادات ونظریات اور افکار وخیالات کے ساتھ رونما ہوئے اور اس کے بعد آئے دن نت نئے فتنے پیدا ہوتے رہے جن کی راہ مشعل ہدایت سے بالکل الگ تھلگ تھی، زمانہ جوں جوں مشکاۃ نبوت سے بعد ہوتا گیا مسلمانوں کے اندر فتنوں کی تعداد بھی روز افزوں ہوتی گئی، یہاں تک کہ یہ سلسلہ فتنۂ نیچریت، فتنۂ مودودیت، فتنۂ قادیانیت، فتنۂ خارجیت، فتنۂ رضاخانیت، فتنۂ اہل قرآن، فتنۂ انکار حدیث وغیرھا تک پہنچا، فتنۂ غیر مقلدیت (لامذہبیت) بھی انہیں فتنوں میں سے ایک فتنہ ہے، غیر مقلدین جو خود کو "اہل حدیث" بھی (کلمۃ حق یرید بہ الباطل) کہتے ہیں وہ ائمہ مجتہدین، فقہاء اسلام اور اصحاب فتاویٰ جو علوم قرآن وحدیث کے فہم سے زیادہ ماہر، فہم وبصیرت میں اعلیٰ، تقویٰ وطہارت میں فائق، حافظہ وذکاوت میں ارفع تھے ان کو کھلم کھلا شریعت ساز، ان کے مقلدوں کو کافر مشرک اور فقہ اسلامی جس کے بارے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد عالی ہے کہ "لکل شیئ عماد وعماد هذا الدين الفقه" اس کو خود ساختہ اور تمام مذاہب حقہ کو ناحق قرار دیتے ہیں۔ اور جو تقلید قرن صحابہ سے تواتر کے ساتھ چلی آرہی ہے اس کو گمراہی کہتے ہیں۔

بہر حال موافق ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم "لعن آخر هذه الامة اولها" علماء وصلحاء متقدمین خصوصاً ائمہ مذاہب متبوعہ کے خلاف طرح طرح کی بدگمانی اور بدزبانی میں لگے ہوئے ہیں اور عوام میں یہ اعلان کرتے جارہے ہیں کہ مقلدین قرآن وحدیث کی اتباع کو چھوڑ کر ان کے اماموں کی رائے وقیاس پر عمل کرتے ہیں اور صرف ہم اہل حدیث غیر مقلدین ہی

عامل بالقرآن والحدیث ہیں۔

لیکن "لکل فرعون موسی" ہر باطل فرقہ سے مقابلہ کرنے کے لئے حق تعالی شانہ نے حق کو پیدا فرمایا ہے کہ اس فرقہ کے ظہور سے بھی امت کے نباض علماء نے اس کے سیلاب بلا پر بند لگایا تحریر، تقریر ہر طرح سے۔

پیش نظر کتاب کی تالیف کا سبب یہی بنا کہ استاذ العلماء، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، شیخنا حضرت علامہ مفتی احمد الحق صاحب دامت برکاتہم مفتی اعظم بنگلہ دیش ورئیس دار الافتاء دار العلوم معین الاسلام ہاٹہزاری نے بندہ کو بھی اس موضوع پر ایک تحریر قلمبند کرنے کے لئے حکم فرمایا ہے، اور یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ تقریبا دو سال پہلے مفکر اسلام راہنمائے شریعت وطریقت شیخ الاسلام حضرت العلام مولانا شاہ احمد شفیع صاحب زید مجدھم رئیس الجامعۃ الاھلیۃ دار العلوم معین الاسلام ہاٹہزاری بھی اساتذۂ دار العلوم کو مذکورہ بالا باطل فرقوں کی تردید پر لکھنے کا حکم فرمائے تھے۔ اور اس وقت بندہ کو غیر مقلدیت کی تردید پر لکھنے کا حکم صادر کئے تھے۔ بندہ اپنی کم علمی کے سبب عرصہ تک اس موضوع پر قلم اٹھانے سے گریز کیا تھا مگر بعد میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس کام کی تعمیل پر دو بزرگ ترین ہستیوں کی فرمائش جمع ہوگئی اس سے پیچھے ہٹنا نامناسب اور امتثال امر کا خلاف ہوگا تو رب العالمین کی توفیق وکرم اور اپنے اساتذۂ کرام کے حسن توجہات پر اعتماد کرتے ہوئے، تاکہ خریداری یوسف میں میرا بھی نام شامل ہو جائے یہ کام شروع کر دیا جو تدریجی طور پر تقریبا دو سال میں مکمل ہوا فللہ الحمد والمنۃ تو کتاب کے آغاز میں تقلید کی تعریف وحقیقت اور اس کے ترک کے مفاسد کو بیان کیا گیا ہے، اور اس کے بعد تقلید کے تقریبا ہر پہلو پر سیر حاصل بحث ہے، اور ضمنی طور پر غیر مقلدین کے بے شمار وساوس کی نقاب کشائی کی گئی ہے اور اس کے بعد مسلک احناف اور مسلک غیر مقلدین کو تقابلا پیش کیا گیا اور ہر فریق کے دلائل بھی ذکر کئے گئے، احناف کے دلائل آیات

قرآنی، روایات حدیث سے پیش کئے گئے اور غیر مقلدین کے دلائل ان کے اکابر علماء کی کتابوں سے نقل کئے گئے۔ کتاب کے مضامین کو اس حد تک لکھ کر مرشدی وشیخی حضرت مفتی اعظم صاحب دامت برکاتہم کی خدمت بابرکات میں پیش کیا گیا تو حضرت والا نے کتاب کے مضامین کو سن کر اور بعض مقامات کو دیکھ کر یہ مشورہ دیا ہے کہ غیر مقلدین اپنے بعض مدعا کی تائید میں بعض روایات حدیث کو پیش کرتے ہیں اس کا جواب بھی لکھ دیا جائے، لہذا حضرت شیخ کی تعمیل حکم اور کتاب کی تکمیل کے لئے ہر مسئلہ کے تحت بعنوان "نوٹ" ان روایات حدیث کے جوابات بھی عرض کئے گئے جنہیں غیر مقلدین دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، اور یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ حضرات احناف ہی حقیقۃً عامل بالحدیث ہیں اور نام نہاد اہل حدیث غیر مقلدین تو اس سے بہت دور کنارہ۔ نیز اس کا بھی اثبات کیا گیا ہے کہ غیر مقلدین کسی نہ کسی امام کے ضرور مقلد ہیں، اگرچہ وہ ترک تقلید کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر کوئی غیر مقلد تعصب کی عینک اتار کر مطالعہ کرے تو اس کی دلی بیماری کے لئے تریاق کی طرح مفید ہوگا، جوابات میں اختصار کیا گیا تا کہ کتاب طویل نہ ہو جائے، کیونکہ یہ قارئین کرام کے لئے باعث ملالت ہوتا ہے۔

اخیر میں ارباب علم کی خدمت میں عرض گذار ہے کہ بشری بھول چوک سے کون بچا ہے کہ یہ حقیر بچنے کا دعویٰ کرے، لیکن اپنی جہد و جہد و کاوش کی حد تک جو کچھ بھی اخلاص کے ساتھ کر سکتا تھا کیا، کامیابی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ ہزار با احتیاط کے بعد بھی اگر اس کتاب کی تالیف میں کچھ ضعف تذکیر وتانیث میں کچھ سقم ترتیب الفاظ میں اور حوالہ جات کی تحقیق میں کچھ کوتاہی نظر آئے تو طعن وتشنیع کا نشانہ بنائے بغیر مؤلف کو مطلع کر دیں انشاء اللہ تعالیٰ اطلاع کرنے والوں کا صمیم قلب سے مشکور وممنون ہونگا اور اس کی تصحیح بھی کر دی جائے گی۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

اب یہاں آکر اپنے ان کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کئے بغیر قلم آگے نہیں بڑھتا جنہوں نے اس کتاب کی طباعت میں اپنے تعاون اور مخلصانہ مشوروں سے نوازنے کی زحمت گوارا فرمائی خاص طور پر شیخ العلماء واستاذ الاساتذہ حضرت مفتی اعظم احمد الحق صاحب دامت برکاتہم اور ملجأ العوام والخواص حضرت علامہ احمد شفیع صاحب دامت برکاتہم (مہتمم صاحب) کے بھی ہم بیحد ممنون ہیں جنہوں نے اس کتاب کے سلسلے میں اپنے تاثرات اور قیمتی مشوروں سے نوازا۔

اور ناسپاسی ہوگی اگر اس وقت عزیزم مفتی محمد فرید الحق صاحب سلمہ ربہ استاد دار العلوم معین الاسلام ہاٹہزاری اور مولوی مفتی عبد المجید ڈھاکوی فاضل التخصص فی الفقہ الاسلامی دار العلوم معین الاسلام ہاٹہزاری کا تذکرہ نہ کروں جواپنی وسعت کے مطابق پروف وغیرہ دیکھنے میں بھرپور معاونت کرتے رہے دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کو نعم البدل عطا کرے۔

خداوند قدوس! تو اس ناچیز کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور مسلمانوں کے لئے نافع اور مفید بنائے۔

امین یارب العلمین بحرمۃ سید المرسلین۔ وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

بندہ محمد جسیم الدین عفا اللہ عنہ

خادم دار العلوم معین الاسلام ہاٹہزاری، چاٹگام۔

۱/۲۸/ ۱۴۲۳ھ مطابق ۳/۵/ ۲۰۰۳ء۔

تقریظ وکلمات دعائیہ

بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مفتی احمد الحق صاحب زید مجدھم، مفتی اعظم بنگلہ دیش ورئیس دار الافتاء، جامعہ اہلیہ دار العلوم معین الاسلام ہاٹہزاری، چاٹگام۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد! فقد قال اللہ سبحانہ وتعالی یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم الایۃ۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالی نے اپنی اور اپنے رسول مقبول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ مجتہدین اور مستنبطین علمائے کرام کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کے شارح ہیں اور اسی اطاعت کا اصطلاحی نام تقلید ہے۔

بہر حال آیت کریمہ سے یہ واضح ہوا کہ عامۃ الناس اپنی چوبیس گھنٹے زندگی کے مسائل کا حل علمائے حقانی وربانی کی رہنمائی پر کرینگے اس سے ان کو اپنے دین کی حفاظت کرنے میں رہنمائی ملے گی مگر ہمیشہ سے دشمنان اسلام دین اسلام کو ضائع اور برباد کرنے کے لئے مختلف قسم کی سازشیں کرتے آرہے ہیں ان سازشوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فرقۂ غیر مقلدین جو خود کو اہل حدیث بھی کہتے ہیں سادہ لوح مسلمانوں کو ترک تقلید کی دعوت دیکر بے لگام اور ان کے دین کو لہو ولعب جیسے بنانے کی مذموم کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

غیر مقلدین پہلے پہل اپنے آپ کو محمدی وموحدی سے تعارف دیتے تھے، مگر علمائے اہل سنت والجماعت ان کو لامذہبی، وہابی اور غیر مقلد سے پکارتے تھے اس لئے بعد میں ان کے سرپرست مولانا محمد حسین بٹالوی نے انگریز سرکار کے پاس درخواست دیکر اپنے فرقہ کا نام اہل

حدیث سے تبدیل کرایا یہ تو ان کا غاصبانہ قبضہ ہے۔ حقیقت میں اصحاب الحدیث اور اہل حدیث وہی ہوں جو علم حدیث کی سند او منا خدمت کرنے والے ہوں عام اس سے کہ وہ حنفی ہوں یا مالکی شافعی ہوں یا حنبلی وغیرہ، جیسا کہ کتب حدیث، شروح حدیث، اسماء الرجال، فقہ، اصول فقہ وغیرہا میں صدیوں سے اہل حدیث کا جملہ نقل در نقل ہوتا چلا آرہا ہے، مگر حال زمانہ کے غیر مقلدین عوام کو یہ کہکر دھوکہ دیتے ہیں کہ ہم وہی اہل حدیث اور اصحاب الحدیث ہیں جن کا ذکر کتابوں میں نقل ہوتا چلا آرہا ہے، مگر چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

الغرض قرآن واحادیث کی روشنی میں لوگوں کے سامنے یہ واضح کر دینا چاہئے کہ حقیقۃً عامل بالحدیث کون ہیں احناف اور مقلدین یا غیر مقلدین حضرات؟ اس بارے میں قلمبند کرنے کیلئے عزیز محترم مولانا مفتی جسیم الدین صاحب کو کہا گیا تھا۔ ماشاء اللہ تعالی للہ در المصنف انہوں نے مسائل متنازعہ فیہا کو حدیث وقرآن کے دلائل سے اس طرح پیش کیا ہے کہ روز روشن کی طرح یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ احناف جس قدر حدیث پر عمل کرتے ہیں نام نہاد اہل حدیث اس سے بہت ہی دور ہیں بلکہ احناف حضرات تقریباً تمام مسائل کو احادیث سے استنباط کرتے ہیں۔

بارگاہ الہی میں دست بدعا ہے کہ اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے مصنف علام کو جزائے خیر عطا فرمائے اور تمام امت مسلمہ کو ہدایت عطا کرے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین ﷺ۔

احمد الحق عفا اللہ عنہ

خادم

جامعہ اہلیہ دار العلوم معین الاسلام ہاٹہزاری۔

تقریظ وکلمات بابرکات دربارۂ اجتہاد وتقلید

از شیخ الاسلام وخطیب ملت، مناظر زمان، رہنمائے شریعت وطریقت، مجاز شیخ العرب والعجم علامہ سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ، علامہ الحاج شاہ **احمد شفیع** صاحب دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ اہلیہ دارالعلوم معین الاسلام ہاٹ ہزاری، چاٹگام، بنگلہ دیش۔

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى . امابعد!

جس طرح دینوی معاملات میں ماہرین فن کے مشوروں پر عمل کیا جاتا ہے، اسی طرح دینی معاملات میں جس کو قرآن وسنت سے مسائل واحکام شرعی کے استنباط واستخراج کی قوت وملکہ حاصل نہ ہو اس کا بلادلیل کسی عالم متبحر ومجتہد کی رائے وفتوی پر عمل پیرا ہونے کو اصطلاح میں تقلید کہا جاتا ہے۔

خداوند قدوس نے جس کو قرآن وسنت میں اجتہاد کا ملکہ عطا فرمایا ہے اس کے لئے کسی دوسرے مجتہد کی تقلید جائز نہیں، بلکہ اس کے لئے یہی ضروری ہے کہ وہ اپنے اجتہاد کے مطابق حکم شرعی کا عمل کرے۔ مگر جو شخص اجتہاد کی نعمت عظمی سے سرفراز نہ ہو سکے اسکے لئے اپنی فہم وبصیرت پر اعتماد نہ کر کے ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے قول پر عمل کرنا واجب ہے۔

؎ چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش۔

علم طب اور علم حساب میں اگر خود سے بڑا ماہر اور دانا مل جائے تو اگر اس کی پیروی کو مذموم نہیں سمجھا جائے بلکہ اس کو دانشمندی سمجھی جائے تو دینی معاملات میں اسلاف عظام وائمہ ھدیٰ کی تقلید کو کیونکر ناجائز اور شرک اعتقاد کیا جائے گا؟

ٹھنڈے دل سے اگر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ تقلید ایک امر فطری ہے اور ایک قدرتی ناگزیر ضرورت ہے جو انسان کے ساتھ مثل سائے لگی ہوئی ہے، ہمارے غیر مقلدین

بھائی بھی اس سے بے نیاز نہیں ہیں، ان کے گھروں میں چھوٹے بچے گھر کے بڑوں کو ہی دیکھ کر نماز پڑھتے ہیں اور دوسرے اعمال کرتے ہیں، اور ان کے گھر کی مستورات محدثہ، عالمہ اور فاضلہ نہیں ہوتیں، مردوں ہی سے پوچھ کر عمل کرتی ہیں، اس پوچھ پوچھ کر عمل کرنے کو مذموم نہیں سمجھا جاتا، اس کو شرک، بدعت اور گناہ نہیں کہا جاتا اور معمولی صنعت وحرفت میں بھی بغیر تقلید کے کام نہیں چلتا، طب اور ڈاکٹری کا مطالعہ کر کے انسان حکیم اور ڈاکٹر نہیں بن جاتا، ایسا شخص اگر مطب کھول کر بیٹھ جائے تو اسے مجرم کہا جاتا ہے، اور جو اس سے علاج کرائے وہ اس سے بڑا نادان سمجھا جاتا ہے، مثل مشہور ہے۔

''نیم حکیم خطرِ جان و نیم ملا خطرۂ ایمان''

بہر حال دنیا کے ہر کام میں تقلید کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن دین کے معاملہ میں چند حدیث کی کتابوں کا ترجمہ دیکھ کر اپنے آپ کو علوم قرآن وحدیث کا ماہر سمجھنے لگنا، و رائمہ ھدیٰ واسلام عظام کے ساتھ بدگمانی کرنا، ان کی شان میں بدزبانی اور گستاخی کرنا، اور ان کی تقلید کو شرک وبدعت کہنا اور اپنی ناقص فہم وعقل پر اعتماد کرنا اور ہوائے نفسانی کی اتباع کو عین توحید سمجھنا یہ کہاں کا انصاف ہے۔

''بریں عقل و دانش بباید گریست''

اگر ہمارے غیر مقلدین بھائی ہٹ دھرمی، کج بحثی اور ضد کو چھوڑ کر دیانتداری، سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ عدم تقلید کے عقیدے پر جمے رہیں۔ مگر بعض لوگ یہ گمان بھی کرتے ہیں کہ مجتہد کی تقلید صرف عامی جاہل لوگوں پر واجب ہے، علماء کرام پر نہیں۔ یہ گمان سراسر غلط ہے، اس لئے کہ جو کوئی عالم اپنے علم وہنر کے اعتبار سے جس قدر بھی بڑا وفائق کیوں نہو اگر وہ اجتہاد کا ملکہ نہ رکھتا ہو اور قرآن وسنت سے مسائل شرعی کا استنباط نہ کرسکتا ہو تو وہ بھی مجتہد کی بنسبت عامی کے درجے میں ہے، کسی مجتہد کی تقلید اسی کو بھی واجب ہے، پھر مقام کی

مناسبت سے یہاں شرائط اجتہاد کو بھی ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اجتہاد کے لئے درج ذیل شرائط تحریر فرمائی ہیں۔ ''اجتہاد'' شریعت کے فروعی احکام کو ادلہ شرعی، کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع امت اور قیاس سے سمجھنے کے لئے پوری محنت کا صرف کردینا ہے۔

ایک یہ کہ مجتہد کو عربی زبان میں پوری مہارت حاصل ہو، اسلئے کہ قرآن وحدیث کا مخاطب عربی زبان میں ہے، جو شخص عربی سے واقف نہ ہوگا وہ اجتہاد سے تو بہت درکنار، قرآن وحدیث کا ظاہری مفہوم سمجھنا بھی اسکے لئے محال ہے، عربی زبان میں مہارت تامہ حاصل ہونے کے لئے نحو، صرف، لغت اور علم بلاغت کا حاوی ہونا ضروری ہے، اسلئے کہ عربی کلام میں صرف اعراب اور تعریف وتنکیر کے اختلاف سے معانی کے اندر زمین وآسمان کا فرق ہوجاتا ہے، اسلئے اجتہاد صحیح کے لئے علوم مذکورہ کا احاطہ ضروری ہے۔

دوسری یہ کہ مجتہد، صحابہ وتابعین اور رواۃ حدیث کے حالات سے بھی باخبر ہو۔

تیسری یہ کہ اس کو حق تعالیٰ کی جانب سے عقل اور دانشمندی نور فراست خصوصی طور پر عطا ہو اور قوت حافظہ وذکاوت میں بھی وہ یکتا ولاثانی ہو، اسلئے کہ مجتہد کے لئے معمولی سی عقل وذکاوت کا ہونا ناکافی ہے، ایسی عقول وذکاوت تو اکثر وبیشتر سب کو حاصل ہیں، اس سے مجتہد کی کیا امتیازی شان حاصل ہوتی۔

چوتھی شرط اجتہاد کی یہ ہے کہ مجتہد متقی وپرہیزگار اور خدا ترس ہو، اور خواہشات نفسانی سے دور رہنے والا ہو، بدعتوں سے علیحدہ ہو اور پاکیزگی اور تقویٰ کو شعار بنایا ہوا ہو، کبیرہ گناہوں سے محترز ہو، اور صغیرہ پر اصرار نہ رکھتا ہو، کسی نے کیا ہی خوب کہا۔

انا عبد الحق لاعبد الهوىٰ - لعن الله الهوىٰ فيما لعن.

پانچویں یہ کہ قیاس صحیح کی شرائط، مقدمات کی صحیح ترتیب اور ناسخ ومنسوخ اور علماء

سلف کے اقوال کا علم ہو کہ وہ کس مسئلہ میں متفق ہیں، اور کس میں مختلف جس کے اندران پانچ شرائط میں سے کسی ایک بھی موجود نہو تو اس کا راستہ تقلید کرنا ہے، سوچ بچار کر جواب دیجئے کہ اس دور انحطاط میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ایسے متنفس کتنے مل سکتے جو مذکورہ تمام شرائط کے حامل ہیں، بلکہ ایسے متنفس کمیاب بلکہ مفقود ہیں۔ نفس تقلید کا جواز بلکہ وجوب قرآن وحدیث کے بے شمار دلائل سے ثابت ہے۔

پھر اس تقلید کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ تقلید کے لئے کسی خاص امام ومجتہد کو متعین نہ کیا جائے کبھی ایک امام کے مسلک کو اختیار کر لیا تو کبھی دوسرے امام کے قول پر عمل کر لیا اسے ''تقلید مطلق'' کہا جاتا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ تقلید کے لئے کسی ایک مجتہد کو متعین کر لیا جائے، ہر مسئلہ میں اسی کی اتباع کی جائے اسے ''تقلید شخصی'' کہا جاتا ہے۔

عہد صحابہ وتابعین میں تقلید کی ان دونوں صورتوں پر عمل درآمد رہا ہے اور بکثرت اس کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ اس عہد مبارک میں یہ بات بالکل عام تھی کہ جو حضرات فقیہ نہ تھے وہ فقہاء صحابہ وتابعین سے پوچھ پوچھ کر عمل کیا کرتے تھے، اور سائل کے جواب میں مجیب جو حکم بتلاتا مع دلیل یا بلا دلیل مسائل اس پر عمل پیرا ہوتا، اور عدم دلیل کی صورت میں سائل دلائل کا مطالبہ نہ کرتا۔

پھر جس طرح ان حضرات کے یہاں تقلید مطلق کا رواج تھا اسی طرح بعض حضرات تقلید شخصی پر بھی عمل پیرا تھے، چنانچہ اہل مکہ مسائل خلافیہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کو ترجیح دیتے تھے اور انہی کے قول پر عمل کرتے تھے اور اہل مدینہ حضرت زید بن ثابتؓ کے قول پر عمل کرتے تھے، اور اہل کوفہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے فتوی کو ترجیح دیتے اور اسی کی اتباع کرتے تھے، نیز یہ بھی مشہور ہے کہ تابعین کے دور میں فقہاء سبعہ کے فتووں پر عمل ہوتا تھا۔

مرقومہ بالا تحریرات کو ملحوظ رکھ کر اس کا فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ عہد صحابہ وتابعین میں

تقلید مطلق وتقلید شخصی دونوں کا رواج تھا مگر یہ بات ملحوظ رہے کہ وہ زمانہ خیر القرون کا تھا، لوگوں میں تدین اور خدا ترسی غالب تھی، ان کا متعدد خطرات سے پوچھنا یا تو اتفاقی طور پر ہوتا یا یہ مقصد کہ جس کے قول میں زیادہ احتیاط ہوگی اس پر عمل کریں گے، اسلئے اس زمانہ میں تقلید مطلق اور تقلید شخصی دونوں پر عمل ہوتا تھا پھر جوں جوں حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک سے بعد ہوتا گیا اور خوف خدا اور احکام شریعت کی عظمت لوگوں کے دلوں سے کم ہونے لگی، اور اغراض پرستی لوگوں کی غالب آنے لگی تو امت کے نباض علماء نے دکھتی رگ کو پکڑ کر تقلید کو "تقلید شخصی" میں منحصر کر دیا اور بتدریج اسی طرف علماء کا میلان ہونے لگا اور ہوتے ہوتے تقلید شخصی کے وجوب پر امت کا اجماع ہو گیا، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو احکام شریعت کھلونا بنجاتے اور ہر ایک اپنے اپنے مطلب اور خواہش کے موافق عمل کرتا۔

دیکھو امت مرحومہ کا ایک بڑا طبقہ مذہب حنفی پر عمل پیرا رہا ہے اور برصغیر میں بھی جب سے اسلام آیا ہے اور مسلمان غازیوں، مجاہدوں نے اس کو فتح کیا ہے اس وقت سے پورے برصغیر میں مذہب حنفی رائج ہے، امراء وحکام سے لے کر عوام الناس تک سب کے سب مقلد خصوصاً حنفی تھے، مگر اس برصغیر میں دو دور وقت ایسے بھی آئے جن میں یہ ڈر تھا کہ اسلام کی یہ شمع فروزاں جس کو غازیوں نے اپنے خون سے اور اہل دل نے اپنی شعلہ نفسیوں سے اب تک روشن رکھا تھا، نصیب دشمناں کہ کہیں بجھ نہ جائے۔

ایک اکبری دور الحاد کہ جس کے اثر بد کو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ نے اپنی تربیت باطنی سے اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نور اللہ مرقدہ نے اپنی علمی کاوشوں کے ذریعہ زائل کیا، جزاھم اللہ خیر الجزاء عنا وعن سائر المسلمین۔

دوسرا انگریز کا عہد بالخصوص ۱۲۷۲ھ کا ہنگامہ کہ جس میں اس ملک کے اندر مسلمانوں کے اقتدار کا بالکل خاتمہ ہو گیا، اور ہر طرف مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جانے لگی۔ طرہ

طرح کے فتنوں نے سر اٹھایا، لا مذہبیت (یعنی غیر مقلدیت) نیچریت اور قادیانیت نے جنم لیا، اہل بدعت نے زور باندھا، اور ہر طرف سے اسلام اور مسلمانوں پر مصیبت ٹوٹ پڑی۔

لیکن حق تعالی کو ابھی اس ملک میں اسلام کو باقی رکھنا منظور تھا، دہلی کے عربک کالج سے دو طالب نکلے جن کی علمی تربیت شیخ وقت حاجی امداد اللہ فاروقی مہاجر مکی رحمہ اللہ نے کی، ان دو طالب علموں سے مراد حضرت محدث گنگوہی مولانا رشید احمدؒ اور حضرت متکلم اسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہیں، قدرت کو ان دونوں سے کام لینا تھا، آگے چل کر ان کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ ایک ایسی درسگاہ کی بنیاد رکھی جائے جو اس دور انحطاط میں مسلمانوں کے دینی علوم کی نشر واشاعت اور ان کی علمی ودینی تربیت کا مرکز ہو۔

چنانچہ دیوبند جیسی گمنام بستی میں مسجد چھتہ میں انار کے درخت کے نیچے دار العلوم کی بنیاد رکھی، اس درسگاہ سے حدیث، تفسیر، فقہ اور مذہب حنفی کی کیسی سرسبزی وشادابی ہوئی وہ سب پر عیاں اور اظہر من الشمس ہے، اور اس علمی چمن سے ہزاروں کی تعداد میں علماء ومشائخ پیدا ہوئے وہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

الغرض تیرہویں صدی کے آخری میں مسلمانان برصغیر کی اپنی زندگی کی وحدت کو جو شدید خطرہ فتنۂ غیر مقلدیت (لا مذہبیت) کے طوفان کی وجہ سے پیش آگیا تھا اور جس کی پیش رفت کو اس دور کے علماء حقہ نے اپنی جان توڑ مساعی جمیلہ سے روک دیا تھا زمانہ حال میں بھی اس فتنہ (غیر مقلدیت) کی اشاعت میں اور مذہب حنفی کو بدنام کرنے اور کتب فقہ سے عوام الناس کو بدظن کرنے کی جان توڑ کوشش کی جارہی ہے، اس حال میں علماء وقت پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ اس فتنے کے انسداد کے لئے کھڑے ہوجائیں، اور تقریرات وتحریرات کے ذریعہ عوام الناس کو اس فتنے سے آگاہ ومتنبہ کریں۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ عزیز محترم مولوی مفتی جسیم الدین صاحب سلمہ تعالی مفتی واستاذ

''الجامعۃ الاھلیۃ دارالعلوم معین الاسلام، ہاٹہزاری، چاٹگام'' نے جو اس موضوع پر بہترین جائزہ لیا ہے، اس سے واقعی وہ لائق صد آفریں و مبارکبادی ہیں۔

اس کتابچہ میں علماء غیر مقلدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جن احادیث مبارکہ کا غلط مطلب بیان کرکے بھولے بھالے مسلمانوں کو بھکاتے ہیں، ان کا صحیح اور واضح مطلب بیان کیا ہے، اور غیر مقلدین کے تمام اعتراضوں کا دندان شکن جواب دیا ہے، اگر آپ اس کتاب کو بنظر انصاف مطالعہ کریں تو انشاء اللہ آپ کے سامنے آفتاب نیم روز کی طرح یہ بات واضح اور روشن ہو جائے گی کہ حق پر کون ہیں؟ اور صراط مستقیم کیا ہے؟ مؤلف علام کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس کتابچہ کو بنگلہ زبان میں بھی شائع کیا جائے تاکہ عامۃ الناس بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

اللہ تعالیٰ مؤلف علام کی اس علمی کاوش کو قبول فرمائے اور مرتے دم تک مزید علمی خدمات کی توفیق عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کا ایمان پر خاتمہ فرمائے اور موت تک صراط مستقیم پر گامزن رکھے۔ آمین یارب العالمین!

احمد شفیع

رئیس الجامعۃ الاھلیۃ دارالعلوم معین الاسلام ہاٹہزاری

۲۸/۱/۱۴۲۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین وعلی اٰله واصحابه الذین بشرهم الله بقوله تعالی رضی الله عنهم ورضوا عنه وعلی من تبعهم باحسان الی یوم الدین۔

تقلید کا لغوی معنی:

تقلید کا مادہ قلادة ہے یہ قلادة جب انسان کے گلے میں ہو تو ہار کہلاتا ہے اور حیوان کے گلے میں ہو تو پٹہ کہلاتا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے استعارت من اسماءؓ قلادة الحدیث. (بخاری ج۱، ص۵۳۲ و مسلم ج۱، ص۱۶۰) حضرت اسماءؓ سے ہار مانگا تھا (اور پہنا)۔

اور نیز حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ انسلت قلادة لی من عنقی فوقعت (الحدیث) میرا ہار گردن سے سرک کر نیچے گر پڑا (مسند احمد ج۶، ص۲۷۲)۔

اور حضرت امام بخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) نے باب القلائد الخ اور استعارة القلائد کے مستقل ابواب قائم کیے ہیں جن میں ہار پہننے اور ضرورت کے وقت عورتوں کا ایک دوسری سے ہار مانگنے کا تذکرہ ہے پھر احادیث سے اسکا اثبات کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو بخاری ج۲، ص۸۷۳-۸۷۴)۔

مشہور لغوی علامہ قرشیؒ فرماتے ہیں کہ۔

تقلید در گردن افگندن حمیل وغیرہ آن کسے (صراح ص۱۴۳) یعنی تقلید کا معنی کسی کے گلے میں ہار وغیرہ ڈالنا، اور نیز فرماتے ہیں: چیزے در گردن ستور قربانی درآویختن بجہت علامت (ص۱۴۳)۔

یعنی قربانی کے جانور کی گردن میں بطور علامت کوئی چیز لٹکا دینا۔

امام ابوالفتح ناصر بن عبداللہ المطرزیؒ (المتوفی ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ:-

تقلید الهدی ان یعلق بعنق البعیر قطعة نعل او مزاوة لیعلم انه هدی (المغرب ج ۲، ص ۱۳۱) قربانی کے جانور کی تقلید یوں ہے کہ اونٹ وغیرہ کے گلے میں جوتی یا چمڑے کا ٹکڑا باندھ دیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔

اور علامہ ابن الاثیر ابوالسعادات مبارکؒ بن محمدؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) اور علامہ محمد طاہرؒ (المتوفی ۹۸۶ھ) بھی یہی معنی کرتے ہیں کہ گائے اور اونٹ وغیرہ کی گردن میں کوئی چیز ڈالنے کو تقلید کہتے ہیں، (النہایہ ج ۱، ص ۲۰۵، مجمع البحار ج ۲، ص ۱۶۶)۔

اور لغت کی جدید اور معروف کتاب مصباح اللغات ص ۷۶۴ میں ہے قلده فی کذا اس نے اسکی فلاں بات میں بغیر غور وفکر کے پیروی کی، تقلید کے اس لغوی معنی میں مقلد اپنے امام پر اس کے علم وتقوی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے قول کو اپنے گلے کا ہار بناتا ہے۔

الحاصل: لفظ قلادہ جب انسان کیلئے بولا جائیگا تو اس سے ہار مراد ہوتی ہے اور جب حیوان کے لئے بولا جائے تو اس سے گلے کا پٹہ مراد ہوتی ہے انسان کے لئے بجائے ہار کے حیوانوں کا پٹہ ہی مراد لینا اور اس پر اصرار کرنا نہ صرف یہ عقل کی خامی ہے بلکہ اخلاقی پستی بھی ہے۔

تقلید کا اصطلاحی معنی:

التقلید اتباع الرجل غیره فیما سمعه بقول او فی فعله علی زعم انه محق بلا نظر فی الدلیل (شرح مختصر المنار) وفی التحریر لابن الهمام العمل بقول من لیس قوله احدی الحجج بلا حجة منهما فلیس الرجوع الی النبی

ﷺ والاجماع منه بل المجتهد والعامی الی مثله والی المفتی وھذا ھو المعروف (التحریر لابن الھمام ص ۵۴۷) یعنی تقلید کہا جاتا ہے اتباع کرنا رجل اپنے پیرو غیرہ کے قول یا فعل پر اسکی حقیت کے گمان کرتے ہوئے بدون نظر کرنے دلیل میں، (ھکذا فی مسلم الثبوت، والتوضیح والتلویح، وتحریر الاصول، و فواتح الرحموت، و غایۃالتحقیق، و مغنم الحصول، منھاج الاصول، و اصول ابن الحاجب، و عقد الفرید ،و ضوء المعالی، شرح بدء الامالی، و نامی المستصفی، و شرح جمع الجوامع وغیرھا).

غیر مقلد کے شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب دھلوی (التوفی ۱۳۲۰ھ) کی زبان سے تقلید کی تعریف سنئے، وہ فرماتے ہیں کہ معنی تقلید کے اصطلاح میں اہل اصول کی یہ ہیں کہ مان لینا اور عمل کرنا ساتھ قول بلا دلیل اس شخص کے جسکا قول حجت شرعی نہ ہو، تو بناء بر اس اصطلاح کی رجوع کرنا عامی کا مجتہدوں کیطرف اور تقلید کرنی انکی کسی مسئلہ میں تقلید نہوگی (کیونکہ لاعلمی کے وقت ان کی طرف رجوع کرنا نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور وہ شخص اہل الذکر اور اہل علم کی بات ماننے کا شرعاً مکلف ہے) بلکہ اسکو اتباع اور سوال کہینگے، اور معنی تقلید کے عرف میں یہ ہیں کہ لاعلمی کے وقت کسی اہل علم کا قول مان لینا اور اسپر عمل کرنا اور اسی معنی عرفی میں مجتہدوں کی اتباع کو تقلید بولا جاتا ہے الخ، (معیار الحق ص ۶۶).

اور پھر عقد الفرید کا حوالہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اور فاضل قندھاریؒ (حبیب اللہ) مغتنم الحصول میں فرماتے ہیں (ہم میاں صاحبؒ کے ترجمہ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں) تقلید اس شخص کے قول پر بلا دلیل عمل کرنا ہے جس کا قول حجتوں شرعیہ میں سے نہو سو رجوع کرنا آنحضرت ﷺ اور اجماع کی طرف تقلید نہ ٹھہری، اور اسی طرح رجوع کرنا انجان کا مفتی کے قول کیطرف اور رجوع کرنا قاضی کا ثقہ آدمی کے قول کیطرف تقلید نہیں ٹھہریگی، کیونکہ یہ رجوع بحکم شرع

واجب ہے بلکہ رجوع کرنا مجتہد یا انجان کا اپنے جیسے آدمی کی طرف تقلید نہیں ہے لیکن مشہور یوں ہوگیا ہے کہ انجان مجتہد کا مقلد ہے۔

امام الحرمینؒ نے کہا ہے کہ اسی قول مشہور پر بڑے بڑے اصولی ہیں اور امام غزالیؒ اور آمدیؒ اور ابن الحاجبؒ نے کہا ہے کہ رجوع کرنا آنحضرت ﷺ اور اجماع اور مفتی اور گواہوں کیطرف اگر تقلید قرار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں پس ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کو اور مجتہدین کی اتباع کو تقلید کہنا جائز ہے انتہی بلفظہ، (معیار الحق ص ۶۷) جماعت غیر مقلد کے رہنما مولانا نذیر حسین صاحب کے اس مفصل بیان سے ذیل کے اہم فوائد ثابت ہوتے ہیں:

(۱) لاعلمی کے وقت کسی مسئلہ میں مجتہدین کی طرف رجوع کرنا درحقیقت تقلید نہیں بلکہ اتباع اور سوال ہے۔

(۲) مجتہدین کی اتباع کو تقلید بھی کہا جاتا ہے یعنی بالمآل اتباع اور تقلید ایک ہی چیز ہے ان میں کوئی فرق نہیں۔

(۳) لاعلم اور انجان آدمی کا مفتی کے قول کیطرف رجوع کرنا تقلید نہیں بلکہ یہ بحکم شرع واجب ہے لیکن بڑے بڑے اصولیوں کے قول کے مطابق اس کو تقلید کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(۴) جسطرح مجتہدین کی اتباع کو تقلید کہنا جائز ہے اسی طرح آنحضرت ﷺ کی اتباع کو بھی تقلید کہنا جائز ہے اس تفصیل کو ملحوظ رکھنے کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں مجتہدین کی اتباع اور تقلید کرتا ہوں یا یہ کہے کہ میں آنحضرت ﷺ کا مقلد ہوں تو درست اور صحیح ہے اور اس پر کوئی ملامت اور لعن طعن نہیں ہوسکتا، اور نیز جو حضرات تقلید اور اتباع کو ایک ہی مفہوم میں لیتے ہیں ان پر بھی کوئی گرفت نہیں ہوسکتی، جیسا کہ اکثر کتب میں تقلید کو اتباع سے تعبیر کی گئی ہے (کشف اصطلاحات الفنون ص-۱۱۷۸)، شرح منار مصری ص-۲۵۲، نامی شرح حسامی ص-۱۹۰ وغیرہ)۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں اتباع و تقلید کے معنی واحد ہیں (سبیل الرشاد ص ۲۷)۔

قرآن کریم سے تقلید کا ثبوت

(۱) اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (الآیۃ ۵، آل عمران)

ترجمہ: اے مؤمنو! اللہ کی اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور تم میں جو صاحب امر (اور حکم) ہیں انکی (بھی) اطاعت کرو۔

اس آیت کریمہ میں تین چیزوں کا حکم ہے (۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت (۲) حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت (۳) اور اولی الامر کی اطاعت۔ پہلی دو چیزوں کے متعلق تو اہل اسلام میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول مقبول ﷺ کی اطاعت ہر مسلمان کا فرض اولین ہے اور انکی اطاعت سے روگردانی باغی، نافرمان اور سرکش ہی کا کام ہے۔ جب پہلی دو چیزوں میں اختلاف ہی نہیں تو ہم ان کی تفصیل بھی عرض نہیں کرنا چاہتے، البتہ تیسری چیز کے متعلق ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) یہ بات طے شدہ ہے کہ مسلمان کو مسلم صاحب امر کی اطاعت کرنا ضروری ہے، غیر مسلم کی اطاعت نہ صرف یہ کہ ناجائز ہے بلکہ گناہ بھی ہے۔ اور "منکم" کے لفظ میں اللہ تعالیٰ نے اسکو بیان فرمایا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت اس وقت ضروری ہوگی جب وہ تم میں سے (یعنی مسلمان) ہو "منکم" کا یہی معنی ہے کیونکہ پہلے یاایھا الذین آمنوا کی تصریح موجود ہے۔

(۲) یہ بات بھی اصول موضوعہ میں شامل ہے کہ صاحب امر کی بات بھی جب کہ وہ خدا تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی نافرمانی میں ہو ماننا ناجائز اور گناہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کا صاف ارشاد ہے: فاذا امر بمعصیۃ فلاسمع ولا طاعۃ، (بخاری ج۲، ص۱۰۵۷)، یعنی جب صاحب امر کی طرف سے خدا تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی نافرمانی کا حکم صادر کیا گیا ہو تو پھر نہ تو

اسکی بات سنی جائز ہے اور نہ ہی اسکی اطاعت روا ہے۔

(۳) صاحب امر جبکہ اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہو تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ اسکی اطاعت جائز ہی ہے بلکہ اللہ تعالی کا حکم بھی اسکی اطاعت پر مجبور کرتا ہے اور آنحضرت ﷺ کا صاف ارشاد ہے کہ **من اطاع امیری فقد اطاعنی ومن عصا امیری فقد عصانی**، یعنی جس نے میرے امیر کی اطاعت کی تو اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی تو اس نے میری نافرمانی کی۔

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷)۔

حضرات قارئین کرام! آپ نے صاحب امر کی اطاعت اور اسکی شرائط کا حال پڑھ لیا اب یہ بحث باقی رہجاتی ہے کہ اولی الامر سے مراد کون ہیں؟ اولی الامر سے اصولی طور پر دو ہی قسم کے لوگ مراد لئے گئے ہیں (۱) علماء اور فقہاء، (۲) امراء جیوش اور مطلق حکام، آپ اولی الامر سے پہلی قسم مراد لیں یا دوسری بہر حال ہمارا مدعی ثابت ہے۔

اولی الامر کی تفسیر صحابہ کرام سے:

پہلی قسم: کہ اولی الامر سے مراد علماء اور اصحاب فقہ ہیں: حضرات جابر بن عبد اللہؓ فرماتے ہیں: **اولی الامر منکم قال الفقه والخیر**، (مستدرک ج ۱ ص ۱۲۳) کہ اولی الامر سے اصحاب فقہ اور ارباب خیر مراد ہیں، حضرت جابرؓ کی اس تفسیر کو امام حاکمؒ نے سند کے ساتھ پیش کیا ہے امام حاکمؒ اور ذہبیؒ دونوں اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ (جو حبر الامۃ اور ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور تھے) سے بھی یہی تفسیر منقول ہے یعنی **اهل الفقه والدین (الی ان قال) فاوجب الله اطاعتهم** (مستدرک ج ۱ ص ۱۲۳) اولی الامر سے اہل فقہ اور اہل دین مراد ہیں (جو لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں)۔ (آگے فرمایا کہ) اللہ تعالی نے ان کی اطاعت واجب

کر دی ہے، حضرت ابن عباسؓ کی یہ تفسیر بھی سند سے منقول ہے اسکے تمام روات بھی ثقہ ہیں، اور تفسیر صحابہؓ کے متعلق علمائے کرام فرماتے ہیں تفسیر الصحابی مسند، تفسیر الصحابی حجة، تفسیر الصحابی مرفوع ،(مستدرک ج ۱، ص ۱۳۳)، معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۰، زاد المعاد ج ۴، ص ۵۲، تدریب الراوی ص ۶۵، الجنۃ لنواب صدیق حسن خان ص ۹۶ توجیہ النظر ص ۱۶۵)، یعنی صحابی کی تفسیر مسند ہے (یعنی آنحضرت ﷺ کا فرمان ہوتا ہے) اور صحابی کی تفسیر حجت ہے، اور صحابی کی تفسیر مرفوع ہوتی ہے۔

جب حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ اولی الامر کی تفسیر اولی الفقہ سے کرتے ہیں اور قاعدہ مذکورہ کی بناء پر صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث ہوتی ہے اور سند بھی اسکی صحیح ہے تو یہی تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ تفسیر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے سنی ہوگی۔

اب دیکھئے کہ غیر مقلدین حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تفسیر کو بھی قبول کرتے ہیں یا بعض دیگر حضرات مفسرین کرام کی تفسیر اور اپنی رائے اور پسند کی بات پر مصر رہتے ہیں۔

اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ صحابی کی تفسیر مرفوع حدیث کے حکم میں نہیں ہوتی تب بھی بفضلہٖ تعالی فتح ہماری ہی ہوگی۔ راہنمائے غیر مقلدین نواب صدیق حسن خان صاحب فرماتے ہیں کہ وهكذا حكم اقوالهم فی التفسير فانها اصوب من اقوال من بعدهم (الجنۃ ص ۹۶) اور اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ کے تفسیری اقوال کا حکم ہے کہ وہ بعد میں آنے والے حضرت کے اقوال سے بہت زیادہ صحیح ہیں، اسی طرح حضرات تابعینؒ کے اقوال کے متعلق خان صاحب لکھتے ہیں کہ وهكذا تفسير التابعی حجة (الجنۃ ص ۹۶) یعنی اسی طرح تابعی کی تفسیر بھی حجت ہے۔

اولی الامر کی تفسیر حضرات تابعین سے:

اور متعدد حضرات تابعینؒ سے مروی اور منقول ہے کہ اولی الامر سے مراد علماء اور اہل فقہ ہیں۔

حضرت عطاء بن ابی رباح (المتوفی ۱۱۴ھ) سے سند کے ساتھ منقول ہے کہ اولوا الامر اولو العلم والفقہ (دارمی ص ۴۰) یعنی اولی الامر سے اہل علم اور اصحاب فقہ مراد ہیں۔

اور ابو بکر الجصاص الرازی (المتوفی ۳۷۰ھ) واولی الامر منکم کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

اختلف فی تأویل اولی الامر فروی عن جابرؓ بن عبد اللہؓ وابن عباسؓ روایۃ والحسنؒ والعطاءؒ ومجاھدؒ انھم اولوا الفقہ والعلم وعن ابن عباسؓ روایۃ وعن ابی ھریرۃؓ انھم امراء السرایا، ویجوز ان یکونوا جمیعا مرادین بالآیۃ لان الاسم یتناولھم جمیعا لان الامراء یلون امر تدبیر الجیوش والسرایا قتال العدو والعلماء یلون حفظ الشریعۃ وما یجوز وما لا یجوز (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۱۰) یعنی اولی الامر کی تفسیر میں اختلاف کیا گیا ہے حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایۃً اور حضرت حسنؒ و حضرت عطاءؒ اور حضرت مجاھدؒ سے مروی ہے کہ اولی الامر اہل فقہ اور اہل علم ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے روایۃً اور حضرت ابو ھریرہؓ سے مروی ہے کہ اس سے مراد اُمراء جیوش ہیں اور جائز ہے کہ اس آیت کریمہ سے دونوں مراد ہوں کیونکہ اولی الامر کا لفظ دونوں کو شامل ہے اس لئے کہ امراء تدبیر جیوش اور فوجوں اور دشمن سے لڑائی کے کام کی سرپرستی کرتے ہیں اور علماء حفظ شریعت اور جائز اور ناجائز چیزوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ قال الحسن وقتادۃ وابن ابی لیلی ھم اھل

العلم والفقه وقال السدی الامراء والولاۃ قال ابوبکر یجوز ان یرید به الفریقین من اهل الفقه والولاۃ لوقوع الاسم علیهما جمیعا، (احکام القرآن ج ۲، ص ۲۱۵)، یعنی حضرت حسنؒ اور حضرت قتادہؒ اور حضرت ابن ابی لیلیٰؒ فرماتے ہیں کہ اولی الامر اہل علم اور اہل فقہ ہیں اور حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ امراء اور حکام مراد ہیں، امام ابوبکر الجصاصؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے کہ اس سے اہل فقہ اور حکام کے دونوں فریق مراد ہوں کیونکہ یہ لفظ دونوں پر واقع ہوتا ہے۔

اس عبارت سے بھی بالکل واضح ہو گیا کہ دونوں طبقے مراد لینے میں کوئی تضاد و تعارض نہیں اور نہ اس میں نقلاً و عقلاً کوئی قباحت ہے۔

الحاصل: جب یہ بات پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی ہے کہ اولی الامر سے مراد اصحاب فقہ و علماء اور اصحاب خیر ہیں تو انکی اطاعت کا اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں اور یہ محال ہے کہ شرک اور بدعت و مذموم امر کا حکم رب العزت کی طرف سے ہو اور صیغۂ امر "اطیعوا" کا بھی اچھی طرح خیال فرمائیں۔

راہنمائے غیر مقلد نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں، اصل در امر وجوب فعل مامور بہ ست (بدور الاہلہ ص-۲۲) یعنی امر اصل قاعدہ کے لحاظ سے فعل مأمور بہ کے وجوب کے لئے ہوتا ہے، جب صیغۂ امر سے مامور بہ کا وجوب ثابت ہے تو اس وجوب پر عمل کرنے سے شرک کیوں لازم آیا، اور یہ مذموم کیوں ہے، غیر مقلدین حضرات کو خدا تعالیٰ کا خوف کرنا چاہئے کہ مطلقاً تقلید حضرات ائمہ کرام کے شرک کہنے سے کیا خرابی لازم آتی ہے، اور اسکی زد کہاں کہاں پڑتی ہے اور کیا حضرات ائمہ کرام کی یہی توقیر ہے؟

اثبات تقلید کے بارے میں دوسری آیت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: واذا جاء ھم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمه الذین یستنبطونه منھم ۔(آل عمران، پ۵)

ترجمہ: جب انکے پاس امن یا خوف کا کوئی واقعہ پہنچتا ہے تو وہ اسکو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اسکو جناب رسول اللہ ﷺ اور اولی الامر کیطرف لوٹائے (تو بہتر ہوتا) تاکہ اسکی حقیقت اور تہ کو پہنچ سکتے ہیں وہ اسکو جان لیتے (پھر جیسا مناسب سمجھتے کرتے)۔

اس آیت کریمہ میں عوام الناس کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ہر بات ان کے سمجھنے کی نہیں ہوتی لہذا جب بھی وہ کسی امن یا خوف کی بات کو سنیں تو جناب رسول اللہ ﷺ اور اولی الامر سے اسکی بابت پوچھ لیا کریں، پھر جیسا وہ مناسب خیال فرمائینگے بتلا دینگے پھر عوام اس پر عمل کریں۔

مندرجہ ذیل امور پر غور کریں:

(۱) اگرچہ آیت میں امن اور خوف کا ذکر ہے لیکن ان کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ امن اور خوف ان کا پس منظر اور انکی تشہیر بسا اوقات امن عامہ کے لئے مخل ہوتی ہے اور ہر آدمی اسکے نتائج تک پہنچ نہیں سکتا اس لئے یہ ضروری ٹھہرا کہ ایسے اہم کاموں میں ہر آدمی اپنی سمجھ سے کام نہ لے بلکہ کسی سمجھدار سے جو حقیقت آشنا ہو پوچھ لے، اسی طرح دین کا ہر مسئلہ اور اسکی حقیقت کی ہر آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے اس لئے ایسے مسائل میں ایسے لوگوں سے جو حقیقت سے آگاہ ہوں پوچھنا ضروری ٹھہرا۔

(۲) اس آیت میں اولی الامر ایسے حضرات کو کہا گیا جن میں استنباط اور اجتہاد کا مادہ موجود ہوتا کہ ضرورت کے وقت وہ جزئیات کو اصول کی طرف اور غیر منصوص مسائل کو احکام منصوصہ کی

طرف لوٹا کر معاملہ کی نزاکت کو معلوم کر سکیں، اور یہ کام صرف حضرات فقہاء کرام اور مجتہدین کا ہے، چنانچہ امام ابوبکر الجصاص الرازیؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ فقد حوت هذه الآية معانی منها ان فی احكام الحوادث ماليس بمنصوص عليه بل مدلول عليه، ومنها ان على العلماء استنباطه والتوصل الى معرفته برده الى نظائره من المنصوص ومنها ان العامی عليه تقليد العلماء فی احكام الحوادث الخ (احکام القرآن ج۲، ص۲۱۵)۔

یعنی بلا شک یہ آیت کریمہ متعدد معانی ومطالب پر مشتمل ہے (۱) یہ کہ پیش آمدہ مسائل کے احکام ایسے بھی ہیں جو صراحۃً ثابت نہیں بلکہ دلیل سے انکی طرف رہنمائی ہوتی ہے (۲) یہ کہ علماء پر انکا استنباط اور منصوص نظائر کیطرف لوٹا کر ان کی معرفت تک توصل لازم ہے (۳) یہ کہ عامی پر پیش آمدہ مسائل کے احکام میں علماء کی تقلید لازم ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم اور مدلول کے اعتبار سے بالکل واضح ہے۔

اثبات تقلید کے متعلق تیسری آیت:

واتبع سبيل من اناب الی الخ (لقمان-۲۱) اللہ تعالیٰ پہلے مؤمن کو یہ حکم دیتے ہیں کہ اگر ماں باپ تجھے شرک کرنے پر مجبور کریں تو انکی اطاعت نہ کرنا، ہاں دنیوی امور میں انکے ساتھ دیتے رہنا، پھر ارشاد فرماتے ہیں واتبع سبيل من اناب الی (لقمان پ۲۱) جو لوگ میری طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں تو ان کے راستے کی اتباع کر۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو بندگان خدا اللہ تعالیٰ کی طرف انابت اور رجوع کرتے ہیں ان کی اتباع نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ ضروری اور واجب بھی ہے کیونکہ "واتبع" صیغۂ امر ہے اور صیغۂ امر کا وجوب پر دلالت کرتا ہے، علامہ آلوسیؒ اس آیت کریمہ کی

تفسیر میں لکھتے ہیں واتبع سبیل من اناب الی بالتوحید والاخلاص بالطاعۃ وحاصلہ اتبع سبیل المخلصین (روح المعانی ج ۲۱ ص ۷۸)

اب ہم حضرات غیر مقلدین سے پوچھتے ہیں کہ حضرات ائمہ اربعہ اور انکے علاوہ دیگر حضرات ائمہ کرام کیا توحید وسنت پر قائم تھے یا نہ؟ اور کیا اطاعت خدا تعالی اور رسول برحق کی فرمانبرداری میں اخلاص سے پیش آتے تھے یا ریاکاری بھی کرلیا کرتے تھے؟ اگر آپ یہ کہیں کہ وہ لوگ العیاذ باللہ تعالی نہ توحید وسنت پر گامزن تھے اور نہ مخلص تھے بلکہ مشرک اور ریاکار تھے تو اسکا اثبات آپ کے ذمہ ہوگا من ادعی فعلیہ البیان۔

اور اگر وہ موحد اور مخلص تھے اور یقینا ایسے ہی تھے تو حافظ ابن تیمیہؒ کے الفاظ میں انکی اتباع واجب ٹھہری واتبع سبیل من اناب الی والامۃ منیبۃ الی اللہ تعالی فیجب اتباع سبلھا. (معارج الاصول ص-۱۲)

واتبع سبیل من اناب الی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امت جب اللہ تعالی کیطرف ہی انابت کرتی رہی ہے تو اسکے راستوں کی اتباع واجب ٹھہری۔

جب امت منیب ہے اور فقہی طور پر اس امت کے مقتدی اور پیشوا حضرات ائمہ اربعہ بھی ہیں تو فرمائے کہ تعلیم قرآن کیوجہ سے ان کی اتباع اور تقلید شرک فی الرسالۃ ٹھہری یا واجب؟ ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ اتباع اور تقلید ایک ہی شی ہے۔

غیر مقلدین کا غلط دعوی:

قارئین کرام: اچھی طرح سمجھ چکے ہونگے کہ غیر مقلدین حضرات کا یہ دعوی! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی اور کی اتباع اور اطاعت جائز نہیں، کیا غلط دعوی ہے کیونکہ امیر کی اتباع اور اطاعت رسول کی اتباع اور اطاعت ہے اور حضرات فقہاء

اور علماء کی اتباع و اطاعت بھی رسول کی اتباع اور اطاعت ہے گویا انکی اطاعت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں مدغم ہے جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت میں مدغم ہے۔

تنبیہ:

البتہ ایک چیز پیش نظر رہے کہ حضرات ائمہ کرامؒ معصوم نہیں ہیں اس لئے ان سے خطا اور غلطی کا صدور بمقتضائے بشریت ممکن ہے ان کی ایسے مسائل اور امور میں اطاعت جائز نہیں بلکہ اس صورت میں قرآن وحدیث کو ہی اپنا حکم تسلیم کرنا ضروری ہے جو لوگ جہالت یا خیانت سے قرآن اور حدیث پر اپنے کسی امام یا پیر کی بات کو ترجیح دیں یا ان کے مساوی سمجھیں بلکہ قرآن اور حدیث کی موجودگی میں حضرات ائمہ کرام اور پیران عظام کی بات سے استدلال اور احتجاج کریں تو ایسے لوگ ملحد اور زندیق ہیں، ایسے لوگ واقعی شرک فی الالوھیت اور شرک فی الرسالت کا ارتکاب کرتے ہیں لیکن معاف رکھنا ہمیں ان سے کیا علاقہ اور نسبت؟ بلکہ ہم تو ایسے ملاحدہ کو صاف کہتے ہیں۔

ترسم کہ نرسی بکعبہ اے اعرابی - کیں راہ کہ تو میروی بترکستان ست۔

ایسے زنادقہ اور دجاجلہ کے عمل اور طرز وطریق پر جمہور اہل اسلام کی تقلید کو قیاس کرنا شیر کو شیر بنانا بلکہ اسلام کو کفر بنانے کے مترادف ہے۔

اثبات تقلید کے متعلق چوتھی آیت:

اللہ تعالیٰ مشرکین کے اس عقیدہ کی کہ پیغمبر بشر نہیں ہو سکتے تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ وما ارسلنا من قبلك الا رجالاً نوحي اليهم فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون (پ۱۴،النحل) ہم نے آپ سے قبل کسی پیغمبر کو نہیں بھیجا مگر مرد (اور

انسان) اہل علم سے پوچھ دیکھو اگر تم خود نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کم علم اور ناسمجھ کو عالم اور سمجھدار سے پوچھنا اگر واجب نہیں تو "فاسئلوا" صیغہ امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کم از کم مستحب تو ضرور ہے، اگر وہ عالم زندہ ہے تو اس سے مشافہۃً پوچھا جائے، اور اگر وہ فوت ہو چکا ہے تو اس کے بتلائے ہوئے اصول وضوابط کی طرف مراجعت کر لی جائے۔

حضرت امام رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ان من الناس من جوّز التقليد للمجتهد لهذه الآية فقال لما لم يكن احد المجتهدين عالماً وجب عليه الرجوع الى المجتهد العالم، لقوله تعالى فاسئلوا الآية فان لم يجب فلا اقل من الجواز، (تفسیر کبیر ج۱۹، ص۱۹، روح المعانی ج۱۴، ص۱۴۸)۔

یعنی بلاشبہ بعض لوگوں نے مجتہد کیلئے اس آیت کریمہ سے تقلید کا جواز ثابت کیا ہے، (بقول امام رازیؒ) یوں کہ جب مجتہدین میں سے کوئی کسی چیز کو نہیں جانتا تو اس پر مجتہد عالم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم سوال کرو الخ اگر رجوع کرنا واجب نہ ہو تو جواز سے کیا کم ہوگا؟

جب بعض مسائل میں مجتہد کو اپنے سے بڑے مجتہد عالم سے پوچھنا جائز ہے تو ایک عامی اور جاہل کو پوچھنا کیوں جائز نہ ہوگا؟

دیکھئے آج نہ تو حضرت امام بخاریؒ زندہ ہیں اور نہ حضرت امام عبدالرحمن بن ابی حاتم، نہ حضرت امام مزیؒ موجود ہیں اور نہ علامہ ذھبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کہ جن سے ہم رجال کے متعلق سوال کریں، مگر حضرت امام بخاریؒ کی کتب تاریخ امام ابی حاتمؒ کی کتاب العلل، امام مزیؒ کی تہذیب الکمال، علامہ ذھبیؒ کا تذکرہ اور میزان الاعتدال اور حافظ ابن حجرؒ کی تہذیب اور لسان وغیرہ موجود ہیں جن کے مطالعہ کرنے سے ہمیں رجال کی توثیق یا تضعیف

پر پورا پورا اطمینان ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اگرچہ آج نہ تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ موجود ہیں اور نہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور نہ دیگر حضرات ائمہ کرام تاکہ ہم معانی حدیث سے متعلق ان سے پوچھیں؟ لیکن انکی اور انکے معتبر تلامذہ کی کتابیں اور انکے بیان کردہ اصول تو ہمارے پاس موجود ہیں، اسلئے ہمیں انکی طرف رجوع کرنے کے بعد قرآن اور حدیث کے سمجھنے میں بہت کم ٹھوکر لگ سکتی ہے، بخلاف اس کے، آپ دیکھ لیں کہ فرق باطلہ معتزلہ، خوارج، روافض، جہمیہ اور کرامیہ وغیرہ کو کہ اپنے خود تراشیدہ اصول کے مطابق اور اپنے ذہن نارسا پر بھروسہ کرنے کی بدولت ان کو قرآن اور حدیث میں کتنی تحریف کرنی اور کس قدر ٹھوکریں کھانا پڑیں، آج بھی آپ باطل فرقوں کو مثلاً قادیانی، چکڑالوی اور زمانہ حال کے مشرکین اور مبتدعین کو دیکھ لیجئے کہ کسطرح وہ قرآن اور حدیث کے معانی کو بگاڑتے ہیں اور اپنے باطل اور فرسودہ عقائد کے اثبات میں کسطرح آسمان سے ریسمان بناتے ہیں۔

اگر ہم حضرت امام بخاریؒ وغیرہ سے رجال حدیث کے متعلق سوال کر سکتے ہیں اور ضرور کرنا چاہئے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ وغیرہ سے ہم کیوں معانی حدیث کا سوال نہیں کر سکتے؟ اور اگر پہلی چیز شرک نہیں تو دوسری چیز کیوں شرک ہے؟ یا اگر دوسری چیز شرک ہے تو پہلے چیز کیوں شرک نہیں؟

الحاصل: نادان اور بے سمجھ کا اہل علم سے سوال کرنا اور پوچھنے کے بعد اسکی بات پر بھروسہ اور اطمینان کرنا اگر ناجائز ہوتا تو اللہ تعالیٰ اہل علم سے پوچھنے کا کیوں حکم دیتے؟ اور آنحضرت ﷺ کیوں فرماتے کہ انما شفاء العی السوال (مشکوٰۃ ج ۱، ص ۵۵) یقیناً ناواقف کا علاج اور شفاء اسی میں ہے کہ وہ واقف کار سے پوچھ لے۔

اگر مجیب کی بات سائل کے لئے حجت اور دلیل نہیں تو سائل کو کیوں ایک مہمل کام کے

پیچھے لگا دیا گیا ہے؟ تقلید حضرات ائمہ کرام کا مقصد بھی اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ لاعلم مقلد جو ایک قسم کا سائل ہوتا ہے ہر مسئلہ کی تحقیق فقیہ اور عالم سے پوچھے اور اس پر عمل کرے، اگر وہ مسئلہ قرآن یا حدیث میں ہوگا تو مقلد اپنے امام کی عقل، علم اور دیانت پر بھروسہ کریگا تاکہ خود اس سے حضرت عدی بن حاتم کی طرح سیاہ اور سفید دھاگے میں فرق نہ کر سکنے کی غلطی میں واقع نہ ہو جائے، صحیح بخاری ج ۲، ص ۶۹ کی ایک حدیث میں یہ جملہ بھی موجود ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا فسألت اهل العلم فاخبرونی (الحدیث) اس موقع پر ان اہل علم کا جو فیصلہ تھا وہ شرعاً غلط تھا اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرزور الفاظ سے تردید فرمائی، لیکن اہل علم سے دریافت کرنے کے سلسلے میں آپ نے کوئی گرفت نہیں فرمائی کہ تم نے اہل علم سے سوال کیوں کیا؟ اور ہمارا استدلال بھی صرف اسی شق سے ہے جس سے معلوم ہوا کہ اہل علم سے سوال کرنا ناجائز نہیں ورنہ آپ خاموش نہ رہتے ضرور منع کرتے تو یہ تقریری حدیث بھی قولی حدیث کے موافق ہے کہ لاعلمی میں اہل علم سے سوال کرنا چاہئے۔

احادیث رسول ﷺ سے تقلید کا ثبوت

(۱) عن عرباض بن سارية..............................

یعنی حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن صبح کی نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر آپ نے ایک مؤثر اور بلیغ تقریر ارشاد فرمائی جس سے لوگ اتنے متأثر ہوئے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل میں خشیت طاری ہو گئی ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ یہ تقریر آپ کی رخصت کرنے والے کی (آخری) تقریر ہے اس لئے ہمیں کچھ وصیت ارشاد فرما دیجئے، آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں وصیت کرتا

ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہنا امیر کی بات کو سننا اور اسکی اطاعت کو بجالانا اگر چہ ایک حبشی غلام تمہارا امیر منتخب ہو جائے، کیونکہ میرے بعد تمہاری زندگی کے مراحل میں بہت کچھ اختلافات پیدا ہو جائینگے، اسکے بعد ارشاد فرمایا کہ میری سنت اور خلفائے راشدینؓ کی سنت کو جو ہدایت یافتہ ہیں، مضبوط پکڑو، اور میری اور ان کی سنت کو اپنی داڑھوں سے مضبوط پکڑو اور دین میں نئی نئی باتوں سے احتراز کرو کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے (ترمذی ج ۲، ص ۹۲، ابن ماجہ ص ۵، ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۹، مسند احمد ج ۴ ص ۲۷، مسند دارمی ص ۲۶، مستدرک ج ۱، ص ۹۵، مشکوۃ ص ۳۰ وغیرھا)، امام ترمذیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں ہذا حدیث حسن صحیح، مشہور محدث ابن حزم ظاہری (غیر مقلد) اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں (بحوالہ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبیؒ ج ۳، ص ۳۲۵)

اب حدیث مذکور کے معنوی اور مدلول کے لحاظ سے مندرجہ ذیل امور پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔

(۱) آنحضرت ﷺ نے اپنی وصیت میں جہاں تقوی اختیار کرنے پر زور دیا ہے وہاں امیر کی اطاعت کو بھی اگر چہ وہ امیر حبشی غلام ہی کیوں نہو نمایاں طور پر تاکید فرمائی ہے اور امیر کی اطاعت بنام تقلید شخصی جسکی بحث آیات قرآنی کے ماتحت گذر چکی ہے۔

(۲) آپ ﷺ نے جہاں اپنی سنت کی پیروی پر حضرات صحابہ کرامؓ اور امت کو تاکید بلیغ ارشاد فرمائی ہے وہاں اپنے حضرات خلفاء راشدین کی سنت کو بھی مضبوط پکڑنے کا تاکیدی حکم ارشاد فرمایا ہے اور انکی سنت کو ایک حسی مثال سے واضح کیا ہے کہ جس طرح داڑھوں میں مضبوط پکڑی ہوئی چیز نکل نہیں سکتی اسی طرح فرمایا کہ میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوط پکڑو اور اسکو بالکل جنبش بھی نہ آنے دو۔

(۳) آپ ﷺ نے اپنے خلفائے راشدین کی غیر معمولی توصیف کی ہے کہ وہ راشد (راہ راست پر چلنے والے) اور مہدی (ہدایت یافتہ) ہیں اس لئے ان کی جو بھی سنت ہوگی وہ

اسلام میں رشد اور ہدایت ہی ہوگی۔

(۴) تمام اہل السنۃ والجماعۃ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیق، حضرت عمر الفاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلفائے راشدین میں تھے جنکا راشد اور مہدی ہونا آنحضرت کے ارشاد اور جمہور اہل اسلام کے مشاہدہ اور شہادت سے ثابت ہو چکا ہے۔

(۵) ان خلفائے راشدین کے قول و فعل کے خلاف اور بعد کو جو چیز بھی ظاہر اور پیدا ہوگی اسکو دین اور مذہب کہنا نری بدعت ہوگی اور ہر بدعت ارشاد نبوی ﷺ کے بموجب گمراہی ہی ہوگی۔ اب ان مذکورہ بالا امور کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہمارا استدلال اور احتجاج ملاحظہ فرمائے۔ ایک وقت میں خلیفۂ راشد صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور مسلمانوں پر اس ایک ہی کی اطاعت اور فرمانبرداری لازم اور ضروری ہوتی ہے جسطرح دو تلواریں ایک نیام میں نہیں آسکتیں اسی طرح دو خلیفے بھی بیک وقت منتخب نہیں ہو سکتے، چنانچہ آنحضرت ﷺ کا صاف اور صریح ارشاد موجود ہے کہ اذا بویع للخلیفتین فاقتلوا الآخر منهم (مسلم ج۲، ص۱۲۸)، جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو تم دوسرے کو قتل کر دو۔

حضرت عرفجہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود آنحضرت ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا کہ من اتاكم وامركم جميع على رجل واحد يريد ان يشق عصاكم او يفرق جماعتكم فاقتلوه (مسلم ج۲، ص۱۲۸، مشکوٰۃ ج۲، ص۳۲۰) تمہارے پاس جو شخص اس حالت میں آیا کہ تمہارا ایک شخص پر اتفاق ہو اور وہ تمہاری جماعت میں (ایک شخص پر اجتماعیت سے ہٹا کر) تفریق پیدا کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کر دو۔

ان حدیثوں سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ ایک خلیفہ ہوتے ہوئے دوسرے کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور اگر دوسرا اپنی خلافت منوانے پر مصر ہو تو اسکو قتل کر دینا ضروری ہے

اور اسی پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے۔

چنانچہ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ ایک زمانہ میں دو خلیفوں کی بیعت کرنا تمام علماء کے نزدیک ناجائز ہے چاہے دار اسلام کا حلقہ وسیع ہو یا تنگ (شرح مسلم ج ۲ ص ۱۲۶)۔

تو جسطرح ایک وقت میں صرف ایک ہی خلیفہ کی بیعت کرنا جائز ہے اور دوسرے کی بیعت جائز تو کیا ہوتی وہ تو مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق کے شیرازہ کو بکھیرنے کے جرم میں واجب القتل ہے اسی طرح خلیفہ راشد بھی ایک وقت اور ایک زمانہ میں صرف ایک ہی ہوسکتا ہے جس کے ہاتھ پر تمام مسلمانوں کو بیعت کرنا اور اس کے حکم کے سامنے گردن جھکا دینا اور اس کے ہر ارشاد پر چلنا اور دین و دنیا کے مسائل میں اس سے استدلال اور احتجاج کرنا ضروری اور لابدی ہے۔

الغرض خلافت صدیقی میں تمام مسلمانوں کو صرف حضرت ابوبکرؓ کو اپنا امام، حاکم، پیشوا اور مقتدی بنانا ضروری تھا اور دین و دنیا کے تمام معاملات میں مسلمانوں کو ان کی اطاعت اور اتباع کرنا لابدی تھی اسی طرح خلافت فاروقی وعثمانی اور حیدری کا حال سمجھئے، ان میں سے ہر یک کے دور میں صرف ایک ایک کی تقلید کرنا ضروری تھا، اور تقلید شخصی کا یہی معنی ہے کہ ایک ہی ہستی اور ذات کو اپنے پیش نظر رکھکر اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کا دم بھرا جائے۔ رہی یہ بات کہ خلیفۂ وقت کے ہاتھ پر بیعت تو نظام عالم اور نظم ونسق کو برقرار رکھنے کے لئے یعنی سیاسی طور پر ہوتی ہے اور حضرات ائمہ کرام کی تقلید محض امور دین میں ہوتی ہے جو حقیقۃً جناب رسول اللہ ﷺ کی مسند اور گدی ہے تو امام کی بیعت سے تقلید شخصی کیسے ثابت ہوئی؟

یہ سوال بالکل بیجا ہے کیونکہ بخاری شریف کی حدیث اور مسامرہ اور شرح العقائد وغیرہ کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام وقت اور خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت بھی دین ہی کے لئے ہوتی ہے اور دنیا اس کے تابع ہے، مقصود بالذات خلافت سے اللہ تعالی کے دین کی حفاظت ہوتی ہے

اسلئے امام وقت کی تقلید اور بیعت کو نا جائز کہنا اور امام معین کی تقلید اور اتباع کو شرک کہنا بالکل نامناسب بلکہ ظلم عظیم ہے۔

جب پہلی چیز جائز ہے تو دوسری بھی جائز ہے اور اگر دوسری شرک ہے تو پہلی اس سے بھی ڈبل شرک ہوگی کیونکہ خلیفہ وقت کے ہاتھ پر بیعت سے دین اولاً اور دنیا ثانیاً (یعنی دین اور دنیا دونوں پہلو) ملحوظ ہوتے ہیں اور امام معین کی تقلید میں فقط دین کا لحاظ ہوتا ہے، اور جب دین اور دنیا دونوں پہلوؤں میں تقلید شرک نہیں بلکہ شریعت حقہ کی اس پر اشد ترین تاکید موجود ہے تو دوسرے مسئلہ میں تقلید اور اتباع سے کیوں شرک لازم آتا ہے، غرضیکہ دین و دنیا، مذھب اور سیاست میں فرق نکالنا یہ اہل یورپ کی پیداوار ہے، شریعت محمدیہ ﷺ کا دامن اس تفریق سے بالکل پاک اور منزہ ہے، مسلمان کی دنیا بھی دین ہے بلکہ مسلمان کا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا وغیرہ بلکہ زندگی کا ہر شعبہ اور ہر پہلو دین ہے یہاں تو یہ نظریہ ہے جیسا کہ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ احتسب نومتی کما احتسب قومتی (بخاری ج ۲، ص ۶۲۲)، یعنی میں اپنی نیند کو بھی ایسا ہی ثواب سمجھتا ہوں جس طرح کہ اپنے کھڑے ہو کر نماز اور تہجد پڑھنے کو۔

الحاصل: اگر تقلید اور خصوصاً تقلید شخصی شرک ہوتی تو آنحضرت ﷺ ایک ایک خلیفہ اور امام کی اتباع، تقلید اور بیعت پر اتنی تاکید شدید نہ فرماتے، جب آپ نے ایسا کرنے پر امت کو عموماً اور حضرات صحابہ کرام کو خصوصاً ایک حد تک مجبور کر دیا ہے تو اب فرمائے کہ آپ تقلید شخصی کے اثبات پر اور کیسی دلیل چاہتے ہیں؟ کیا آپ کے نزدیک العیاذ باللہ تعالی یہ تمام حضرات صحابۂ کرامؓ تقلید شخصی کے ارتکاب کی وجہ سے مشرک ہو گئے تھے؟ کیا آنحضرت ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو شرک کرنے پر ابھارا تھا؟ العیاذ باللہ تعالی۔ اب جب غیر مقلدین حضرات کے نزدیک بھی ایک خلیفہ اور امام کی بیعت تقلید اور اتباع صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تو امام معین کی تقلید اور اتباع کو بھی ایسا ہی سمجھئے جس چیز کو آپ تسلیم کرتے ہیں ہم اسی

کو تقلید شخصی سے تعبیر کرتے ہیں، آپ اسکا عنوان کچھ ہی اختیار کر لیجئے، معنون ایک ہی ہے، سرخی کوئی مقرر کر دیجئے مطلوب اور مدلول ایک اور صرف ایک ہی ہے۔

اثبات تقلید کے بارے میں دوسری حدیث:

(۲) عن حذیفةؓ قال قال رسول الله ﷺ انی لاادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکرؓ و عمرؓ (ترمذی ج ۲، ص ۲۰۷ ابن ماجہ ص ۸۰، مستدرک ج ۳، ص ۷۵)۔

یعنی حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا (کہ میں کب تک تم میں زندہ رہونگا لہذا) تم میرے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرنا۔

اس حدیث کی امام ترمذی تحسین اور فن رجال میں مہارت تامہ رکھنے والے یعنی علامہ ذھبیؒ (تلخیص مستدرک ج ۳، ص ۷۵ میں) تصحیح کرتے ہیں، اس حدیث سے بھی صاف ظاہر ہوا کہ آنحضرت ﷺ حضرات صحابہ کرام کو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اقتدا کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تھا، اور "من بعدی" سے مراد ان حضرات کی حالت خلافت ہے کیونکہ بدون امارت اور بلا خلافت تو دونوں حضرت آپ ﷺ کے روبرو بھی موجود تھے، تو پھر "من بعدی" کا کیا مطلب؟ اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اسلام اسکو تسلیم نہیں کرتا کہ دو خلیفوں کی بیک وقت اطاعت اور اتباع کی جائے لہذا مطلب بالکل صاف ہے کہ عہد ابو بکرؓ میں حضرت ابو بکر کی اور عہد عمر میں عمرؓ کی تقلید اور اقتداء کی جائے اور یہی تقلید شخصی ہے گو ایک معین زمانہ کیلئے ہی سہی، رہا مذہب وسیاست یا دین و دنیا کا فرق نکالنا تو یہ بالکل لچر پوچ بات ہے۔

تقلید شخصی کے ثبوت میں تیسری حدیث:

(۳) قال رسول الله ﷺ رضیت لکم ما رضی لکم ابن ام عبد

(مستدرک ج ۳، ص ۳۱۹) آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے لئے اس چیز پر راضی اور خوش ہوں جس چیز کو تمہارے لئے عبداللہؓ بن مسعود پسند کریں۔

اگر تقلید شخصی شرک ہوتی تو آنحضرت ﷺ صرف حضرت ابن مسعودؓ ہی کی تخصیص نہ فرماتے اور ان ہی کی پیروی پر آمادہ نہ کرتے ورنہ اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا کہ جو چیز بھی تمہارے لئے حضرت ابن مسعودؓ پسند فرمائیں تو میں بھی اسکو تمہارے لئے پسند کرتا ہوں اور اسپر راضی اور خوش ہوں؟

حضرات غیر مقلدین! یہی وہ عبداللہؓ بن مسعود ہیں جن کے اقوال اور افعال پر فقہ حنفی کی عمارت قائم کی گئی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جس چیز پر راضی ہوں اس پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بھی راضی ہیں اور آپ ﷺ جس پر راضی ہوں ناممکن ہے کہ پروردگار عالم اس پر راضی نہو، نتیجہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ اور اسکے رسول برحق ﷺ کی رضا حضرت ابن مسعودؓ پر تھی اور انکے اقوال وافعال پر حنفی فقہ کا دار ومدار ہے۔

اب تو غیر مقلدین حضرات کو مخزن فقہ نبوی حضرت ابن مسعودؓ اور اس فقہ کے معلم اور استاذ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے سامنے سر ڈال کر یوں اپنی شکست کا اقرار کرنا چاہئے۔

چوتھی حدیث:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ جب تک یہ عالم تبحر یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود تمہارے درمیان زندہ ہیں تو مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو انہیں سے پوچھو، اگر صحابہ کرامؓ کے نزدیک تقلید شخصی شرک ہوتی تو ابوموسیٰ اشعری فرمادیتے کہ جناب رسول ﷺ کے بغیر ایک ہی آدمی کو اپنا امام نہ بنالیا کرو بلکہ جس سے جی چاہے پوچھ لیا کرو۔ حالانکہ آپ ﷺ خود صاف طور پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ذات گرامی پر بھروسہ کرتے ہوئے



لوگوں کو ان کی طرف مراجعت کرنیکا حکم دیتے ہیں بلکہ یوں کہئے کہ آپ ﷺ تقلید شخصی پر لوگوں کو آمادہ کرتے ہیں، اگر تقلید شخصی شرک ہوتی جیسا کہ غیر مقلدین کا زعم ہے تو پہلے آپ ﷺ نے اور پھر حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اس پر لوگوں کو کیوں اُبھارا؟

پانچویں حدیث:

عن اسود بن یزید قال اتانا معاذ بن جبل بالیمن معلماً او امیراً فسألناه عن رجل توفی وترك ابنته واخته فاعطی الابنة النصف والاخت النصف (بخاری ج۲،ص۹۹۷)، یعنی اسود بن یزیدؓ فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل ہمارے پاس یمن میں معلم یا امیر منتخب ہو کر آئے ہم نے ان سے دریافت کیا کہ ایک شخص کی وفات ہو چکی ہے اور اسکی ایک لڑکی اور ایک بہن موجود ہے اس کی وراثت کسطرح تقسیم ہوگی؟ تو حضرت معاذؓ نے اس میت کا ترکہ نصف لڑکی کو اور آدھا اس کی بہن کو دیا۔

آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع سے قبل ۱۰ھ میں حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا (قسطلانی حاشیہ بخاری ج:۱،ص:۱۸۷) گویا یہ واقعہ آپ کی زندگی کا ہے۔

اس حدیث سے ذیل کے امور وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) جسطرح امیر اور حاکم کی اطاعت ضروری ہے اسی طرح معلم کی اطاعت بھی ضروری ہے اور معلم کا لفظ اس میں صراحت کیساتھ موجود ہے ورنہ حضرت اسودؓ کو اس لفظ کے نقل پیش کرنیکی کیا ضرورت تھی، چونکہ حضرت معاذؓ یمن کے گورنر تھے جو امیر اور معلم بنا کر وہاں بھیجے گئے تھے اسلئے وہاں کے سب باشندوں پر ان کی اطاعت لازم تھی۔

(۲) اگر اہل یمن کے لئے حضرت معاذؓ کی بات فیصلہ اور فتویٰ کی حجت نہ تھی تو آنحضرت ﷺ نے العیاذ باللہ ایک بے فائدہ اور مہمل کام کیوں کیا کہ تنہا حضرت معاذؓ کو اہل یمن کی

طرف بھیجا، جبکہ انکا حکم ان پر لازم ہی نہ تھا؟ حضرت امام بخاری کتاب اخبار الآحاد میں فرماتے ہیں "وکیف بعث النبی ﷺ امراء ہ واحداً بعد واحد" (بخاری ج:۲،ص:۱۰۷۶) یعنی آنحضرت ﷺ اپنے حکام وامراء کو کیسے اکیلے اکیلے بھیجا کرتے تھے۔

(۳) اگر سب اہل یمن کیلئے معاذؓ کی جو شخص معین اور فرد حقیقی تھے اطاعت ضروری تھی اور یقیناً ضروری تھی تو غیر مقلدین پر لازم آئیگا کہ وہ تقلید شخصی کے جواز کو تسلیم کر لے یا صاف کہدے کہ العیاذ باللہ تعالی آنحضرت ﷺ نے شرک کی اشاعت کے لئے حضرت معاذؓ کو روانہ کیا تھا اور وہ اسکی اشاعت بھی کرتے رہے۔

(۴) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں بھی تقلید شخصی رائج تھی کیونکہ آپ کی زندگی میں ہی اہل یمن پر حضرت معاذؓ کی رائے اور بات حجت تھی اور یہی تقلید شخصی ہے کہ غیر منصوص مسائل میں کسی ایک پر اعتماد کر لینا۔

(۵) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مسئلہ مذکورہ میں سائلین نے حضرت معاذؓ سے کوئی دلیل نہیں پوچھی اگر چہ اپنے مقام پر اسکی دلیل بھی موجود تھی، لیکن ان پر محض حسن ظنی کرتے ہوئے انہوں نے حضرت معاذؓ کی بات کو حجت تسلیم کر لیا اور یہی تقلید شخصی ہے۔

چھٹی حدیث:

روی ابن سعد باسناد صحیح عن ابن عباسؓ قال اذا حدثنا ثقة عن علیؓ لم نتجاوزھا ۔ (فتح الباری ج:۷،ص:۶۰) علامہ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب کوئی ثقہ آدمی ہم سے حضرت علیؓ کا فتوی بیان کرے تو ہم اس سے ذرا بھی پس وپیش نہ کرینگے، حافظ ابن حجرؒ سے اس حدیث کی تصحیح بھی منقول ہے، دیکھئے کہ حضرت ابن عباسؓ ایسے جلیل القدر اور مجتہد صحابی حضرت علیؓ کی کیسی تقلید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ "لم نتجاوزھا" ہم حضرت علیؓ کے فتوی سے ذرا بھی تجاوز نہ کرینگے۔

غیر مقلدین حضرات ہی حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کر سکتے ہیں کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کے ہوتے ہوئے حضرت علیؓ کی تقلید کا ارتکاب کیوں کیا؟ اور جب آنحضرت ﷺ کی شریعت قیامت تک رہیگی تو ابن عباسؓ سے پوچھ لیجئے کہ آپ نے یہ کیوں نہ کہا کہ ہم تو آنحضرت ﷺ کی ہی تقلید کرینگے، ہمیں حضرت علیؓ وغیرہ کی بات کی تقلید کب جائز ہے؟

ساتویں حدیث:

عن ابن مسعودؓ لو ان الناس سلكت وادياً وشعباً وسلك عمرؓ وادياً وشعباً سلكت وادى عمرؓ وشعبه لو قنت عمرؓ قنت عبداللهؓ (ازالۃ الخفاء)۔

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمام لوگ کسی ایک وادی اور گھاٹی میں چلنا شروع کر دیں اور حضرت عمرؓ کسی دوسری وادی اور گھاٹی میں جائیں تو میں حضرت عمرؓ کی وادی اور گھاٹی میں ہی جاؤنگا، اگر حضرت عمرؓ قنوت (صبح کی نماز میں) پڑھتے تو عبداللہ یعنی میں بھی پڑھتا۔

اگر تقلید شخصی شرک ہوتی تو حضرت ابن مسعودؓ آنحضرت ﷺ کی شریعت کے ہوتے ہوئے حضرت عمرؓ کی راہ ورسم کی پابندی کا کیوں اظہار فرماتے؟ بلکہ ان کو کہدینا چاہئے تھا کہ اگر تمام لوگ بھی کسی میدان اور گھاٹی میں جائیں مگر میں تو بہر حال آنحضرت ﷺ کے قدم بقدم ہی چلونگا مجھے حضرت عمرؓ وغیرہ کے نقش وقدم پر چلنے کی وجہ سے العیاذ باللہ تعالیٰ مشرک بننے کی کیا ضرورت ہے؟ اور یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وہی کچھ کرتے تھے جو آنحضرت ﷺ کو پسند ہوتا تھا اور آپ کسی چیز کو پسند نہ فرماتے تھے۔ جبتک اللہ تعالیٰ نہ فرماتے تھے "ومانیطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى

؎ مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرائیل - جبرائیل ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار۔

آٹھویں حدیث:

حضرت جبیر بن مطعم نے روایت ہے کہ ایک عورت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے کوئی چیز دریافت فرمائی آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر کسی وقت آنا (آپ اسوقت بیمار تھے) اس عورت نے عرض کیا کہ اگر میں پھر کسی وقت آؤں جیسا کہ آپ فرماتے ہیں اور آپ کو نہ پاؤں یعنی اگر آپ کی وفات ہو جائے تو پھر کیا کروں؟ آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا فأتی ابابکر یعنی تو ابوبکرؓ کے پاس آنا۔ (بخاری ج:۲، ص:۵۱۶، مسلم ج:۲، ص:۲۷۳، مشکوٰۃ ج:۲، ص:۵۵۵)۔

اس حدیث سے جہاں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت ثابت ہوتی ہے وہاں اس سے تقلید شخصی بھی آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہے کیونکہ اس عورت نے تو آپ سے مسئلہ ہی پوچھا تھا، اس کے اس سوال پر کہ اگر آپ نہ ہوں تو میں کیا کروں؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ کے پاس آنا۔

اگر تقلید شخصی شرک ہوتی تو آپ یوں ارشاد فرماتے کہ جس سے تمہارا جی چاہے پوچھ لینا، حضرت ابوبکرؓ ہی سے سوال کرنے اور پوچھنے کی آپ نے کیوں تلقین کی؟ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی آدمی سے مسئلہ پوچھنا نہ شرک فی الرسالۃ ہے اور نہ گناہ، بالفاظ دیگر غیر منصوص مسائل میں تقلید شخصی نہ شرک ہے اور نہ گناہ۔

حضرات ناظرین کرام: ہم نے چند صحیح حدیثیں بطور نمونہ آپکے سامنے عرض کی ہیں کہ تقلید شخصی اگر شرک ہوتی تو ناممکن اور محال تھے کہ آنحضرت ﷺ اس کی اجازت دیتے، اور پھر آپ کے حضرات صحابہؓ اسکی ترویج اور اشاعت کرتے؟ بلکہ وہ خود اس پر اس طور پر عمل پیرا تھے کہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے الفاظ میں وہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے قدم

بقدم چلتے کہ سر مو بھی تجاوز نہ کرتے اور پھر حضرات صحابہ کرامؓ ایک ہی استاذ کی خدمت میں رہنے کی وصیت بھی اپنے تلامذہ کو کرتے رہے، جیسا کہ حضرت معاذؓ نے اپنے شاگرد حضرت عمرو بن میمونؓ کو وصیت کی تھی کہ تم میری وفات کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ہی رہنا، اور بعض حضرات تابعین کے عمل بھی ایسے ہیں مثلاً حضرت محمد بن سیرینؒ نے فرمایا کہ امام شعبیؒ کے فتاوی پر ہی بھروسہ کرنا کیونکہ وہ حضرات صحابہ کی موجودگی میں فتوی دیا کرتے تھے، اسی طرح حضرت عنبسہ کا حضرت ابو قلابہ کے متعلق اہل شام کو یہ کہنا "لن تزالو بخير يا اهل الشام مادام فيكم هذا او مثل هذا" (بخاری ج:۲،ص:۶۶۳، مسلم ج:۲،ص: ۵۷) یعنی اے اہل شام جب تک تم میں حضرت ابو قلابہؒ یا ان جیسے سمجھدار موجود ہیں تو تم خیریت کے ساتھ ہی رہو گے۔

اب ان حوالجات سے روز روشن کی طرح معلوم ہوتا ہے کہ غیر منصوص مسائل میں تقلید شخصی نہ کفر و شرک ہے اور نہ بدعت و مذموم بلکہ محمود و مقصود ہے ورنہ معاذ اللہ اس غلط نظریہ کی نسبت آنحضرت ﷺ، حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور جمہور سلف و خلف کی طرف ہوگی۔

اجماع امت بر تقلید ائمہ

(۱) وما خالف الائمة الاربعة مخالف للاجماع – وقد صرح فى التحريران الاجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف الاربعة لانضباط مذاهبهم وانتشارها وكثرة اتباعهم (الاشباه جلد:۱، صفحه: ۱۴۳۔)

(۲) وفى زماننا هذاانحصرت صحة التقليد فى هذه المذاهب الاربعة فى الحكم المتفق عليه بينهم وفى الحكم المختلف فيه ايضا قال المناوى فى شرح الجامع الصغير ولايجوز اليوم تقليد غير الائمة الاربعة فى قضاء ولاافتاء (بناية المراد صفحه ۲۴)

(۳) وقد وقع الاجماع على ان الاتباع انما يجوز للاربعة فلايجوز الاتباع لمن حدث مجتهداً مخالفالهم (تفسير احمدى).

(٤) والانصاف ان انحصار المذاهب فى الاربعة فضل الهى وقبولية من عند الله لامجال فيه للتوجيهات والادلة (تفسير احمدى صفحه ۲۹۷).

(٥) اماالاجتهاد المطلق فقالوا اختتم بالائمة الاربعة حتى اوجبوا تقليد واحد من هؤلاء على امته ونقل امام الحرمين الاجماع عليه (روضة الطالبين محى الدين نووى).

(٦) اما فى زماننا فقال ائمتنا لايجوز تقليد غير الائمة الاربعة الشافعى ومالك وابى حنيفة واحمد بن حنبل (فتح المبين شرح اربعين ابن حجر).

(۷) انعقد الاجماع على عدم العمل بالمذاهب المخالفة للائمة الاربعة (فتح القدير لابن الهمام).

(۸) فان اهل السنة وقد افترق بعد القرون الثلاثة اوالاربعة على اربعة مذاهب ولم يبق مذهب فى فروع المسائل الا هذه الاربعة .... قد انعقد الاجماع المركب على بطلان قول يخالف كلهم قال رسول الله ﷺ لايجتمع امتى على الضلالة وقال الله تعالى ومن يتبع غير سبيل المؤمنين نوله ماتولى ونصليه جهنم وساء ت مصيرا (تفسير مظهرى جلد ۲ صفحه ٦٤).

(۹) يجب على العامى وغيره ممن لم يبلغ مرتبة الاجتهاد التزام مذهب معين من مذاهب المجتهدين (شرح جمع الجوامع سيوطى).

(۱۰) ولم اندرست المذاهب الحقة الا هذه الاربعة كان اتباعها

اتباعا للسواد الاعظم والخروج عنها خروجا عن السواد الاعظم.

(عقد الجيد صفحه ۳۷).

(۱۱) هذه المذاهب الاربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الائمة او من يقيد بها منها على جواز تقليدها اى يومنا هذا.

(حجة الله البالغة جلد ۱ صفحه ۱۲۳).

(۱۲) وبالجملة فالتمذهب للمجتهدين سرا لهمه الله تعالى العلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون اولا يشعرون (الانصاف صفحه ۲۰).

(۱۳) وليس مذهب فى هذه الازمنة المتأخرة الاهذه المذاهب الاربعة اللهم الا مذهب الامامية والزيدية وهم اهل البدعة (عقد الجيد ۳۷).

(۱٤) من كان خارجا عن هذه المذاهب الاربعة فهو من اهل البدعة والنار (طحطاوى على الدرر باب التعزير).

(۱۵) اما مذاهب مختلفہ اہل السنۃ والجماعۃ مثل اشعریہ وماتریدیہ در عقائد، ومثل حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی در فقہیات، ومثل قادری وچشتی، نقشبندی، سہروردی در سلوک ایں ہمہ را فقیر برحق میداند (فتاوی عزیزی جلد ۲ صفحہ ۲۴).

(۱٦) علامہ ابن امیر الحاج اپنی کتاب التقریر والتحریر میں فرماتے ہیں والحاصل ان هؤلاء انحرقت بهم العادة على معنى الكراهة عناية من الله تعالى بهم اذا اقيست احوالهم باحوال اقرانهم ثم اشتهار مذاهبهم فى اقطار الارض، واجتماع القلوب على الأخذ بها دون ماسواها الا قليلا على ممر الاعصار جلد ۳ صفحه ۲٥٤).

(۱۷) وفيه اشارة الى ان انحصار المسالك فى المذاهب الاربعة المشهورة فى الازمنة المتأخرة امر الهى وفضل ربانى لايحتاج الى اقامة الدليل (غيث الغمام صفحه ۵).

(۱۸) شاہ اسماعیل شہیدؒ فرماتے ہیں دراعمال اتباع مذاھب اربعہ کہ رائج درتمام اہل اسلام است بہتر وخوب ست (صراط مستقیم)

(۱۹) قیامت کے دن جب کافر دوزخ میں آگ کے شعلوں میں جل رہے ہونگے تو اس وقت کی ان کی بات اللہ تعالیٰ نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ماکنا فی اصحاب السعیر - یعنی اور کہیں گے اگر ہم ہوتے سنتے یا سمجھتے تو نہ ہوتے دوزخ والوں میں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ المتوفی ۱۲۳۹ھ اس کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں کہ بعض حضرات مفسرین کرام نے نسمع کو تقلید پر اور نعقل کو تحقیق واجتہاد پر حمل کیا ہے کہ یہ دونوں نجات کے ذریعہ ہیں۔

(۲۰) اور حضرت مولانا عبدالحق حقانیؒ المتوفی ۱۳۳۲ھ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ پس انسان کی فلاح کے دو ہی طریق ہیں اول اور آسانی یہ کہ کسی ناصح اور ہادی کی بات سنکر مان لے یہ تقلید کا مرتبہ ہے اور قرآن مجید نے اس آیت میں اسی کو مقدم کیا ہے۔ دوم یہ کہ خود عقل سلیم سے غور وتدبر کرے یہ اجتہاد کا مرتبہ ہے، پھر جس کو دونوں باتیں نصیب نہوں تو اسکے برباد ہونے میں کیا شک ہے۔ (تفسیر حقانی جلد ۹، صفحہ ۱۴۹)

(۲۱) اور حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ اپنے ایک وعظ میں سورۂ ملک کی اسی آیت کریمہ کی تفسیر اور تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اسی کے متعلق ارشاد ہے کہ "نسمع" میں تقلید اور "نعقل" میں تحقیق کو ذکر فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ دوزخ سے بچنے کے دو طریق ہیں، یا تقلید ہو یا تحقیق ہو (دعوت عبدیت جلد ۵)

(۲۲) حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنوی لکھتے ہیں مجھے اپنی زندگی کے خالق کی قسم ان ملحدوں کا فساد برپا کرنا اور ان کے چھوٹے بھائیوں کا فساد برپا کرنا جو غیر مقلدین سے مشہور ہیں اور جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتے ہیں اور انہیں محدثین کرام سے کیا تعلق اور نسبت ہے؟ یہ

لوگ ہندوستان کے سب شہروں میں اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے بعض شہر میں پھیل چکے ہیں۔اوران کی وجہ سے شہروں میں خرابی جھگڑا وعناد واقع ہو چکا ہے۔سواللہ تعالی ہی کیطرف شکوۂ عاجزی اور التجاء ہے،اسلام کی ابتداء بھی غربت میں ہوئی اورلوٹے گا بھی یہ غربت میں سو غرباء کے لئے خوشی ہو بے شک ایسے مفسد اورملحد پہلے زمانوں میں اوراسلامی سلطنت میں کئی مرتبہ ظاہر ہوئے،لیکن اکابر ملت اورامت کے بادشاہوں نے ان کا مقابلہ قاطع تلواروں سے کیا۔اوران پر کاٹنے اورفناء کرنے والی تلواریں چلائیں اورایسے ملحدوں کی ہلاکت سے یہ فتنہ ختم ہوا،مگر ہمارے زمانہ میں جب کہ ہندوستان میں دبدبے اورقوت والی اسلامی سلطنت ہی باقی نہ رہی،تو یہ فتنے عام ہوگئے،اوران فتنوں نے اللہ تعالی کے بندوں کومشقتوں میں مبتلا کردیا۔ (الآثار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ صفحہ ۲۴۸)۔

قال الغزالی مستدلا علی ان العامی لیس له الا التقلید مانصه وتستدل علی ذٰلك بمسلكين— احدهما اجماع الصحابة فانهم كانوا يفتون العوام ولايأمرونهم بنيل درجة الاجتهاد وذٰلك معلوم على الضرورة والتواتر من علمائهم وعوامهم (المستصفى جلد ۲ صفحه ۳۸۵).

قال الأمدى فى كتابه "الاحكام" واماالاجماع فهو انه لم تزل العامة فى زمن الصحابةؓ والتابعين قبل حدوث المخالفين يستفتون المجتهدين ويتبعونهم فى الاحكام الشرعية والعلماء منهم يبادرون الى اجابة سوالهم من غير اشارة الى ذكر الدليل ولاينهونهم عن ذلك من غير نكير فكان اجماعا على جواز اتباع العامى للمجتهد مطلقا (الاحكام الامدى جلد ۳ صفحه۱۷۱).

شاہ ولی اللہ شیخ عز الدین بن عبدالسلام سے نقل فرماتے ہیں لان الناس لم يزالوا من زمن الصحابة رضى الله تعالى عنهم الى ان ظهرت المذاهب

الاربعة يقلدون من اتفق من العلماء من غير نكير من احد يعتبر انكاره ولوكان ذلك باطلا لانكروه (عقد الجید صفحہ ۳٦)۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں ان الصحابة والتابعين كانوا يعتقدون ان خير هذه الامة ابوبكرؓ ثم عمرؓ وكانوا يقلدون فى كثير من المسائل غيرهما بخلاف قولهما ولم ينكر على ذلك احد فكان اجماعا على ماقلناه (عقد الجید صفحہ ۴۴)۔

نیز دوسری جگہ میں فرماتے ہیں فهذا كيف ينكره احد مع ان الاستفتاء لم يزل بين المسلمين من عهد النبی ﷺ ولافرق بين ان يستفتي هذا دائما ويستغنى هذا حينا بعد ان يكون مجمعا على ماذكرناه (عقد الجید صفحہ ۳۹)۔

صحابہ وتابعین ہمہ در یک مرتبہ نہ بودند، بلکہ بعضے ایشاں مجتہد بودند وبعض مقلد قال الله تعالى لعلمه الذين يستنبطونه منهم (قرۃ العینین صفحہ ۲۵)۔

مذہب فاروق اعظم بمنزلہ متن ست ومذاہب اربعہ بمنزلہ شرح۔

(ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۸۲)۔

ہندوستان میں غیر مقلدوں کے امام اور پیشوا نواب صدیق حسن خان صاحب کے استاذ مفتی صدر الدین (صدر الصدور) کی رائے: کسے کہ مذہب یکے از ائمہ اربعہ اختیار کند آن متبع ست سنت رسول ﷺ وشخصے عامی بلکہ عالم را نیز کہ بمرتبہ اجتہاد نرسیدہ باشد تقلید یکے از مجتہدان امت واجب ست وبالفعل مذاہب اربعہ از مجتہدان امت مشہورہ ومتواتر ومقبول ومدون منقول ست۔ پس تقلید یکے را از یں چار ائمہ اختیار باید کرد ومنکران حقیقت مذاہب اربعہ وبدعت گویند آن تقلید ضال ومضل اند۔ وهم اضلوا كثيرا وضلوا عن سواء السبيل (تنبیہ الضالین صفحہ ۴۵)۔

غیر مقلدین کی سند حدیث:

میاں نذیر حسین دہلوی محدث غیر مقلدین نے حدیث کی سند حاصل کی شاہ اسحٰق صاحبؒ سے باقی غیر مقلدین ان کے شاگرد ہیں (الحیات بعد المماة صفحہ ۴۳، ۶۰، ۶۶۲ تا ۷۰۴)۔

تقلید کے متعلق شاہ اسحٰق صاحبؒ کی رائے:

کسیکہ حقیقت مذاہب اربعہ نداند وانکار اتباع ایشاں کند آں کس ضال است (یعنی بعض صورتوں میں وہ کافر ہے، اور مبتدع خبیث اور بعض صورتوں میں فاسق، اور لفظ ضال عام ہے، کافر اور مبتدع اور فاسق کے لئے استعمال ہوتا ہے) (تنبیہ الضالین صفحہ ۳۶) میاں عبدالخالق صاحب شاگرد شاہ اسحاق صاحبؒ فرماتے ہیں ہرگز مقلد ایشاں (ائمہ اربعہ) را بدعتی نخواہند گفت، زیرانکہ تقلید ایشاں تقلید حدیث شریف ست، پس متبع حدیث را بدعتی گفتن ضلال وموجب نکال ست (مأۃ مسائل صفحہ ۹۳) اور بھی فرمایا کہ مقلدین کو بدعتی کہنے والے کے نہ فرض قبول ہیں نہ نفل (صفحہ ۹۳)۔

غیر مقلدین کے لئے ہشیاری:

مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین بٹالویؒ المتوفی ۱۳۳۸ھ فرماتے ہیں کہ پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، کفر وارتداد و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہوجانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوجاتے ہیں۔ انتہی بلفظہ (رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۱۱ ۱۹۸۸ء، ماخوذ از خیر التنقید صفحہ ۶)۔

دیکھئے مولانا موصوف خود غیر مقلد ہیں اور ان کے خطاب کا رخ بھی غیر مقلدین حضرات ہی کیطرف ہے کہ بے علمی کے لئے ترک تقلید کفر وارتداد کا ذریعہ ہے اور ربع صدی کے طویل اور صحیح تجربہ کے بعد مولانا موصوف نے یہ فرمایا ہے کہ اور جو کچھ فرمایا وہ بالکل بجا اور صحیح فرمایا ہے۔ اسلئے کہ جاہل کیلئے واقعی ترک تقلید ارتداد کا کھلا دروازہ ہے۔

ترک تقلید کے نتائج:

عبداللہ چکڑالوی (بانی فرقۂ منکرین حدیث) اسلم جیراجپوری، نیاز فتح پوری ڈاکٹر غلام جیلانی برق (منکر حدیث) ڈاکٹر احمد دین اکاکڑمی، علامہ مشرقی چوہدری غلام احمد پرویز اور حتی کہ مرزا غلام احمد قادیانی بھی اس ترک تقلید کے چور دروازے سے بالآخر ارتداد کی منزل میں پہنچے ہیں۔ اور مولانا مودودی صاحب نے بھی جن بعض بنیادی مسائل میں ٹھوکریں کھائی ہیں اور جن بعض مسائل میں پوری ملت اسلامیہ اور سلف صالحین کے مدمقابل کرٹھونک کر کھڑے ہوگئے ہیں یہ سب ترک تقلید ہی کا نتیجہ ہے۔

ادلۂ اربعہ:

ادلۂ شرعی چار ہیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول ﷺ (۳) اجماع الامت (۴) قیاس (اصول الشاشی) شروط صحة القياس خمسة احدها ان لايكون فى مقابلة النص والثانى ان لايتضمن تغيير حكم النص (اصول الشاشی صفحہ ۹۳)۔

ادلہ اربعہ کے متعلق راہنمائے غیر مقلدین جناب نواب صدیق حسن صاحب کی زبانی سنئے، موصوف اصحاب المرکوم میں لکھتے ہیں ادلہ شرعیہ چار ہیں: اول: کتاب اللہ، دوم: سنت رسول ﷺ، سوم: اجماع، چہارم: قیاس۔ (صفحہ ۳۶۲، ۵۱۰۔)

نواب خان اپنی کتاب آداب المفتی میں لکھتے ہیں: وقد كان اصحاب رسول

اللہ ﷺ یجتھدون فی النوازل ویقیسون ببعض الاحکام علی بعض ویعتبرون النظیر بالنظیر وقد اجتھدوا فی زمن النبی ﷺ فی کثیر من الاحکام. (صفحہ ١٦٠)

اور قیاس شرعی جمہور از صحابہ وتابعین وفقہاء ومتکلمین بآن رفتہ کہ اصل از اصول شرعیہ ست، استدلال می رود بداں بر احکام وارد ہ بسمع (افادۃ الشیوخ صفحہ ١٢٦)۔

فرقہ غیر مقلدین کی پیدائش:

اس ملک (ہندو پاک وبنگال) میں بارہ صدیوں سے اسلام آیا ہوا ہے۔ یہاں اسلام لانے والے، اسلام پھیلانے والے اور اسلام کو قبول کرنے والے سب کے سب اہل سنت والجماعۃ حنفی تھے، یہاں کے تمام مفسرین، محدثین، فقہاء، اولیاء کرام اور سلاطین عظام اہل سنت والجماعۃ اور حنفی تھے۔ لیکن جب انگریز منحوس قدم یہاں آئے تو وہ یورپ سے ذہنی آوارگی، مادر پدر آزادی اور دینی بے راہ روی کی سوغات ساتھ لائے۔ اور مذہبی آزادی اور مذہبی تحقیق کی خوش نما اور دلفریب عنوانوں سے اس ملک میں خودسر اور متعصب فرقے کو جنم دیا، اس فرقہ کا پہلا قدم سلف سے بدگمانی ہے، اور اس کی انتہائی سلف سے بدزبانی ہے، یعنی آپ یہ سمجھ لیں کہ اس فرقہ کا ہر شخص "اعجاب کل ذی رائی برایہ" پر نازاں ہونے کے ساتھ ساتھ "لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا" کا مصداق ہے۔ اس فرقہ کا ہر فرد اپنے آپ کو ائمہ اربعہ، بلکہ صحابہ کرام سے بھی برتر جانتا ہے۔

فرقۂ نومولود کا والد:

مولانا عبدالخالق صاحب خسر میاں نذیر حسین صاحب دہلوی المتوفی ١٣٢٠ھ شہید بالاکوٹ (الحیات بعد الممات صفحہ ٢٢٨، نتائج التقلید صفحہ ٣ میں) فرماتے ہیں کہ سو بانی مبانی اس فرقہ نو احداث کا عبدالحق ہے، جو چند دنوں میں سے بنارس میں رہتا ہے، اور حضرت

امیر المؤمنین (سید احمد شہید ؒ) نے ایسی ہی حرکت ناشائستہ کے باعث اپنی جماعت سے اس کو نکال دیا۔ اور علمائے حرمین معظمین نے اس کے قتل کا فتویٰ لکھا، مگر کسی طرح بھاگ کر وہاں سے بچ نکلا (تنبیہ الضالین صفحہ ۳)۔

بانی فرقہ غیر مقلدیت کی ام المؤمنین کی شان میں گستاخی:

مولوی عبد الحق بناری (بانی غیر مقلدیت) نے برملا کہا کہ عائشہؓ علیؓ سے لڑی اگر توبہ نہ کی تو مرتد مری اور یہ بھی دوسری مجلس میں کہا کہ صحابہ کا علم ہم سے کم تھا، ان کے ہر یک کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں اور ہم کو ان سب کی حدیثیں یاد ہیں (کشف الحجاب صفحہ ۲۲)۔

اور تنبیہ الضالین میں یہ بھی لکھا ہے کہ انکا (عبد الحق بناری) کا مذہب اکثر باتوں میں روافض کے مذہب سے ملتا ہے، جیسا روافض پہلے رفع یدین اور آمین بالجہر اور قرأت خلف الامام کے مسئلے امام شافعیؒ کی دلیلوں سے ثابت اور ترجیح دیکر عوام کو خصوصاً حنفی مذہب والے کو شبہ میں ڈالتے تھے۔ پھر جب یہ بات خوب اپنے معتقدوں کے ذہن نشیں کر چکے تب آگے اور مسئلوں میں متردد اور متشکی بناتے ہیں (صفحہ ۵)۔

اور وہ لوگ خود کو محمدی اور دوسرے مذہب والوں کو ناقص محمدی اور بدعتی کہتے ہیں (صفحہ ۳۲) اسی کتاب کے اندر مذکور ہے کہ محدث ابن شاھدین نے اپنے کو محمدی المذہب کہا تھا، انکی تقلید اور پیروی کرتے ہوئے اس دور میں اس فرقہ کے بانی نے محمدی نام تجویز کیا۔ آگے لکھتے ہیں کہ اور چاروں مذہب کے حق ہونے پر انکار رکھتا ہے، اور علماء کے اجماع کو خلاف جانتا ہے، اور چاروں اماموں کی تقلید کو بدعت کہتا ہے (صفحہ ۲۲)۔

اور مزید لکھا ہے کہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہم محمدی ہیں اور حقیقت میں محمدیوں کے خلاف ہیں (صفحہ ۱۳۰)

اور بھی لکھا ہے فرقۂ گمراہ کہ جو منکر تقلید ائمہ کے ہیں اور نیا طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم محمدی ہیں (نظام الاسلام صفحہ ۱۲۹)۔

فرقۂ غیر مقلدیت کا تعارف خود نواب صدیق حسن صاحب کی زبان سے سنئے:

نواب صاحب فرماتے ہیں، اس زمانہ میں ایک ریاکار اور شہرت پسند فرقے نے جنم لیا ہے، جو ہر قسم کی خامیوں اور نقائص کے باوجود اپنے لئے قرآن وحدیث کے علم اور ان پر عامل ہونے کے دعویدار ہیں، حالانکہ علم وعمل وعرفان سے اس فرقہ کو دور کا بھی واسطہ نہیں، یہ لوگ علوم آلیہ وعالیہ دونوں سے جاہل ہیں (الحظ صفحہ ۱۵۳)۔

اور یہ لوگ معاملات کے مسائل میں حدیث کی سمجھ اور سوجھ بوجھ سے بالکل عاری ہیں، اور اہل سنت کے طریق پر ایک مسئلہ بھی استنباط نہیں کر سکتے یہ لوگ حدیث پر عمل کرنے کی بجائے زبانی جمع خرچ پر اور سنت کی اتباع کی جگہ شیطانی تسویلات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اس کو عین دین تصور کرتے ہیں، یہ لوگ اسلام کی حلاوت (مٹھاس) اور شیرینی سے خالی الذہن ہیں۔ اور مسلمانوں کی نسبت بڑے سنگدل ہیں (الحظ صفحہ ۱۵۱) یقولون عن خیر البریۃ وھم شرا لبریۃ (صفحہ ۱۵۴) پھر خدا کی قسم کتنے تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو خالص موحد کہتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کو بدعتی اور مشرک کہتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ سب سے زیادہ عامی اور دین کے بارے میں بڑے متعصب ہیں (صفحہ ۱۵۴)۔ فما ھذا دین ان ھذا الا فتنۃ فی الارض وفساد کبیر (صفحہ ۱۵۵)۔ نواب صاحب نے اس فرقہ کے تقدس کا نقشہ کھینچتے اس زاہد کی مثال دی ہے جو اپنی مکاری اور عیاری سے خوب وعظ کرتا ہے، کہ سونا چاندی کے برتنوں کے استعمال سے ڈراتا، قبر وحشر کے ہولناک مناظر بیان کرتا مگر موقع ملتے ہی سونے چاندی کے سب برتن چوری کر کے رفو چکر ہو جاتا تھا۔

نواب صاحب کا کلام واقعی کلام الملوک ملوک الکلام کا مصداق ہے، انہوں نے اس کو نوزائیدہ فرقہ کہا اور حدیث تفترق امتی الخ کا مصداق ہے۔ (ب) علوم آلیہ وعالیہ اور استنباط سے جاہل کہا، تاکہ معلوم ہو جائے کہ فرقہ ضلوا فاضلوا (الحدیث) کا مصداق ہے (ج)

انکی علمی سرمایہ کو تسویلات شیطانیہ قرار دیں، جو حق ہے، اور غیر مقلدین حدیث رسول ﷺ "فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد" کی بناء پر انہوں مقلدین سے خوف وہراس میں ہیں، اور یہ بھی یاد رکھئے کہ شیطان ہی پہلے غیر مقلد تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے سجدہ کرنے میں اللہ تعالی بات نہیں مانی اور فرشتوں کی تقلید نہیں کیا اور جس طرح گلی میں حضرت فاروق اعظمؓ نے قدم رکھیں، وہاں سے شیطان بھاگتا ہے، ایسا ہی بیس تراویح طلاق ثلاثہ اور فقہ کی منکرین فقیہ اور مقلدین سے بھاگتے ہیں۔

غیر مقلدین کے مشہور محدث کی شہادت:

غیر مقلدین کے مشہور محدث مؤرخ مولانا محمد شاہ جہانپوری نے ۱۳۱۹ھ میں الارشاد الی سبیل الرشاد نامی کتاب شائع کی، اس میں لکھتے ہیں، کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں، جس سے لوگ بالکل ناآشنا ہیں، پچھلے زمانہ میں شاذ ونادر اس خیالی کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے، بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے، اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے، چونکہ یہ لوگ نماز میں رفع الیدین کرتے ہیں اور بنگال کے عوام ان لوگوں کو رفع یدینی بھی کہتے ہیں (الارشاد الی سبیل الرشاد، صفحہ ۱۳) مع حاشیہ مندرجہ بالا عبارت مشہور شیعہ عالم سید احمد شاہ تلمیذ حضرت نجم العلماء لکھنوی نے اپنی کتاب "شواہد الصادقین صفحہ ۲۱" میں "اختلاف امت کا المیہ صفحہ ۱۲۵" "فیض عالم صدیقی" "دادحق صفحہ ۳" میں نقل کی ہے۔

اس فرقہ کو غیر مقلدیت کیوں کہا جاتا؟

جب یہ فرقہ پیدا ہوا تو چونکہ یہ فرقہ تقلید کو شرک وبدعت کہتا تھا اس لئے اس کو غیر مقلد کہا جانے لگا تھی کہ پتہ چلے کہ یہ ایک منفی فرقہ ہے، جو تعمیر کی بجائے تخریب کیلئے

تیار کیا جا رہا ہے، پھر چونکہ یہ لوگ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی پابندی سے منحرف ہو گئے تھے، اسلئے لوگ ان کو لا مذہبی کہنے لگے۔

اس فرقہ کو وہابی کیوں کہا جاتا؟

چونکہ اسی زمانہ میں محمد بن عبدالوہاب کی جماعت نے عرب میں قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا، بہت سے مزارات کو گرا دیا۔ اور سعود نے قبۂ مزار النبی ﷺ کو ڈھانے کا قصد کیا، مگر اس کا مرتکب نہ ہوا۔ اور حکم کیا کہ بیت اللہ کا حج سوائے وہابیوں کے اور کوئی نہ کرے۔ اور عثمانیوں کو حج سے روکا۔ اور کئی برس تک حج سے بہت لوگ محروم رہیں، اور شام اور عجم کے لوگوں کو حج نصیب نہ ہوا۔ (ترجمان وہابیہ صفحہ ۳٦)۔ اور اس نے عرب کے رہنے والوں خصوصا حرمین شریفین کے رہنے والوں کو بہت تکالیف دیں (صفحہ ۴۰) اسلئے عالم اسلام میں انکے خلاف کافی برہمی تھی، اور غیر مقلدین کے اکثر مسائل عبدالوہاب نجدی کے مسلک کے مطابق ہوتا، لہذا انہوں کو وہابی کہا جاتا مگر مولوی فضل رسول بدایونی نے اپنے مخالفین کو بدنام کرنے کے لئے مجاہدین کو وہابی کہنا شروع کر دیا۔ ترجمان وہابیہ صفحہ ۴۷-۴۴۔

غیر مقلدین کو اپنا نام بدلنے کی فکر:

اب غیر مقلدین کو فکر ہوئی کہ اس ملک میں وہابی مجاہد اسلام اور حکومت برطانیہ کے باغی کو کہتے ہیں، لہذا حکومت برطانیہ کہیں ہمیں مجاہد نہ سمجھ لے اور انگریز بہادر کہیں ہمیں مشکوک نہ سمجھ لے۔ تو انہوں نے فورا انگریز کو خوش کرانے کے لئے انگریز کے ایجنٹ مرزا غلام احمد قادیانی کی تقلید میں کتاب (۱) لکھی "ترجمان وہابیہ" نواب صدیق حسن نے ۱۳۱۲ھ میں یہ کتاب لکھی جس میں لکھا ہے کہ خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقے اور مذہب کو پسند

---

(۱) جس سے مگر پکا یقین ہو جائے کہ یہ لوگ بھی مرزا کے مانند ہمارے ایجنٹ ہیں نہ کہ مجاہد اور وہابی تو ہمارے نام وہابی سے بدل جاوے۔

کرتے، اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے، اور ہیں۔ اور اسی مذہب کے عالم فاضل قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہتے۔ یہاں تک کہ ایک جم غفیر نے ملکر "فتاویٰ ہندیہ" "یعنی" "فتاوی عالمگیری" جمع کیا، اور اس میں شیخ عبدالرحیم دہلوی والد بزرگوار شاہ ولی اللہ مرحوم بھی شریک تھے (ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۰)۔

غیر مقلدین حضرات کی خدمت میں ایک سوال کہ ۵۰۰ علماء کے مقابلہ میں صرف پانچ علماء کا نام پیش کریں، جنہوں نے اس وقت فتاوی عالمگیری کی تردید میں رسالے لکھے ہوں۔

لفظ وہابی کی منسوخی اور اہل حدیث کی الاٹمینٹ:

آج کل کے غیر مقلدین عوام کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ موجود سعودی حکومت والے ہمارے ہم مذہب ہیں۔ وہاں ہمارا تسلط ہے۔ لیکن یہی بات جب مشہور بریلی عالم مولانا فضل رسول بدایونی نے کہی کہ یہ لوگ وہابی یعنی محمد بن عبدالوھاب نجدی کے ہم مذہب ہیں تو نواب صدیق حسن نے اس کو تہمت اور بہتان قرار دیا۔ اور پوری جماعت غیر مقلدین نے متفقہ طور پر حکومت برطانیہ کو درخواست دی کہ ہمیں وہابی کہنے سے قانونا منع کیا جائے، اور اہل حدیث کا نام الاٹ کیا جاوے۔

درخواست بخدمت حکومت برطانیہ:

بخدمت جناب سیکریٹری گورنمنٹ، میں آپ کی خدمت میں سطور ذیل پیش کرنے کی اجازت اور معافی کا خواستگار ہوں ۱۸۸۶ء میں میں نے ایک مضمون اپنے ماہواری رسالۂ اشاعۃ السنہ میں شائع کیا تھا، جس میں اس بات کا اظہار تھا کہ لفظ وہابی جس کو عموماً باغی اور نمک حرام کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے، لہذا اس لفظ کا استعمال مسلمانانِ ہندوستانؔ کے اس گروہ کے حق میں جو اہل حدیث کہلاتے ہیں اور وہ ہمیشہ سے سرکار انگریز کے نمک حلال اور خیر خواہ

رہے ہیں، اور یہ بات بارہا ثابت ہو چکی ہے۔ اور سرکاری خط و کتابت میں تسلیم کی جا چکی ہے، ہم کمال ادب وانکساری کے ساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ سرکاری طور پر اس لفظ وہابی کو منسوخ کر کے اس لفظ کے استعمال سے ممانعت کا حکم نافذ کرے، اوران کو اہل حدیث کے نام سے مخاطب کیا جاوے۔ اس درخواست پر ذمہ دار فرقہ اہل حدیث تمام صوبہ جات ہندوستان کے دستخط ثبت ہیں۔ (اشاعۃ السنۃ صفحہ ۲۴ جلد ۱۱ شمارہ ۲)۔

غیر مقلدین کی طرف سے اعلان:

اسکے بعد انہوں نے صاف اعلان کرنا شروع کیا کہ محمد بن عبد الوہاب حنبلی مقلد تھے، ہمارا اسکے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اسکے ہم مسلک وہابی ہیں، بلکہ وہ نجد سے نکلنے والے شیطان کے سینگ کا مصداق ہے (ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۸)

اہل قرآن واہل حدیث:

دور برطانیہ سے پہلے یہ دونوں الفاظ اہل سنت والجماعۃ کے دو علمی طبقوں پر استعمال ہوتے تھے۔ اہل قرآن سے مراد حفاظ ومفسرین اور اہل حدیث سے مراد محدثین تھے، لیکن دور برطانیہ میں اہل قرآن منکرین حدیث اور اہل حدیث منکرین فقہ کو کہا جانے لگا۔

تنبیہ:

کتب احادیث وغیرہ میں اہل قرآن اور اہل حدیث کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں ان سے مراد حفاظ ومحدثین ہیں جیسے یا اھل القرآن، اہل القرآن ھم اہل اللہ خاصۃ (نسائی) اب زمانہ حال کے غیر مقلدین بنام اہل حدیث ان الفاظ سے استدلال کرتے ہیں، اور کہتے ہیں ہم اس وقت سے ہیں، یہ ایسا ہی غلط استدلال ہے، جیسے کوئی قادیانی یہ کہے کہ ہمارا ربوہ عیسیٰ کے زمانہ میں بھی تھا۔ اور حضور کے زمانہ میں بھی تھا۔

تشریح:

کتب حدیث، فقہ، اصول حدیث، اصول فقہ، شروح حدیث، تاریخ اور اسماء الرجال وغیرھا میں صدیوں سے اہل حدیث اور اصحاب الحدیث کا جملہ نقل در نقل ہوتا چلا آ رہا ہے، جو علم حدیث کے سنداً و متناً خدمت کرنے والوں پر اور بالفاظ دیگر حضرات محدثین کرام پر بولا جاتا ہے۔ عام اس سے وہ حنفی ہو یا مالکی، شافعی ہو یا حنبلی وغیرہ۔ مگر زمانہ حال کے غیر مقلدین حضرات نے لفظ اہل حدیث صرف اپنے ہی لئے سرکار برطانیہ سے الاٹ کرالیا ہے۔ اور عوام کو یہ دھوکا دیتے ہیں کہ ہم وہی اہل حدیث اور اصحاب الحدیث ہیں جنکا ذکر کتابوں میں نقل ہوتا چلا آ رہا ہے، مگر چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ کہاں صحیح معنی میں اہل حدیث اور کہاں نام نہاد اہل حدیث اس کو آپ اسی طرح سمجھئے جس طرح کہ اسرائیل فلسطینیوں کو ان کی جدی پشتی گھروں سے بے دخل کر کے ان کے گھروں پر قابض ہے۔ اور لاکھوں کی تعداد میں فلسطینی کیمپوں میں رہتے۔ اور در بدر ٹھوکریں کھارہے ہیں، اور اسرائیل دندناتا پھر رہا ہے، کہ فلسطین ہمارا ہے اور اہل باشندوں کو قریب بھی نہیں آنے دیتا، یہی حال نام نہاد اہل حدیث کا ہے۔

اہل حدیث نام الاٹ پر حکومت برطانیہ کا شکریہ:

میاں صاحب ۱۳۰۰ھ میں حج کے لئے چلے تو پہلے کمشنر دہلی کی کوٹھی کا طواف کیا اور ایک چھٹی لی (مولوی میاں نذیر حسین صاحب دہلی کے بڑے مقتدر عالم ہیں جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔ اور وہ اپنے فرض زیارت کعبہ کے ادا کرنے کو مکہ جاتے ہیں۔) میں امید کرتا ہوں کہ جو بھی برٹش گورنمنٹ افسر کی مدد وہ چاہیں گے وہ ان کو مدد دے گا۔ کیونکہ وہ کامل طور پر اس مدد کے مستحق ہیں۔ (۱۰، اگست ۱۸۸۳)(الحیات بعد الممات صفحہ ۱۳۸)۔

عرب اترتے ہی پہلے جدہ میں برٹش کانسل کی کوٹھی پر حاضری دی چھٹیاں پیش کیں (صفحہ ۱۴۲)، لیکن پھر بھی گرفتاری ہوئی۔ اور اس نئے مذہب پر نوٹس لیا گیا۔ ہدایہ کا نام لے کر دستخط بدل کر جان بچائی۔ پھر بھی توبہ نامہ لکھنا پڑا۔ اس وقت میاں صاحب نے کہا، انگریزی حکومت گورنمنٹ ہندوستان میں ہم مسلمانوں کیلئے خدا کی رحمت ہے (الحیات بعد الممات صفحہ ۱۶۲)

جشن جوبلی ایک بہت بڑا دروازہ بنایا جس پر ایک طرف انگریزی میں دوسری طرف اردو میں لکھا ہے "دل سے ہے یہ دعائے اہل حدیث۔ جشن جوبلی مبارک ہو۔ اور ایڈریس دیا بحضور فیض گنجور کوئین وکٹوریہ گریٹ قیصرۂ ہند بارک اللہ فی سلطنتھا، ہم ممبران گروہ اہل حدیث اپنے گروہ کے کل اشخاص کی طرف سے حضور والا کی خدمت عالی جشن جوبلی کی دل مسرت سے مبارک باد عرض کرتے ہیں۔ آپ کی سلطنت میں جو نعمت مذہب آزادی کی حاصل ہے، اس سے یہ گروہ اپنا خاص نصیب اٹھا رہا ہے۔ وہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص اسی سلطنت میں حاصل ہے، بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے، کہ ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔ اس خصوصیت سے یہ یقین ہوسکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام واستحکام سے زیادہ مسرت ہے، اور ان کے دل سے مبارکباد کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں۔ (اشاعۃ السنہ صفحہ ۲۰۶ جلد ۹ شمارہ ۷)

تصانیف غیر مقلدین:

غیر مقلدین کا سب سے پہلے ترجمۂ قرآن ڈپٹی نذیر احمد نے لکھا، مشکوٰۃ اور بلوغ المرام کا سب سے پہلے حاشیہ مولوی عبدالوہاب شاگرد نذیر حسین نے لکھا۔ رد تقلید میں سب سے پہلے کتاب معیار الحق سید نذیر حسین نے لکھی۔ نماز کی سب سے پہلے کتاب دستور المتقی لکھی گئی۔ تاریخ اہل حدیث سب سے پہلے مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے لکھی۔

ان کا کوئی ترجمہ وتفسیر قرآن۔ ترجمہ وشرح حدیث، نماز کی کتاب انگریز کے دور سے پہلے کی نہیں ہیں۔ جیسا کہ منکرین حدیث اور منکرین ختم نبوت کا کوئی ترجمۂ قرآن، حدیث یا نماز کی کتاب یا مدرسہ، مسجد انگریز کے دور سے پہلے کی نہیں ہیں۔

غیر مقلدین کے چند راہنما:

صوبہ بہار میں سب سے پہلے غیر مقلد مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی، پٹنہ میں سب سے پہلے مولانا عبدالعزیز مؤلف حسن العیان، بھنگہ میں مولوی عبدالغفور، بنگال میں مولوی سعد اللہ، آسام میں مولوی محمد حیات، سندھ میں مولوی عبداللہ الغزنپوری، امرتسر میں میاں نذیر حسین، دہلی میں مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی اس سے پہلے ہندو پاک وبنگال میں کوئی غیر مقلد موجود نہ تھا۔

غیر مقلد کا نسب نامہ:

آپ کسی منکر حدیث یا قادیانی سے پوچھیں کہ آپ کب سے اسی مذہب میں آئے ہو، وہ اولاً تو یہی بتائے گا کہ میں ہی بنا ہوں۔ یا باپ اور بہت بڑھا تو دادا تک کا نام بتائے گا۔ اس کے اوپر وہ نہیں بتا سکتا، یہی حال غیر مقلدین کا ہے، غزنوی خاندان میں مولانا عبداللہ غزنوی سے پہلے لکھنو میں لکھنوی خاندان کے مولوی محمد صاحب کے پہلے بھوپال میں نواب صدیق حسن صاحب سے پہلے کوئی غیر مقلد نہ تھا۔

مساجد غیر مقلد:

غیر مقلد کی پہلی مسجد پنجاب میں چینیانوالی مسجد بنی جس کا پہلے خطیب عبداللہ چکڑالوی تھا، جورات دن فقہ کے خلاف نعرہ لگاتے۔ آخر فقہ کی مخالفت کا وبال یہ پڑا کہ منکرین حدیث کا بانی بن گیا۔ اپنی اس جھوٹی مسجد میں دوسرا خطیب مرزا غلام احمد قادیانی بنا۔

پہلا مدرسہ:

دہلی کا مشہور مدرسہ جہاں شاہ اسحاق صاحبؒ کا درس ہوتا تھا، اور عرب وعجم میں یہ مدرسہ مشہور تھا، جب شاہ صاحب کو برطانیہ نے ہجرت پر مجبور کیا، تو اس مدرسہ کی شہرت سے فائدہ اٹھانے کیلئے یہاں نذیر حسین کو شاہ اسحاق صاحب کا نائب مشہور کر کے یہاں بیٹھا دیا۔ مدرسہ کی شہرت اور شاہ اسحاق صاحب کی شہرت کی وجہ سے ابتدائی سالوں میں بہت سے لوگ داخل ہوئے۔ یہی سب سے پہلا مدرسہ تھا۔

حضرات غیر مقلدین کی طرف سے تقلید کی تشریح

مسئلۂ تقلید میں جو اختلاف ہے یہ درحقیقت ایک نزاع لفظی ہے، تقلید کے معنی پیروی اور تابعداری کے ہیں، اچھے کاموں میں کسی کی پیروی کرنا شرعا اور عقلا محمود ہے، اور برے کاموں میں کسی کی پیروی کرنا عقلا اور شرعا مذموم ہے تو تقلید کی دو قسمیں ہوئیں تقلید محمود اور تقلید مذموم، تقلید محمود کو دونوں فریق جائز قرار دیتے ہیں۔ اور تقلید مذموم کو دونوں فریق ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ مولانا محمد ابراھیم صاحب میر سیالکوٹی فرماتے ہیں: ''کیا ہمارے حنفی بھائی ہم اہل حدیثوں کے بارے میں خیال رکھتے ہیں کہ ہم تقلید سے مطلقا انکار کرتے ہیں، اور عوام کو تعلیم کرتے ہیں کہ باوجود رسول اللہ ﷺ کی حدیث یا اقوال صحابہ نہ ملنے کے اور خود بھی کتب متداولہ مروجہ میں علمی قابلیت نہ رکھنے کے باوجود اقوال ائمہ کو معاذ اللہ ٹکرا دیا کریں، اور مادر پدر آزاد ہو کر جو چاہیں سو کیا کریں اگر ان کا یہی خیال ہے تو ہم صاف الفاظ میں اعلان کرتے ہیں، انہوں نے ہمارا مسلک سمجھنے میں تحقیق سے کام نہیں لیا'' تاریخ اھل حدیث صفحہ: ۱۲۴ نیز مولانا داؤد غزنوی فرماتے ہیں ''اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ہم تقلید سے مطلقا انکار کرتے ہیں اور عوام کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ وہ تفسیر حدیث اور فقہ سے بے بہرہ ہونے کے باوجود ائمہ کرام کے اقوال

کو ٹکرا دیا کریں اور بے زمام اور بے مہار ہو جایا کریں، تو وہ صریحا غلط فہمی میں مبتلا ہے، (داؤد غزنوی: ۲۷۳) دیکھئے مولانا ابراھیم اور مولانا داؤد غزنوی صاحبان غیر مقلدین نے تقلید کے تارک کو بے لگام شتر بے مہار اور مادر پدر آزاد فرماتے ہیں۔

اقسام تقلید: مولانا محمد ابراھیم صاحب سیالکوٹی، میاں نذیر حسین صاحب دھلوی کتاب معیار الحق صفحہ: ۴۰ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں'' باقی رھی تقلید بوقت لاعلمی کے سو یہ چار قسم ہے، قسم اول واجب ہے اور وہ مطلق تقلید ہے کسی مجتہد کی، مجتہدین اہل سنت میں سے لاعلی التعیین جس کو مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے عقد الجید میں کہا ہے کہ یہ تقلید واجب ہے اور صحیح ہے باتفاق امت قسم دوم مباح ہے، اور وہ تقلید مذہب معین کی ہے، بشرطیکہ مقلد اس تعیین کو امر شرعی نہ سمجھے قسم ثالث حرام اور بدعت ہے اور وہ تقلید ہے بطور تعیین بزعم وجوب (شرعی) کے برخلاف قسم ثانی کے قسم رابع شرک ہے اور وہ ایسی تقلید ہے کہ وقت لاعلمی کے مقلد نے ایک مجتہد کی اتباع کی پھر اس کو حدیث صحیح غیر منسوخ غیر معارض مخالف مذہب کے مل گئی تو اب وہ مقلد بدستاویز ان عذرات کے جن سے سابقا بخوبی دیا گیا ہے، یا تو حدیث کو قبول ہی نہیں کرتا، یا اس میں بدون سبب کے تاویل وتحریف کر کے اس حدیث کو طرف قول امام کے لے جاتا ہے، غرضیکہ وہ مقلد مذہب اپنے امام کا نہیں چھوڑتا، تاریخ اہل حدیث صفحہ: ۱۲۵۔ اور مولانا داؤد غزنوی فرمایا کرتے تھے: (۱) ائمہ اہل سنت میں سے کسی ایک امام کو جو بغیر کسی تعیین کے ہو واجب ہے (۲) اور ایک امام معین کی تقلید بشرطیکہ اس تعیین کو امر شرعی نہ سمجھے مباح ہے، (۳) اور کسی ایک امام معین کی تقلید کو امر شرعی سمجھنا اور اس کی تقلید ترک کرنے کو شریعت سے خارج ہونے کے مترادف سمجھنا ناجائز ہے، (۴) جب تفسیر حدیث اور فقہ پر دسترس رکھنے والے کسی عالم کو حدیث صحیح غیر منسوخ اپنے امام کے مذہب کے خلاف مل جائے تو اسے اپنے امام کا قول اس حدیث رسول ﷺ کے لئے ترک کر دینا چاہئے داؤد غزنوی ۲۷۵۔

نوٹ نمبر ۹: سید نذیر حسین صاحب دہلوی نے اگرچہ تقلید شخصی کی ایک قسم کو یہاں شرک قرار دیا تھا، مگر جب وہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو علمائے حرمین شریفین کے سامنے اس سے توبہ نامہ لکھ دیا تھا، غیر مقلدین کے مشہور مناظر محی الدین اپنی کتاب الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین میں عقد الجید کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''سمجھ لے کہ مجتہد کی تقلید دو قسم ہے، واجب اور حرام پس ایک تو یہ ہے کہ باعتبار دلالت کے روایت (قرآن حدیث اجماع) کا اتباع ہو اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص کتاب اور سنت کو نہیں مانتا اور وہ بذات خود تتبع اور استنباط کی استطاعت نہیں رکھتا، پس اس کا کام یہ ہے کہ فقیہ سے پوچھ لے کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں فلاں مسئلے میں کیا حکم دیا ہے، جب فقیہ بتائے تو اس کا اتباع کرے، چاہے فقیہ نے وہ حکم صریح نص سے لیا ہو یا اسے استنباط کیا ہو یا منصوص پر قیاس کیا ہو یہ سب صورتیں حضرت ﷺ کی طرف رجوع کرنے کی ہیں، اگرچہ دلالۃ ہوں اس کی صحت پر تو تمام امت کا اتفاق ہے، ہر طبقہ کا بلکہ اور تمام امتیں بھی اپنی شریعتوں میں متفق ہیں صفحہ: ۲۶۔

نوٹ: دیکھئے مطلق تقلید کے واجب ہونے پر نہ صرف امت محمدیہ کا ہر طبقے کا اجماع ہے بلکہ سب امتوں کا اجماع ہے کہ عامی فقیہ کی تقلید کرے اور اس پر بھی سب کا اجماع ہے کہ عامی کے حق میں فقیہ کی طرف رجوع کرنا درحقیقت آں حضرت ﷺ کی طرف ہی رجوع کرنا ہے، اگرچہ فقیہ کا وہ فتویٰ استنباط اور قیاس پر ہی مبنی ہو، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فرماتے ہیں: تقلید مطلق یہ ہے کہ بغیر تعین کسی عالم سے مسئلہ پوچھ کر عمل کیا جائے جو اہل حدیث کا مذہب ہے، اور تقلید شخصی یہ ہے کہ خاص ائمہ اربعہ میں سے ایک امام کی بات مانی جائے جو مقلدین کا مذہب ہے (فتاویٰ ثنائیہ جلد: ۱، صفحہ: ۲۵۶) شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی المعروف میاں صاحب تقلید شخصی کی ایک قسم کو مباح فرماتے ہیں یعنی اس پر کوئی گناہ مرتب نہیں ہو سکتا وہ یہ ہے کہ مقلد کسی ایک امام کو محقق سمجھ کر ہمیشہ اسی کی بات مانتا رہے، مگر اس تعیین کو شرعی حکم نہ سمجھے (فتاویٰ ثنائیہ جلد: ۱ صفحہ: ۲۵۲)۔

نوٹ: مولانا ثناء اللہ صاحب نے جو فرق بتایا عملی طور پر یہ مشاہدہ کے بالکل خلاف ہے، جس طرح حنفی عوام صرف اپنے علماء سے مسئلہ پوچھ کر عمل کرتے ہیں، ایسے ہی غیر مقلد بھی صرف اپنے مولوی سے مسئلہ پوچھتے ہیں، وہ کسی بریلوی عالم سے مسئلہ پوچھ کر عمل نہیں کرتے، دوسری بات جو بار بار یہ اپنے امتیاز کی ذکر ہو رہی ہے، ہم نے بارہا غیر مقلدین کو احادیث نبویہ سنائیں، لیکن وہ اپنے مولوی کی بات پر ڈٹے رہے، تیسری بات تعیین شرعی کے لفظ کی رٹ ہے اس کو مبہم کیوں رکھا گیا ہے، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ مقلدین ائمہ اربعہ کو شیعہ کی طرح منصوص من اللہ سمجھتے ہیں تو یہ محض جھوٹ اور بہتان ہے، ہماری کسی معتبر کتاب سے اس کا ایک حوالہ پیش کریں، ہم اس کو واجب بالغیر سمجھتے ہیں، ایک یہ بات بھی قابل حل ہے کہ مطلق تقلید کو آپ واجب بھی مانیں، اس پر عامل بھی ہوں اور غیر مقلد بھی کہلائیں یہ اجتماع بین ضدین جو محال ہے، آپ کے مذہب میں کیسا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی اسلام کا قائل اور عامل بھی ہو اور غیر مسلم بھی کہلائے، اب ان حضرات کو اپنے دعویٰ کے ہر حصہ پر دلیل پیش کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ دعویٰ بے دلیل ہوگا۔ پہلے دلیل کا مطلب مولوی ثناء اللہ صاحب سے ہی سن لیں معرفت دلیل اس کو کہتے ہیں کہ دلیل کو پورے طور پر جاننا بالفاظ دیگر یہ جاننا کہ اس کا معارض کوئی نہیں اور یہ منسوخ بھی نہیں وغیرہ اور ایسا جاننا مجتہد کا خاصہ ہے، فتاویٰ ثنائیہ جلد: ۱، صفحہ: ۲۶۳۔

نوٹ: اس سے معلوم ہوا کہ جو معرفت دلیل کا مدعی ہے وہ مدعی اجتہاد ہے وہ پہلے شرائط اجتہاد اپنے میں ثابت کرے۔

حضرات غیر مقلدین سے چند سوالات:

حضرات غیر مقلدین عوام کو یہ تاثر دیا کرتے ہیں کہ تمام زندگی کے مسائل صراحۃ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ صریحہ میں موجود ہیں فقہ کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ فقہ کو کبھی قیاس شیطان کہتے ہیں، کبھی یہود کے احبار اور رہبان کی تقلید کہتے ہیں کبھی مشرکین کے آباء کا طرز

قرار دیتے ہیں، کبھی اس فقہ پر آیت "یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ" کو چسپاں کرتے ہیں، کبھی "ھذا ملح اجاج وھذا عذب فرات" سے فقہ وحدیث کا فرق سمجھاتے ہیں کبھی فقہ کو خبیث کہتے ہیں کبھی لہسن و پیاز سے تشبیہ دیتے ہیں کبھی حرام کہتے ہیں کبھی خنزیر سے تشبیہ دیتے ہیں یہ سب تشبیہات مولوی محمد جونا گڑھی کی کتابوں میں موجود ہیں اسلئے ہم فقہ کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے چند سوالات عرض کرتے ہیں غیر مقلدین ان کا جواب قرآن پاک کی نص صریح سے یا احادیث صحیحہ صریحہ غیر معارضہ سے عنایت فرمائیں، کسی امتی کے قول یا اپنے قیاس کو بالکل دخل نہ دیں کیونکہ جب مجتہدین کا قیاس جن کو خدا اور رسول کی طرف سے قیاس کی اجازت ہے فاعتبروا یا اولی الابصار الایۃ اذا احکم الحاکم فاجتھد فاصاب فلہ اجران الحدیث اگر غیر مقلدین اس کو قیاس ابلیس قرار دیتے ہیں تو آج کل کے عامل غیر مقلدین جو مصداق حدیث (فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا) کے ہیں ان کا قیاس کیسے حجت ہو سکتا ہے، اس لئے ہر سوال کا جواب آیت قرآنی جو مسئلہ میں صریح ہو یا حدیث صحیح صریح سے جواب دیں، اگر نہ دے سکیں تو ہم یقین کریں گے کہ آپ کا دعویٰ عمل بالحدیث اسی طرح غلط اور باطل ہے، جس طرح اہل قرآن کا دعویٰ عمل بالقرآن باطل ہے، کیونکہ وہ بھی ان سوالات کا جواب صریح آیات سے نہیں دے سکتے۔

اب غیر مقلدین کو لازم ہے کہ اپنے دعویٰ کے چاروں حصوں پر دلائل بیان کریں۔

(۱) ایک آیت یا حدیث صحیح صریح جو ساری زندگی کے اجتہاد کی جان ہو مطلق تقلید کے وجوب پر پیش فرمائیں۔

(۲) ایک آیت یا حدیث صحیح صریح جس سے تقلید شخصی کا مباح ہونا ثابت ہو دلیل میں عدم تعیین شرعی کی شرط بھی ہو۔

(۳) ایک حوالہ احناف کی معتبر کتابوں سے پیش کریں کہ وہ اپنے امام کو منصوص من

اللہ سمجھتے ہیں اور پھر ایک آیت یا حدیث صحیح صریح تقلید شخصی کی حرمت کا بیان فرمادیں اور خیال رکھیں کہ مجتہد کی تقلید شخصی کی حدیث ثابت ہو۔

(۴) ایک حوالہ ہماری مسلمہ اور معتبر کتاب سے ثابت کریں جس میں احناف کا یہ دعویٰ مذکور ہو کہ حدیث صحیح غیر منسوخ غیر معارض کے مقابلہ میں تقلید امام واجب ہے، اور حدیث صحیح غیر منسوخ غیر معارض میں تحریف کرنا چاہئے، اور پھر مجتہد کی تقلید شخصی کا شرک ہونا آیت قرآنی یا حدیث صحیح صریح سے ثابت کریں۔

نوٹ: غیر مقلدین کہا کرتے ہیں کہ حنفی زبان سے تو یہ نہیں کہتے مگر ان کا عمل ایسا ہے، لیکن وہ پہلے تقلید کا مسئلہ طے کر کے پھر اس پر بات کریں، پہلے ہم ثابت کریں گے، غیر مقلد حدیثیں سن کر ان پر عمل نہیں کرتے۔ ہم بخاری شریف سے چند صفحات پڑھا کر ترجمہ کروائیں گے، اور اس کے بعد ان کے مناظر کو حلفاً بیان کرنا ہوگا کہ ہماری ساری جماعت ان احادیث پر عامل ہے۔

(۵) جب تقلید لازمۂ جہال سے ہے تو جب غیر مقلدین ایک قسم کو واجب کہتے ہیں تو معلوم ہوا مطلق جہالت ان کے ہاں واجب ہے، اور مطلق جہالت کے لئے ارتفاع کا علم حاصل کرنا حرام ہے۔

غیر مقلدین حضرات پر مخالفت حدیث کے سلسلہ میں چند سوالات

(۱) آں حضرت ﷺ نے نہایت تاکید کے ساتھ صحابہ کو فرمایا تھا لا یصلین احد العصر الا فی بنی قریظة تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں جا کر، یہ حدیث ان صحابہ نے خود آنحضرت ﷺ سے بنی جوان کے حق میں قطعی الثبوت بھی تھی۔ اور قطعی الدلالت بھی، پھر بھی بعض صحابہ نے بنی قریظہ میں پہنچنے سے پہلے راستہ میں ہی عصر کی نماز پڑھ لی، کیا یہ حدیث کی صریح مخالفت ہے یا نہیں مگر آنحضرت ﷺ نے کسی پر ملامت نہ کی

(صحیح بخاری جلد:۲ صفحہ:۵۹۱) کیا صریح حدیث کی مخالفت قابل ملامت نہیں۔

(ب) علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں: ''جن لوگوں نے ظاہر حدیث کے بالکل خلاف راستے میں نماز پڑھی ان کو دواجر ملے اور جن صحابہ نے حدیث کے موافق بنو قریظہ میں جا کر نماز ادا کی، ان کو ایک اجر ملا (زاد المعاد جلد:۲ صفحہ:۲۷) کیا واقعی اس حدیث کی مخالفت میں دو اجر ملتے ہیں۔

(۲) آنحضرت ﷺ کی لونڈی کو منافقین نے اس کے چچازاد بھائی حضرت مابور سے متہم کر دیا اور یہ پروپیگنڈا اتنا زبردست تھا کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا اذهب فاضرب عنقه (صحیح مسلم جلد:۲ صفحہ:۳۶۸)، حضرت علیؓ نے دیکھا کہ مابور کنوئیں میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے آپ نے اسے کھینچا تو اس کی تہمت کھل گئی آپ نے دیکھا کہ انه لمجبوب ماله ذکر (مسلم) حضرت علیؓ اسے قتل کئے بغیر واپس آ گئے اور اس قطعی حکم پر عمل نہ کیا جو اکسی شرط سے مشروط نہ تھا، کیا یہ صریح حدیث کی مخالفت ہے یا نہیں؟

(۳) آنحضرت ﷺ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ فلاں لونڈی کو زنا کی سزا میں کوڑے لگاؤ یہ حکم کسی شرط سے مشروط نہ تھا، حضرت علیؓ نے دیکھا کہ وہ نفاس میں ہے حضرت علیؓ ڈرے کہ کہیں کوڑوں سے مر نہ جائے تو بغیر کوڑے لگائے واپس آ گئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو نے اچھا کیا (صحیح مسلم جلد:۲ صفحہ:۷۱) کیا صریح حدیث کی مخالفت کرنا واقعی اچھا کام ہے؟

(۴) صلح حدیبیہ کے وقت کفار شرائط پر ضد کرتے تھے (جیسے غیر مقلدین شرائط میں ضد کیا کرتے ہیں) کفار نے کہا کہ محمد رسول اللہ کی بجائے محمد بن عبد اللہ لکھو آنحضرت نے حضرت علیؓ کو فرمایا امح رسول الله قال لا والله امحوك (بخاری جلد: ۱ صفحه: ۳۷۲) فاقر عليا ان يمحاها فقال على والله لاامحاها (مسلم جلد:۳ صفحہ:۱۰۵) یہ مؤکد بقسم حدیث کی مخالفت جائز ہے، یا نہیں، علامہ نوویؒ اس مخالفت حدیث کو ادب فرماتے

ہیں (نووی شرح مسلم جلد:۳ صفحہ:۱۰۴)

(۵) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: جس نے ہمیشہ روزہ رکھا تو اس کا روزہ ہی نہیں ہوتا (بخاری جلد:۱، صفحہ:۲۶۵)، امام شعبہ بن الحجاج صائم الدھر تھے (مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ: ۲۲۲) امام وکیع بن الجراح صائم الدھر تھے (تاریخ بغداد جلد:۳، صفحہ:۴۷۰) امام بخاری صائم الدھر تھے (میزان الکبری جلد:۱، صفحہ:۵۰) حافظ عبداللہ صاحب روپڑی مدت مدیدا ور عرصۂ بعید سے صائم الدھر ہیں، صرف ایک ہی وقت شام کو کھایا کرتے ہیں، (نتائج التقلید صفحہ:۳۰)۔ امام بخاریؒ خود حدیث روایت کرتے ہیں اور خود ہی صحیح صریح حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

(۶) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: "تسحروا فان فی السحور برکۃ بخاری جلد:۱، صفحہ:۲۵۷) مگر روپڑی صاحب سحری نہیں کھاتے تھے۔

(۷) آنحضرت ﷺ خصال فطرت کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ونتف الابط بخاری جلد:۲ صفحہ:۸۷۴ مسلم جلد:۱، صفحہ:۱۲۸ کسی صحیح مرفوع حدیث میں حلق الابط نہیں ہے، لیکن سب غیر مقلد اس کے خلاف کرتے ہیں، امام شافعیؒ نتف کو سنت بھی کہتے ہیں اور حلق بھی کرواتے ہیں، (نووی جلد:۱، صفحہ:۱۲۹)

(۸) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: "لایتمنین احدکم الموت من ضر اصابہ (بخاری جلد:۲، صفحہ:۸۴۷)۔ مگر خود امام بخاریؒ اس صحیح صریح حدیث کے خلاف دعا کرتے تھے کہ اے اللہ زمین مجھ پر تنگ ہوگئی ہے، اپنی طرف اٹھالے ایک ماہ کے بعد انتقال فرمایا۔ (تاریخ بغداد جلد:۲، صفحہ:۳۴)

(۹) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ہفتہ میں ایک قرآن پڑھو اور اس پر زیادہ مت کرو بخاری جلد:۲، صفحہ:۷۵۶ وجلد:۲، صفحہ:۷۵۵) امام بخاریؒ فرماتے ہیں قال بعضھم فی ثلاث وفی خمس واکثر ھن علی سبع (بخاری جلد:۲، صفحہ:۷۵۶) لیکن خود امام

بخاریؒ اس صحیح صریح حدیث کے خلاف رمضان شریف میں روزانہ ایک قرآن ختم فرماتے تھے، تاریخ بغداد جلد:۲،صفحہ:۱۲) طبقات الکبریٰ جلد:۲،صفحہ:۹الحطہ :صفحہ:۲۲)

حضرت عثمان بھی روزانہ قرآن ختم فرماتے ہیں: قیام اللیل صفحہ:۶۱ طبقات ابن سعد جلد:۳،صفحہ:۵۳،حضرت تمیم الداری (طحاوی جلد:۱صفحہ:۲۰۵) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (طحاوی جلد:۱،صفحہ:۲۰۵ز) امام شافعیؒ رمضان شریف میں سات قرآن ختم کرتے تھے، (تذکرۃ الحفاظ) ایک مرتبہ آپ نے روزانہ تین مرتبہ اور تین دین میں نو مرتبہ ختم کیا، (مفتاح الجنۃ للسیوطی صفحہ: ۲۹)، امام وکیع بن الجراح ایک رات میں قرآن ختم کر دیتے تھے، (البغداد جلد:۱۳،صفحہ: ۴۷۰)، امام الجرح والتعدیل یحیٰ بن سعید القطان چوبیس گھنٹوں میں ایک مرتبہ قرآن ختم کردیا کرتے تھے، البغداد جلد:۱۴،صفحہ:۱۳۱۔

(۱۰) حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں نهينا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا (بخاری جلد:۱صفحہ:۱۷۰) وفی رواية كنا ننهى عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا (مسلم جلد:۱،صفحہ:۳۰۴) اس حدیث میں نہی صریح ہے، جیسے حضرت ام عطیہ نے محض کراہت تنزیہیہ پر محمول کیا ہے نووی جلد:۱،صفحہ:۳۰۴) کیا فقہاء کو بھی اپنے اجتہاد سے نہی کو تحریم یا تنزیہیہ پر محمول کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

(۱۱) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قبلہ کیطرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو اور فرمایا شرقوا او غربوا بخاری جلد:۱صفحہ:۲۶۔ ولٰکن شرقوا او غربوا (بخاری جلد:۱،صفحہ:۱۳۰) کیا اب بھی اس حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کرنا جائز ہے؟

(۱۲) حضرت بریرہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے بعض ارشادات محض بطور مشورہ بھی ہوتے تھے (بخاری جلد:۳،صفحہ:۷۹۵)۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان الحكم الا لله مگر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں

فلا تنزلهم علی حکم الله (مسلم جلد:۲،صفحہ:۸۲) کیا یہ حدیث پاک صراحۃ قرآن پاک کی (نص قطعی) کے خلاف نہیں ہے؟ جلد:۲،صفحہ:۸۲)۔

(۱۴) اللہ تعالی قرآن پاک میں مسافر کو فرماتے ہیں ان تصوموا خیر لکم لیکن آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں لیس من البر الصیام فی السفر"۔

(۱۵) آنحضرت ﷺ کے سامنے حضرت عمرؓ تورات کا نسخہ لائے اور پڑھنا شروع کر دیا، آنحضرت ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے میری اتباع کرتے (داری) کیا آج جتنے مولوی بائیبل پڑھتے ہیں ان سے آنحضرت ﷺ ناراض ہیں۔

معزز علمائے کرام غیر مقلدین بنام اہل حدیث آپ اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتے ہیں اور آپ کو اس بات پر ناز بھی ہے، مگر اس بارے ہمیں کچھ وضاحت کی ضرورت ہے۔

(۱) اہل حدیث بمعنی طبقۂ علمی کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح صرف، نحو، منطق، حساب، فقہ، تفسیر، قرآن میں علمی مہارت رکھنے والوں کو اہل صرف، اہل نحو، اہل منطق، اہل حساب، اہل تفسیر، اہل قرآن کہا جاتا ہے، کیونکہ ان میں ان علوم کی اہلیت موجود ہے، لیکن جو لوگ ان علوم میں نااہل ہوں ان پر یہ الفاظ استعمال نہیں ہو سکتے، اسی طرح حضرات محدثین جو علمی طور پر علم حدیث کے ماہر ہیں وہ تو اہلیت کی بنا پر اہل حدیث کہلا سکتے ہیں، لیکن جو لوگ اس علم کی اہلیت نہیں رکھتے وہ محدث یا اہل حدیث نہیں کہلا سکتے، اور ظاہر ہے کہ فرقۂ غیر مقلدین کے فرد تو اسانید و متون، اصول حدیث، اسماء الرجال وغیرہ میں بصیرت تامہ نہیں رکھتا، تو جیسے کسی جاہل کو منطقی، مفسر، صرفی، نحوی کہنا جائز نہیں، اسی طرح ان پڑھوں کا اہل حدیث بمعنی محدث کہلانا غلط ہے۔

(۲) اس طبقۂ علمی کے لحاظ سے اہل حدیث (محدثین) کسی ایک فرقۂ مذہبی سے متعلق نہیں، جیسے اہل قرآن بمعنی مفسرین کسی ایک فرقہ سے متعلق نہیں، جیسے زمخشری، بیضاوی

مفسرین مگر معتزلی ہیں، ثنی مفسر ہے مگر شیعہ ہے، اسی طرح ابو بکر بن دارم اہل حدیث اور محدث ہے، مگر شیعہ ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد: ۳، صفحہ: ۸۸۴) ابن جریج اہل حدیث اور محدث ہے مگر نوے عورتوں سے متعہ کرنے والا ہے، تذکرۃ الحفاظ ابو احمد الزبیری اہل حدیث ہے، مگر شیعہ ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد: ۱، صفحہ: ۳۲۲) محمد بن فضیل بن غزوان الحمد اہل حدیث الحافظ تھے، مگر جلے بھنے شیعہ (تذکرۃ الحفاظ جلد: ۱، صفحہ: ۲۹۰) محدث حاکم ابو عبداللہ اہل حدیث بمعنی محدث ہیں، مگر تذکرۃ الحفاظ میں رافضی خبیث لکھا ہے اسماعیل بن علی السمان اہل حدیث کے امام تھے، مگر معتزلی تھے (تذکرۃ الحفاظ جلد: ۳، صفحہ: ۳۰۰) بہت سے محدثین حنفی تھے، جن کے حالات میں محدثین نے الجواھر المضیئہ فی تراجم الحنفیہ اور الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ اور مفتاح السعادۃ وغیرہ مستقل اور ضخیم کتابیں لکھی ہیں، بہت سے محدثین شافعیؒ، مالکی، حنبلی تھے جن کے حالات میں طبقات شافعیہ، طبقات مالکیہ، طبقات حنابلہ کتابیں لکھی گئی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث معتزلی بھی ہوتے ہیں، شیعہ بھی، قدری بھی، حنفی، شافعی، مالکی حنبلی بھی، چونکہ یہ علمی طبقہ ہے، نہ کہ کسی فرقہ مذھبی کا نام۔

(۳) حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی محدثین نے اپنے طبقات کی کتابیں لکھی ہیں، شیعہ، معتزلہ، نے بھی ایسی کتابیں جن میں ان کے محدثین کا ذکر ہے لکھی ہیں ایسی طرح انگریز کے دور سے پہلے کسی مسلمہ محدث نے طبقات غیر مقلدین کوئی کتاب لکھی ہو تو اس کا نام اور ملنے کا پتہ ضرور دیں۔

(۴) اگر انگریز کے دور سے پہلے کسی مسلمہ غیر مقلدین محدث نے اصول حدیث کی کوئی کتاب لکھی ہو جو نصاب میں متداول ہو تو اس کا پتہ دیں۔

(۵) انگریز کے دور سے پہلے کسی غیر مقلدین نے جس کا محدث ہونا بھی مسلم ہو کوئی اسماء الرجال کی کتاب لکھی ہو تو اس کا نام اور پتہ ضرور دیں۔

(۶) طبقہ علمی کے اعتبار سے محدثین نے اہل حدیث کو پانچ طبقوں میں تقسیم فرمایا ہے۔

(۱) مبتدی میں طالب علم حدیث کا (۲) محدث من تحمل روایتہ واعتنی بدرایتہ، یعنی حدیث کی روایت اور درایت کا ماہر (۳) الحافظ جس کو ایک ہزار حدیث سنداو متنا یاد ہو (۴) الحجہ جس کو تین لاکھ احادیث یاد ہوں (۵) الحاکم جس کو تمام احادیث یاد ہوں، الحطہ صفحہ: ۱۵۱)۔

نواب صاحب لکھتے ہیں: کہ ہمارے زمانہ میں جو اہل حدیث ہیں ان میں کوئی حاکم حافظ حجت محدث تو کیا ہوتا کوئی مجتہد بھی نہیں۔

(۷) یہ فرمائے کہ انگریز کے دور سے پہلے ہم غیر مقلدین میں کتنے حاکم گزرے ہیں کتنے حجت اور کتنے حافظ حوالہ معتبر کتاب سے ہو۔

(۸) اہل حدیث بمعنی فرقہ مذھبی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جیسے مسلمان کا بچہ بھی مسلمان کہلاتا ہے جوان بھی بوڑھا بھی مرد بھی عورت بھی جاہل بھی عالم بھی اس طرح کوئی فرقہ نام اہل منطق رکھ لے کہ ہر جاہل اور عالم بچہ اور بوڑھا اہل منطق کہلائے، اسی طرح کوئی فرقہ اہل قرآن نام رکھ لے کہ ہر بچہ بوڑھا، مرد عورت، جاہل عالم اہل قرآن کہلانے، اسی طرح کسی فرقہ کا نام اہل حدیث کہ اس فرقہ کا بچہ بوڑھا، مرد عورت، عالم جاہل سب اہل حدیث کہلاتے ہوں، ایسا کوئی فرقہ آنحضرت ﷺ کے دور مبارک سے انگریز کے اس ملک میں آنے سے پہلے نہیں پایا گیا، حضرت علمائے کرام خدا تعالیٰ آپ کے علم میں برکت دے یہ فرمائے کہ:

(۷) کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں حکم دیا ہے کہ تم اپنے فرقہ کا نام اہل حدیث رکھنا تو وہ آیت تحریر فرمائیں۔

نوٹ: ہمارے ایک مولوی صاحب نے مجھے قرآن پاک میں دو تین جگہ لفظ حدیث دکھایا تھا، مگر وہاں وہ کسی فرقہ مذھبی کا نام نہ تھا، ایسے تو لفظ شیعہ بھی قرآن پاک میں کئی جگہ موجود ہے کیا اس سے بھی فرقہ مذھبی منکرین صحابہ مراد ہے، اور کیا یہ فرقہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے زمانہ

سے ہے، اسی طرح لفظ قرآن بھی کئی جگہ قرآن میں موجود ہے تو کیا اس سے فرقہ منکرین حدیث مراد ہے جو اپنے کو اہل قرآن کہتا ہے، اسی طرح لفظ ربوہ قرآن پاک میں دو جگہ آیا ہے کوئی اس سے قادیانیوں کا شہر مراد لے جو جھنگ کے ضلع میں بنا ہے اور یہ دعویٰ کرے کہ یہ شہر عیسیٰ کے زمانہ سے ہے، اگر ہم لوگ منکرین صحابہ منکرین حدیث اور منکرین ختم نبوت کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ اس قسم کے مضحکہ خواہ استدلال کریں۔ اور ان کے استدلال کو ہم لوگ تفسیر بلا رائی کی عمدہ ترین مثال قرار دیتے ہیں تو پھر ہمیں ایسی تفسیر بالرائی کا کیا حق ہے۔

معزز علمائے کرام! کیا ہماری اس تفسیر کا حال بعینہ ایسا نہیں کہ ایک شخص نعیم نامی نے دعویٰ نبوت کر دیا اور اپنے دعویٰ کی دلیل میں آیت پیش کیا کرتا تھا ثم لتسئلن یومئذٍ عن النعیم اور کہتا تھا کہ اس میں نعیم میرا نام ہے، ایک لطیفہ سن رکھا تھا کہ کسی گاؤں میں ایک میراثی نے سید ہونے کا دعویٰ کر دیا دوسرے سید صاحبان نے پنچائیت میں دعویٰ کر دیا کہ یہ سید نہیں ہے، پنچ صاحب نے فرمایا کہ آپ کے سید ہونے کا تو میرے پاس کوئی ثبوت نہیں، مگر یہ میراثی تو میرے سامنے سید بنا ہے، اسلئے اس کے سید ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا، اسی طرح ہماری جماعت کے پنچوں نے ۱۸۸۸ء میں انگریز کو درخواست دی کہ ہمارا نام اہل حدیث ہو (مؤثر صدیقی سیرت ثنائی) تو اب ہمارے اہل حدیث ہونے میں کوئی بے وقوف شک کر سکتا ہے، ایک دن ہمارے ایک مولوی صاحب مجھے قرآن پاک سے ایک جگہ سے اہل کا لفظ دکھایا اور دوسری جگہ سے حدیث کا اور اس طرح فرقۂ اہل حدیث کا ثبوت قرآن سے پیش کیا میں نے پوچھا کیا قرآن میں لفظ غلام ہے اس نے کہا ہاں میں نے پوچھا احمد قرآن میں ہے اس نے کہا ہاں پھر میں نے پوچھا کیا لفظ نبی قرآن میں ہے اس نے کہا ہاں اب میں نے پوچھا کوئی قادیانی ایک جگہ سے غلام دوسری جگہ سے احمد تیسری جگہ سے نبی دکھا کر کہے کہ قرآن میں ہمارے غلام احمد نبی کا ذکر ہے، تو اس قادیانی اور آپکے استدلال میں کیا فرق ہوگا آپ تو قادیانیوں سے بھی تحریف قرآن میں آگے نکل گئے۔

معزز علمائے کرام! میں اگرچہ اہل حدیث ہوں مگر یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے(۱) فرقہ کا ذکر قرآن پاک میں نہیں ہے، اور اپنے علماء سے دست بستہ عرض گزار ہو کہ وہ اپنے فرقہ کی قدامت ثابت کرنے کے لئے قرآن پاک کی عظمت کو برباد نہ کریں اور قرآن پاک کے ساتھ منکرین حدیث، منکرین صحابہ، اور منکرین ختم نبوت والا سلوک روانہ رکھیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن پاک میں سرے سے لفظ اہل حدیث ہی موجود نہیں، چہ جائیکہ ہمارے فرقہ کا ذکر ہو۔

(۹) جب ہمارے علماء اس قسم کے استدلال کرتے ہیں تو کیا یہ بات غلط ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور اس دین فطرت کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے واتبع ملة ابراهيم حنيفا یہی دین حنیف ہے، جس کی تکمیل کا اعلان آنحضرت ﷺ نے فرمایا اور اسی کی تدوین اور ترتیب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمائی آپ چونکہ دین حنیف کے مرتب ہیں، اسلئے آپ کی یہ کنیت باعتبار غلبۂ وصف کے ہے، جیسے ابوہریرہ، ابوالخیر ابوالبرکات اور آپ کی فقہ دین حنیف کی مظہر اتم ہے، حضرات علمائے کرام نہایت مؤدبانہ گذارش ہے کہ:

(۱۰) جس طرح آنحضرت ﷺ نے عليكم بسنتي فرمایا ہے کہ عليكم بالجماعة فرمایا کیا اس طرح آپؐ نے کبھی عليكم بحديثي بھی فرمایا ہے، یا نہیں؟ اگر اسی پر حدیث ہو تو پوری سند اور توثیق کے ساتھ پیش فرمائیں۔

(۱۱) کیا آنحضرت ﷺ اپنے آپ کو اہل قرآن یا اہل حدیث کہلاتے تھے، پوری سند سے حدیث بیان فرمائیں۔

(۱۲) کیا آنحضرت ﷺ اپنے مکتوبات شریفہ میں اپنے آپ کو اہل حدیث لکھواتے تھے، تو وہ حدیث باسند پیش فرمائیں۔

(۱۳) کیا آنحضرت ﷺ نے اپنے خلفاء، اور صحابہ کو تاکید فرمائی تھی کہ تم اہل حدیث

---

(۱) اہل حدیث کے ایک نوجوان کی طرف سے ہمارے علماء کرام کی خدمت میں گذارش۔

کہلوانا، بسند صحیح بیان ہو۔

(۱۴) حضرات علمائے کرام سرائے سدھو ضلع ملتان سے محمد یعقوب خان سید اقبال صاحب کی کتاب گستاخ اور بے ادب کون، اس کے صفحہ: ۸ پر ایک حدیث شریف پڑھی، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے روز جب اہل حدیث حاضر ہوں گے تو اللہ تعالی ان سے فرمائیں گے تم اہل حدیث ہو جنت میں داخل ہو جاؤ (طبرانی) یہ حدیث پڑھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی، میں نے طبرانی شریف میں اس کی سند تلاش کی جو مجھے نہیں ملی آپ حضرات اس کی مکمل سند میں توثیق روایت پیش فرمائیں، نیز یہ بھی فرمائیں کہ اس حدیث میں لفظ اہل حدیث سے طبقہ علمی مراد ہے یعنی محدث فرقہ مذھبی کا ذکر بھی ہے۔

(۱۵) ایک دن ایک منکر حدیث نے مجھے مشکوٰۃ شریف سے یہ حدیث دیکھائی اے اہل قرآن وتر پڑھو، اور کہا کہ دیکھو ہمارے فرقہ کا ذکر حدیث پاک میں ہے اور مجھ سے کہا کہ تم بھی اہل حدیث کا لفظ حدیث نبوی میں دیکھاؤ، میں نے گھر آ کر وہی رسالہ جس کا ذکر صفحہ: ۱۴ میں ہوا ہے دیکھا تو اس کے صفحہ: ۸ پر یہ حدیث مل گئی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی، حتی کہ قیامت برپا ہوگی، وہ جماعت اہل حدیث ہے (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) میں یہ حدیث پڑھ کر بہت خوش ہوا مشکوٰۃ اور ترمذی اٹھا کر اس منکر حدیث کے پاس لے گیا، اپنے ایک مولوی صاحب کو بھی بلایا کہ یہ حدیث تلاش کر دیں تلاش بسیار کے بعد جب حدیث ملی تو اس میں سرے سے اہل حدیث کا لفظ ہی نہ تھا، ایک امتی کی رائے میں اصحاب الحدیث کا لفظ تھا، لیکن ہمارے مولوی صاحبان نے امتی کی رائے کو نبی پاک کی حدیث بنا ڈالا، کیا آنحضرت ﷺ پر اس طرح جھوٹ بولنا جائز ہے، فرمائیے اس کتاب کے مرتب اور مؤید کی قرآن وحدیث میں کیا سزا ہے۔

(۱۶) اسی رسالہ کے صفحہ: ۸ اور صفحہ: ۱۱ پر دو جگہ یہ حدیث لکھی ہے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ قریب اہل حدیث ہوں گے، کیونکہ امت محمدیہ میں یہی لوگ رسول اللہ ﷺ پر سب سے زیادہ درود بھیجتے ہیں (ابن حبان) لیکن جب اصل کتاب دیکھی گئی تو اہل حدیث کا لفظ حدیث میں نہیں، بلکہ ابن حبان کی رائے میں تھا اور وہ بھی طبقۂ علمی یعنی محدث کیلئے نہ کسی فرقۂ مذھبی کے لئے۔

(۱۷) نیز اسی رسالہ صفحہ ۸ پر حضرت ابو ہریرہؓ کا قول درج ہے انا اول صاحب حدیث فی الدنیا (تاریخ بغداد) اس کی سند مع توثیق رواۃ پیش فرمائیں اور یہ بھی فرمائیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کس سنہ میں اسلام لائے اگر وہ پہلے اہل حدیث ہیں تو ان سے پہلے اسلام لانے والے خلفائے راشدین عشرہ مبشرہ اہل بدر، اہل احد، مہاجرین، اہل بیت رضوان، تو کسی معنی میں بھی اہل حدیث نہ رہے۔

(۱۸) نیز اسی رسالہ صفحہ ۸ پر حضرت ابو سعید خدریؓ کا قول درج ہے کہ اپنے شاگردوں کو فرمایا فانکم خلوفنا واهل الحديث بعدنا بحوالہ شرف اصحاب الحدیث صفحہ: ۲۱) اس قول کی سند اور اس کے راویوں کی توثیق بیان فرمائیں، نیز یہ بھی فرمائیں کہ بشرط صحت اس قول میں اہل حدیث سے مراد محدث ہے یعنی طبقۂ علمی یا ان پڑھ غیر مقلد اور منکرین مراد ہیں، جواب باحوالہ اور باسند بیان فرمائیں۔

(۱۹) ہمارے علمائے کرام! اہل حدیث کا ترجمہ غیر مقلد کرتے ہیں اور کہتے ہیں اہل حدیث غیر مقلد ایک ہی چیز ہے، اس معنی کا ثبوت کسی معتبر و مسلم کتاب سے دیں۔

(۲۰) اگر ہر غیر مقلد اہل حدیث ہے تو قادیانی، منکرین حدیث، نیچری، معتزلہ، شیعہ، وغیرہ فرقوں کا ہر فرد بھی اہل حدیث کہلا سکتا ہے، یا نہیں، کیونکہ یہ لوگ بھی غیر مقلدین کی طرح

ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتے، کیا وجہ ہے کہ ہم تقلید نہ کریں تو اہل حدیث اور وہ تقلید چھوڑیں تو اہل حدیث نہ کہلائیں۔

(۲۱) حضرات علمائے کرام! علامہ حافظ ابن عبد البر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں اور رامہر مزی نے ''المحدث الفاصل'' میں جو یہ اقوال درج کئے ہیں ان میں لفظ اہل حدیث کن معنوں میں ہے امام شعبہ بن الحجاج فرماتے ہیں: ''میں جب کسی اہل حدیث آدمی کو آتے دیکھتا تھا تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا، لیکن اب سب لوگوں سے زیادہ بغض مجھے اہل حدیث سے ہے اور محدث حرم شریف حضرت امام سفیان بن عیینہ کسی اہل حدیث کو دیکھتے تو فرماتے کہ تجھے دیکھ کر آنکھوں میں جلن پیدا ہوتی ہے حضرت عمرؓ تجھے دیکھتے تو سزا دیتے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک دور میں کوئی اہل حدیث نہ تھا، ورنہ اس کی خوب پٹائی فرماتے۔

(۲۲) امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: اگر حدیث اچھی چیز ہوتی تو گھٹتی جاتی جیسا کہ ہر خیر کم ہوتی ہے، اس کا کیا مطلب ہے اور کیا حکم ہے۔

(۲۳) محدث عمرو بن الحارث جو امام اللیث کے استاذ حدیث ہیں فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حدیث پاک سے زیادہ اشرف علم نہیں دیکھا مگر اہل حدیث سے زیادہ سخیف العقل کسی کو نہیں پایا، اس کا کیا مطلب ہے اور اگر کوئی آج یہ بات کہے تو اس کا کیا حکم ہے، بدعتی ہے یا کافر؟

(۲۴) ہمارے مناظر اعظم حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری فرماتے ہیں کہ لقب اہل حدیث کے لئے علم حدیث ضروری نہیں (فتاویٰ ثنائیہ جلد: ۱) یہ اصطلاح کس آیت یا حدیث سے لی ہے اس کا حوالہ درکار ہے۔

(۲۵) اگر مولانا ثناء اللہ صاحبؒ کا یہ معنی درست ہے تو کیا مسلمان کہلانے کے لئے

اسلام کا علم ضروری نہیں؟ اہل قرآن کہلانے کے لئے علم قرآن ضروری نہیں، اہل صرف ونحو کہلانے کے لئے صرف نحو کا علم ضروری نہیں، یہ درست ہے یا یہ مذاق صرف حدیث پاک کے ساتھ ہی روا رکھا گیا ہے۔

(۲۶) ہمارے اس نو ایجاد لقب اہل حدیث سے مراد وہ شخص ہے جو تمام متعارض حدیثوں پر عمل کرے، تو یہ تو مشاہدہ کے خلاف بھی ہے اور اس طرح عمل بھی ناممکن ہے، اور اگر کوئی طریقہ سب پر عمل کرنے کا حدیث میں ہو تو بیان فرمائیں۔

(۲۷) یا اس لقب سے وہ شخص جو راجح احادیث پر عمل کرے وہ اہل حدیث ہے تو تمام تعارض احادیث کے لئے ہر ہر حدیث کے بارہ میں کہ فلاں راجح ہے فلاں مرجوح تو یہ فیصلہ آپ نبی معصوم ﷺ سے ثابت کرتے ہیں یا امتیوں سے جو غیر معصوم ہیں۔

(۲۸) اگر آپ فرمائیں کہ ہم صحیح حدیثوں کو ترجیح دیتے ہیں اور ضعیف حدیثوں کو مرجوح کہتے ہیں تو فرمائیں کہ کیا ہر ہر حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا فیصلہ خود نبی معصوم ﷺ سے ثابت ہے یا غیر معصوم امتیوں کے اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے، اور تقلید کی جاتی ہے۔

(۲۹) اگر آپ فرمائیں کہ ہر ہر حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا فیصلہ صراحۃ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، البتہ جو حدیث صحیح کی تعریف کے موافق ہو وہ صحیح ہے، ورنہ ضعیف تو صحیح حدیث اور ضعیف کی جامع مانع تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث سے بتائیں۔

(۳۰) احادیث مقبولہ کی کتنی قسمیں ہیں اور احادیث مردودہ کی کتنی ان اقسام کی وضاحت کسی صحیح صریح حدیث سے بیان فرمائیں، یا یہ ساری قسمیں غیر معصوم امتیوں نے بنائی ہیں، تو ان اقسام میں ان امتیوں کی تقلید فرض ہے واجب یا مکروہ یا حرام۔

(۳۱) کسی راوی پر جرح اور تعدیل کے جو قاعدے اصول حدیث کی کتابوں میں درج

ہیں، کیا وہ نبی معصوم ﷺ سے ثابت ہیں، تو ان کا ثبوت کسی صحیح صریح حدیث سے پیش فرمائیں، اگر یہ قاعدے غیر معصوم امتیوں نے بنائے ہیں تو ان قاعدوں کی رو سے احادیث کو صحیح یا ضعیف کہنے والا متبع حدیث تو نہ ہوا امتیوں کا مقلد ہوا۔

(۳۲) کیا امتیوں کے ان بنائے ہوئے قاعدوں کو اگر کوئی نہ مانے تو اسے خدا یا رسول کا منکر تو نہیں کہا جائے گا۔

(۳۳) حدیث کے سب راویوں کا ثقہ یا ضعیف ہونا نبی معصوم ﷺ کے ارشادات سے ثابت ہے یا غیر معصوم امتیوں کے اقوال سے، ان اقوال کو تسلیم کر کے کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا ان امتیوں کی تقلید ہے یا نہیں۔

(۳۴) حضرات علمائے کرام! اسماء الرجال کی جن کتابوں پر آج کسی راوی کو ثقہ یا ضعیف کہنے کا دار مدار ہے تقریب التہذیب تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال، تذکرۃ الحفاظ، خلاصہ لسان المیزان وغیرہ ان کتابوں میں نہ تو صاحب کتاب سے لے کر جارح اور معدل تک کوئی سند ہے نہ جارح اور معدل سے لے کر راوی تک کوئی سند ہے تو ان کتابوں میں درج اقوال کو محض صاحب کتاب سے حسن ظن کی وجہ سے تسلیم کر لینا یہ اس غیر معصوم امتی کی تقلید ہے یا نہیں۔

(۳۵) ان کتابوں میں ۹۹ ہزار اقوال جرح تعدیل کے بلا دلیل ہیں یعنی ان کے ساتھ دلیل تفصیلی مذکور نہیں یہ تسلیم القول بلا دلیل تقلید ہے یا نہیں۔

(۳۶) ان کتابوں میں راویوں کے بارہ میں بہت اختلاف ہے ایک محدث ایک راوی کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتا ہے دوسرا محدث اس راوی کو دجالوں میں سے ایک دجال کہتا ہے تو اس اختلاف کا فیصلہ بھی غیر معصوم امتی ہی کریں گے یا کیا؟

(۳۷) ہمارے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ نے ۲۹ جولائی ۱۹۲۷ء کو یہ چیلنج کیا تھا

کہ تمام محدثین اور مفسرین غیر مقلد تھے، کیا یہ دعویٰ اور چیلنج انگریز کے دور سے پہلے کسی مسلمہ محدث کی کتاب میں ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مولانا ثناء اللہ صاحب نے یہ بات کسی شیعہ کی کتاب سے چوری کی ہے، براہ نوازش کسی مسلم اہل سنت محدث سے یہ دعویٰ ثابت فرمائیں۔

(۳۸) مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے جب چیلنج فرمایا تھا تو اسی وقت ۷/اگست ۱۹۲۷ھ کے اخبار العدل میں اس چیلنج کو منظور کر کے مولانا ثناء اللہ صاحب سے پوچھا تھا کہ آپ مجتہد، محدث، اور مفسر کے شرائط جو دلیل شرعی سے ثابت ہوں، تحریر فرمائیں، نیز ان کتب مسلمہ بین الفریقین کی فہرست بھی تحریر فرمائیں، جن سے آپ ان محدثین ومفسرین کا غیر مقلد ہونا ان کے اقرار یا شرعی شہادتوں سے ثابت فرمائیں گے، لیکن سنا ہے کہ پھر ہمارے مولانا ثناء اللہ صاحب وفات تک اس مسئلہ پر خاموش ہی رہے، اور اسی طرح اس دنیا سے تشریف لے گئے، حضرات علمائے کرام یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے مولانا پہلے چیلنج دیں، پھر جب وہ چیلنج منظور کر لیا جائے صم بکم بن جائیں۔ حضرات علمائے کرام! اب ہی ہمت فرمائیں۔

(۳۹) حضرات علمائے کرام! عام طور پر ہمارے علماء فرمایا کرتے ہیں کہ حدیث اور سنت ایک ہی چیز ہے کیا کسی صحیح صریح حدیث پاک میں یہ آیا ہے کہ حدیث اور سنت ایک ہی چیز ہے، اگر ایسی حدیث ہو تو مع سند وتوثیق رواۃ بیان فرمائیں۔

(۴۰) امام خطیب بغدادیؒ نے حدیث نقل فرمائی ہے عن ابی ھریرۃؓ عن النبی ﷺ انه قال سیأتیکم عنی احادیث مختلفة فما جاء کم موافقا لکتاب اللہ وسنتی فھو منی وما جاء کم مخالفا لکتاب اللہ وسنتی فلیس منی (الکفایہ صفحہ: ۴۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح کتاب اللہ اور حدیث دو چیز ہیں بعض حدیثیں کتاب اللہ شریف کے موافق ہیں اور بعض مخالف اسی طرح سنت اور حدیث دو چیزیں ہیں، بعض حدیثیں سنت کے موافق ہیں اور بعض سنت کے مخالف ہیں، جب سنت اور

حدیث میں اختلاف ہو تو سنت کے مخالف حدیث چھوڑی جائے گی۔

(۴۱) صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا آخری زمانہ میں کچھ دجال اور جھوٹے لوگ ہوں گے جو تمہیں احادیث سنایا کریں گے جو حدیث تمہارے باپ دادا نے نہیں سنی ہوں گی ان سے بچنا ورنہ وہ تمہیں گمراہ کریں گے اور فتنہ میں ڈال دیں گے، کیا اس پیش گوئی میں ہمارے ہی فرقہ کا تو ذکر نہیں ہے۔

(۴۲) کیا لغت کی کسی کتاب میں حدیث کا معنی بات بھی آتا ہے یا نہیں اذا اسر حدیثا فبأی حدیث بعدہ یؤمنون میں بھی بات ہے کیا اس معنی کے لحاظ سے اہل حدیث کا معنی درست ہے یا نہیں، ہم اگر اپنے علماء سے سوسوالات پوچھیں اور عرض کریں کہ جواب حدیث صحیح سے دیں تو وہ نبی کی حدیث کی بجائے بلاحوالہ حدیث اپنی باتیں لکھ دیتے ہیں جس سے ان کا باتونی ہونا واضح ہے۔

(۴۳) کیا حدیث کے معنی نئے کے بھی آتے ہیں یا نہیں حدیث ضد قدیم اور حدیث السن معنی نوعمر ہیں تو اہل حدیث کے معنی نئے فرقہ والے ہوئے، چنانچہ ہماری معتبر کتابوں مآثر صدیقی و سیرت ثنائی میں ذکر ہے کہ ۱۸۸۸ء سے انگریزی کاغذات میں ہمارا نام اہل حدیث رکھا گیا اور یہ دونوں میں معتبر شھادتیں واستشھدوا منکم کے موافق واجب القبول ہیں۔

(۴۴) ہمارے علمائے کرام! (۱) مولانا عبدالجبار صاحب غزنویؒ (۲) مولانا عبد التواب ملتانی (فتاوی علمائے حدیث) (۳) نواب صدیق حسن خان (۴) مولانا محمد ابو یحیٰ شاہجہان پوری نے الارشاد الی سبیل الرشاد (۵) مولانا عالم صدیقی نے اختلاف امت کا المیہ (۶) مولانا عبدالرشید حنیف نے شاہد حق (۷) مولانا علی محمد سعیدی فتاوی علمائے حدیث (۸) مولانا ثناءاللہ امرتسری ونقوش (ابوالوفاء) ان آٹھ علماء نے تسلیم کیا ہے کہ ہمارا فرقہ نیا ہے، اور یہ سب بزرگ مقبول الشہادت ہیں یہ بھی اس معنی کی تائید ہے۔

(۴۵) ہماری تاریخ اہل حدیث نامی کتاب انگریزی حکومت کے دور میں مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی نے تحریر فرمائی جس میں شیخ رضی الدین لاہوریؒ سے لے کر شاہ محمد اسحاق تک حنفی محدثین کا ذکر ہے یہ تو انگریزی دور سے پہلے علم حدیث کے مینار تھے، غیر مقلدین میں سے سب سے پہلے میاں نذیر حسین دھلوی کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے رد تقلید میں سب سے پہلی کتاب معیار الحق لکھی، اور نئے فرقے کی بنیاد رکھی۔

(۴۶) میاں صاحب کے خسر میاں عبدالخالق صاحب بھی لکھتے ہیں: سو بانی مبانی اس فرقہ نواحداث کا عبدالحق بنارسی ہے (تنبیہ الضالین)

(۴۷) ہمارے مستند مؤرخ حضرت مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی نے ہندوستان میں اہل حدیث کی علمی خدمات نامی کتاب تالیف فرمائی، مولانا محمد حنفی یزدانی نے اس کو مکتبہ نذیریہ چیچاوطنی سے شائع فرمایا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارا سب سے پہلا ترجمہ قرآن نواب وحید الزمان صاحب ۱۳۳۸ھ نے تحریر فرمایا یا صفحہ: ۳۳ گویا دور برطانیہ سے پہلے ہمارا کوئی ترجمہ نہ تھا۔

(۴۸) ہماری پہلی تفسیر تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن ہے جو مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری نے لکھی، صفحہ: ۳۴، یہ وہی تفسیر ہے جس کی وجہ سے ہمارے ۸۰ علماء نے مولانا ثناء اللہ کو گمراہ اور اس کی تفسیر کو مرزائی فتنہ سے بڑا فتنہ قرار دیا (فیصلہ مکہ صفحہ: ۳)۔ یہ وہی تفسیر ہے جس کے خلاف اربعین لکھی گئی اور یہ وہی تفسیر ہے جسے سلطان ابن سعود نے گمراہ کن قرار دیا ہے (فیصلہ)

(۴۹) ہم اپنے علمائے کرام سے عرض گزار ہیں کہ اس کتاب میں درج ہے کہ ہندوستان میں اسلام ۳۹ھ میں آیا، لیکن ۳۹ھ سے ۱۲۳۹ھ تک کے گیارہ سو سال کے زمانہ کا نہ کوئی ترجمہ قرآن نہ ترجمہ حدیث اور نہ نماز کی کتاب کچھ بھی نہیں، ورنہ اس فہرست میں ضرور

ان کا ذکر آتا، حیرانی ہے اس اسلامی دور میں تو گیارہ سو سال کی وسیع مدت میں ہم نماز کی کتاب نہ لکھ سکے، مگر ۱۲۹۳ھ کے بعد انگریزی دور میں صرف یوں صدی میں ہماری جماعت ایک ہزار سولہ (۱۰۱۶) کتابیں (صفحہ:۹۹) شائع کر دے آخر ایک نومولود فرقے کو یہ قارون کا خزانہ کہاں سے مل گیا تھا، جس سے اتنی کتابیں لکھوائی اور چھپوائی گئیں۔

(۵۰) امید ہے کہ ہمارے علمائے کرام بھی سلجھائیںگے کہ انگریز نے مسلمانوں (احناف) سے حکومت چھینی ان پر بے پناہ مظالم کئے، لیکن ہمارے فرقہ جن کا انگریز کے دور سے پہلے ایک اخبار یا رسالہ بھی نہ تھا، انگریز کے دور میں ان کے ۲۸ اخبار و رسالے شائع ہوتے تھے، جن میں دو روزنامے ۸ ہفتہ وار ایک پندرہ روزہ اور ۱۷ ماہنامے تھے، آپ کسی اخبار کا حساب چیک کر کے فرمائیں کہ ایک نومولود فرقے کے ۲۸ رسائل کے لئے اخراجات کہاں سے آتے تھے۔

(۵۱) حضرات علمائے کرام! یہ عقدہ بھی حل فرمائیں کہ انگریز کے دور سے یہاں اسلام پر پوری گیارہ صدیاں گزر جائیں مگر ہماری نماز کی کتاب تک نہ ہو، لیکن انگریز کی حکومت آتے ہی ہمیں پورے ۹ پریس مل جائیں، جیسا کہ کتاب مذکور کے ۱۰۷ پر ان کے ناموں اور مقاموں کی مکمل فہرست موجود ہے، حیرانی ہے کہ اس نومولود فرقے کو اتنا سرمایہ کہاں سے مل گیا تھا۔

(۵۲) حضرات علمائے کرام! یہ کتاب ہماری جماعت کی علمی خدمات کے بیان کے لئے لکھی گئی ہے، انگریز کے دور سے پہلے پوری گیارہ صدیاں اسلام پر گزر چکی تھیں، مگر ہمارے کسی مدرسے کا نام نشان تک نہ تھا، مگر انگریز کا دور آیا تو ملک بھر میں ہمارے مدارس کا جال پھیل گیا، چنانچہ پورے ۲۲۲ مدارس کی فہرست اس کتاب میں درج کی گئی ہے آخر ایک نومولود فرقہ کو ملک کے طول و عرض میں اتنے مدارس کے چلانے کے لئے لاکھوں روپے کا سرمایہ کہاں سے

ملتا تھا، یہ بھی فرمائیں کہ ان مدارس کے طلباء کی تعداد کیا تھی۔

(۵۳) حضرات علمائے کرام! ہندو پاک کی پوری اسلامی تاریخ میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ کہیں ہمارا جلسہ ہوا ہو، لیکن انگریز کا دور اس ملک میں آیا اور ہمارے جلسے شروع ہوئے جن میں ۱۳۳۰ھ سے لے کر ۱۳۵۶ھ یعنی صرف ۲۶ سالوں میں ہماری پوری بیس آل انڈیا اہل حدیث کانفرنسیں منعقد ہوئیں جن کی فہرست کتاب مذکور ۱۸۹ پر درج ہے۔

حضرات علمائے کرام! جب سے پاکستان بنا ہے سعودی حکومت کی طرف سے کروڑوں روپے ہمیں مل رہے ہیں، مگر ۳۶ سالوں میں ایک آل پاکستان اہل حدیث کانفرنس لاھور میں ہوئی ہے وہ بھی ایسی ناکام ہوئی کہ اب حوصلہ ہی ٹوٹ گیا ہے، مگر ان ۲۰ ملک گیر کانفرنسوں کے لئے سرمایہ کن ذرائع سے حاصل کیا گیا تھا، اور انگریز کے جانے کے بعد یہ سلسلہ روک کیوں گیا۔

(۵۴) حضرات علمائے کرام! ھندو پاک، بنگال میں ایک آدھ ہماری کانفرنس ہو تو باوجود اس کے کہ کروڑوں روپیہ غیر ملکی ہمیں ملتا ہے کوئی کتاب مفت تقسیم نہیں ہوتی، بلکہ سعودیہ سے مفت آئی ہوئی کتابیں قیمتاً فروخت ہوتی ہیں، مگر دور برطانیہ کی ان بیس کانفرنس چھیاسٹھ ہزار پانسو (۶۶۵۰۰) پر ہے، یہ عقدہ ضرور حل فرمائیں کہ اتنی کتابوں کے مفت تقسیم کرنے کے لئے سرمایہ کہاں سے آتا تھا، جبکہ ہماری جماعت افراد کی تعداد بھی چند ہزار تھی۔

(۵۵) اس مذکور کتاب میں ہماری مساجد کی فہرست نہیں دی گئی، کیونکہ انگریز کے دور میں اپنی علیحدہ مساجد بنانے کی طرف ہماری جماعت کی توجہ ہرگز نہیں تھی، کیونکہ حنفیوں کی مساجد میں جا کر لڑائی کر کے مساجد میں فساد کر کے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا اصل مقصد تھا کہ یہ لوگ اتفاق کر کے حکومت برطانیہ کے خلاف جہاد نہ کر سکیں، چنانچہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کی سوانح عمری الحیات بعد الممات صفحہ: ۶۱۱ تا ۶۱۴ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں

بکثرت دیوانی اور فوجداری مقدمات لڑے گئے اور ہر پوری کونسل لندن تک ہماری جماعت کامیاب رہی، اس کامیابی کو تو بہت خوشی ہے، مگر ان بکثرت مقدمات کی کامیابی کے لئے ایک نومولود فرقے کے پاس اتنا سرمایہ کہاں سے آیا تھا، نومولود فرقہ پر پوری کونسل لندن تک کامیاب رہتا ہے۔

(۵۶) حضرات ہمارے علمائے کرام نے ہمیں بتا رکھا ہے کہ حضرت پیران پیر سید عبد القادر جیلانیؒ ہمارے ہم مذھب تھے ان کی کتاب غنیۃ الطالبین نہایت معتبر کتاب ہے، اس میں یہ حدیث ہے کہ شیطان کے ایک بچے کا نام حدیث ہے جو نمازیوں کے دلوں میں وسوسے ڈال ڈال کر پریشان کرتے ہیں، اور کسی شخص کو سکون قلب سے نماز نہیں پڑھنے دیتے، کیا ایسے لوگ جو لوگوں کو نماز پر لگانے کی بجائے نمازیوں کو پریشان کریں وہ اسی کی طرف منسوب ہو کر تو اہل حدیث نہیں کہلاتے، کیونکہ اس کا مشن پورا کرتے ہیں۔

(۵۷) حضرات علمائے کرام! قرآن وحدیث میں ذکر ہے کہ جب اعلاء اعلیٰ کی میٹنگ ہوتی تھی، تو شیاطین قریب جاتے اور درمیان سے کوئی ایک آدھ بات اچک کر اس میں دس جھوٹ ملاتے اور لوگوں میں پھیلا دیتے، اسی طرح ہمارے بعض لوگ حدیثوں میں سے ایک آدھ حدیث اچک لیتے ہیں باقی حدیثوں کا نام تک نہیں لیتے اور اسی طرح فقہ ثقہ میں سے ایک آدھ بات اچک کر اس میں دس بیس جھوٹ ملا کر فقہ ثقہ کے خلاف پروپیگنڈا کرتے ہیں، اور اسی طرح نماز کے بارہ میں درمیان سے کسی مسئلہ کے بارہ میں وسوسہ اندازی کرتے ہیں، مگر انہیں یہ کہا جائے کہ بات جب ختم ہو سکتی ہے، کہ ایک طرف سے ترتیب کے ساتھ شروع کی جائے، اس پر نہیں آتے، اور شور مچا کر بھاگتے ہیں، چنانچہ:

(۵۸) ایک دن ایک شخص نے ہمارے مولوی صاحب سے پوچھا کہ حدیث شریف کیا ہے کیا مخلوق کو خدا کے دین میں اپنی طرف سے مسائل داخل کرنے کا حق ہے؟ مولوی

صاحب نے فرمایا کہ حدیث قرآن پاک سے ہی ماخوذ اور قرآن پاک کی ہی تفصیل اور تشریح ہے تو وہاں موجود پانچ سو آدمیوں نے اعلان کیا کہ ہم مشکوۃ شریف کے صرف دس صفحات باترتیب پڑھتے ہیں آپ ہر حدیث کا ماخذ قرآن کی آیت پڑھتے جائیں ہم سب اہل حدیث ہو جائیں گے، ہمارے بیس کے قریب علماء تھے کسی کو ہمت نہ ہوئی، بلکہ بعض نے تو صاف طور پر فرمایا کہ حدیث قرآن کے خلاف ہے کاش ہمارے علماء اتنی کم ہمتی نہ دکھاتے تو وہ لوگ اہل حدیث ہوتے۔

(۵۹) ایک دن ہمارے علماء نے کہا کہ فقہ سب کی سب حدیث کے خلاف ہے، چنانچہ اہل فقہ نے کہا کہ آؤ ترتیب سے بات کرو ہم صرف فتاویٰ عالمگیری کے پہلے دس صفحات پڑھتے ہیں ہم ترتیب وار ایک ایک مسئلہ پڑھیں گے آپ ترتیب وار ہر ہر مسئلہ کے خلاف ایک ایک حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش کرتے جائیں، لیکن ہمارے علماء دم دبا کر بھاگ گئے ہزاروں آدمیوں نے کہا کہ آپ بالترتیب فقہ کے کسی ایک باب کتاب الطھارت کتاب المیراث، کتاب الحدود کو بطریق بالا حدیث کے مخالف ثابت کر دیں، اور ان مسائل کے مقابلہ میں ہر ہر مسئلہ کا صحیح حکم حدیث صحیح صریح غیر معارض سے دکھا دیں ہم فقہ کو چھوڑ دیں گے، مگر ہمارے علماء نے نہایت بزدلی کا ثبوت دیا اور شور مچا کر بھاگ گئے۔

(۶۰) ایک دن ہمارے علاقہ کے ایک گاؤں میں یہ جھگڑا ہوا کہ حنفیوں کی نماز غلط ہے، حنفیوں نے کہا آپ بالترتیب نماز کا ہر ہر مسئلہ ہمیں حدیث صحیح صریح غیر معارض سے سمجھا دیں ہم وہی نماز پڑھیں گے، لیکن وہ اسکے لئے بالکل تیار نہیں ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ ہماری نماز کا کہتے ہو کہ ہوتی نہیں، ہم پوچھتے ہیں تم مکمل نماز بتاؤ پھر کہتے ہو ہمیں آتی نہیں، پھر لوگوں کے دلوں میں وسوسے کیوں ڈالتے ہو۔

(۶۱) اسی طرح ایک دن جنازہ کی نماز کا جھگڑا ہمارے علماء نے ہی ڈالا، تو اب لوگوں

نے کہا کہ نماز جنازہ کی مکمل ترتیب اور مسائل آپ حدیث سے سنا دیں، ہم آپ کے ساتھ ہوں گے مگر ہمارے علماء نے مکمل ترتیب سے انکار کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل حدیث بمعنی محدث تو یہ لوگ ہرگز نہیں ہاں بمعنی باتونی بمعنی نیاں بمعنی وسوسے ڈالنے والا اور حدیث نفس کا تابع ہوں تو ہوں، حضرات علماء! ہمارے ان سوالوں کا جواب قرآن حدیث سے دے کر ہمارے دلوں کو مطمئن فرمائیں اللہ آپ کو خوش رکھے (ایک پریشان دل اہل حدیث)۔

(۶۲) اگر احادیث راجحہ پر عمل کرنے والا اہل حدیث ہے تو حنفی یا دیگر مقلدین اہل حدیث کیوں نہیں جو ان احادیث پر عمل کرتے ہیں، جن کو خیر القرون کے مجتھد نے راجح قرار دیا اور ہم ان احادیث پر عامل ہیں، جن کو پندرھویں صدی کے کسی جاہل مرکب غیر مقلد نے مصداق "ضلوا فاضلوا" راجح قرار دیا، حالانکہ تابعین کی ترجیح قرآن حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

(۶۳) حضرات علمائے کرام! حضرات صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین جس طرح متصل احادیث روایت کرتے اور ان پر عمل کرتے تھے، اسی طرح صحابہ، تابعین مرسل احادیث روایت کرتے اور خیر القرون کے تینوں زمانوں میں مرسلات، بلکہ بلاغات پر بھی بلانکیر عمل جاری تھا، حنفی حضرات حدیث متصل، مرسل، موقوف، مدلس سب پر عمل کرتے ہیں، مگر ان کو اہل حدیث نہیں کہا جاتا اور ہم نے حدیث کی کئی اقسام مثلاً مراسیل، موقوفات، تدلیس، جہالت خیر القرون ان سب اقسام کی احادیث ماننے سے انکار کر دیا ہے عجب بات ہے کہ احناف ان سب قسموں کو مانیں تو بھی اہل حدیث نہ ہوں ہم اکثر اقسام کا انکار کریں، پھر بھی اہل حدیث پر ہیں۔

(۶۴) حدیث لفظ کا اطلاق حدیث مرفوع، موقوف، مقطوع، مرسل، مدلس سب پر ہوتا ہے، مگر ہم بجائے سب اقسام کو ماننے کے صرف ایک قسم کو مانتے ہیں اور حنفی سب اقسام کو مانتے ہیں تو حنفی کامل اہل حدیث ہوئے اور ہم آدھا اہل حدیث۔

(۶۵) ہم میں سے بعض لوگ اثری کہلاتے ہیں، اثر لغت میں کسی چیز کے بقیہ کو کہتے ہیں، اور اثر کا اطلاق محدثین کی اصطلاح میں حدیث مرفوع، موقوف، مقطوع سب پر ہوتا ہے، امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں امام طبری نے تھذیب الآثار میں اور امام سیوطی نے الدر المنثور فی التفسیر بالماثور میں تینوں اقسام کی احادیث درج کی ہیں، اسی طرح باجماع امت ادعیہ ماثورہ کا لفظ ان دعاؤں پر استعمال ہوتا ہے، جو احادیث سے ثابت ہوں، مگر ہمارے اثری سوائے پہلی قسم کے کوئی حدیث نہیں مانتے تو یہ اثری کہلانا خلاف اجماع ہے، پھر کیا آنحضرت ﷺ نے اثری کہلانے کا حکم دیا، یا خود اپنے کو اثری لکھوایا، یا کسی صحابی کے اثری کہلانے پر خاموش رہے، اگر ایسی حدیث ہو تو یہ سند تحریر فرمائیں، اور اس کی صحت یعنی تفصیلات ثابت فرمائیں۔

(۶۶) ہمارے بعض علماء یہ حدیث سنا کر ہمارا دل خوش کر دیں، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللھم ارحم خلفائی قلنا من خلفاء ک؟ قال الذین یروون احادیثی ویعلمونھا الناس ، ہمارا دل بھی بہت خوش رہا، مگر تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ حدیث تو موضوع اور باطل ہے، چنانچہ حافظ زیلعی فرماتے ہیں کہ یہ احمد بن عیسی العلوی کی موضوعات میں سے ہے (نصب الرایہ جلد:۱ صفحہ:۳۴۸) اور حافظ ذھبیؒ فرماتے ہیں ھذا باطل (میزان الاعتدال جلد:۱، صفحہ:۱۲۷) اس کی کوئی صحیح سند ہو تو مع توثیق رواۃ پیش فرمائیں۔

(۶۷) اگر یہ حدیث صحیح بھی ہوتی تو یہ دعا تو محدثین کے لئے ہے جو طبقہ علمی ہے نہ کہ اس سے مراد کوئی فرقۂ مذہبی ہے۔

(۶۸) اگر یہ حدیث کے وہ راوی جو رافضی، خارجی، ناصبی، مرجیہ، قدریہ، معتزلہ وہ بھی اس حدیث کی دعا میں شامل ہیں یا نہیں اور حنفی شافعی، مالکی حنبلی راوی اور محدثین بھی اس دعا کے مستحق ہیں یا نہیں۔

(۶۹) حضرات علمائے کرام! ہم اس بات پر تو فخر کرتے ہیں کہ رفع یدین میں شوافع اور روافضی ہمارے ساتھ ہیں لیکن ترک تقلید میں شیعہ، منکرین حدیث، قادیانی، وغیرہ سب ہمارے ساتھ ہیں کیا یہ بات قابل فخر نہیں ہوسکتی۔

(۷۰) ہمارے بعض حضرات اپنے آپ کو سلفی بھی لکھتے ہیں، کیا آنحضرت ﷺ نے سلفی کہلانے کا حکم دیا یا خود سلفی کہلاتے تھے، یا آپ کے سامنے صحابہ سلفی کہلاتے ہوں اور آپ خاموش رہے ہوں تو ایسی حدیث شریف پیش فرمائیں۔

(۷۱) سلف صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے یا صحابہ، تابعین، تبع تابعین بھی سلف میں شامل ہیں، تو پھر یہ سلفی کہلانے والے صحابہؓ، تابعین اور تبع تابعین کے ارشادات کو کیوں نہیں مانتے۔

(۷۲) ہمارے بعض عوام محمدی کہلواتے ہیں، کیا آنحضرت ﷺ نے محمدی کہلانے کا حکم دیا یا آپ کے سامنے صحابہ محمدی کہلواتے تھے، اور آپ اس پر خاموش رہے ہوں، تو ایسی کوئی حدیث پاک بیان فرمائیں۔

(۷۳) کیا حضرت پیران پیرؒ نے غنیۃ الطالبین میں فرقۂ محمدیہ کو گمراہ اور دوزخی فرقوں میں شمار کیا ہے یا نہیں۔

(۷۴) جس طرح ہمارے لوگ محمدی کہلاتے ہیں اسی طرح قادیانی احمدی کہلاتے ہیں بعض لوگ ان ناموں سے مغالطہ کھا جاتے ہیں، کہ شاید ان ناموں میں محمد اور احمد سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں، حالانکہ جس طرح احمدی نسبت حضرت کی بجائے مرزا کی طرف ہے، کیونکہ وہ مرزا کی کتابوں کو ہی کتاب وسنت کی صحیح ترجمان مانتے ہیں، اسی طرح محمدی سے مراد مولانا محمد جوناگڑھی کے ماننے والے ہیں، کیونکہ ان کا دین کا ایمان محمد جوناگڑھی کی ہی کتابیں ہی شمع محمدی، تفسیر محمدی، وضو محمدی، نماز محمدی، نکاح محمدی، حج محمدی، طریق محمدی وغیرہ محمد جوناگڑھی کی

کتابوں پر ہی ایمان ہے اسلئے محمدی ہیں۔

(۷۵) حضرات علمائے کرام! حنفیوں کو تیرا سو سال ہو چکے ہیں وہ حنفی ہی کہلاتے ہیں، مگر ہمیں ۱۸۸۸ء سے ابھی ایک صدی بھی نہیں ہوئی، مگر کئی نام بدل چکے ہیں، موحد، محمدی، غیر مقلد، سلفی، اثری، غرباء، اہل حدیث، امامیہ، تنظیم اهل حدیث، شیان اهل حدیث کیا یہ سب نام احادیث سے ثابت ہیں، تو براہ نوازش وہ صحیح احادیث پیش فرمائیں۔

(۷۶) حضرات علمائے کرام! ہمارے فرقہ کو بنے ہوئے ابھی ایک صدی بھی نہیں گزری، امرتسری ہمارے فرقہ کے روح رواں تھے، لیکن ہماری جماعت کے علماء ان کو دجال، معتزلی، بے دیل، واجب القتل، دودو آنے پر فتوے دینے والا، محدثین کی خدمات پر پانی پھیرنے والا، چھٹا ہوا پنڈی اور چھپا ہوا مرزائی کہتے ہیں (فیصلہ مکہ، اربعین فیصلہ الحجازیہ، کتاب التوحید والسنہ وغیرہ)۔

(ب) مولانا محمد جوناگڑھی مولانا عبدالستار امیر غرباء اہل حدیث کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اس کا کفر مکے کے کافروں سے بھی بڑھا ہوا ہے، (اخبار محمدی صفحہ ۱۳، ۱۵، نومبر ۱۹۳۹ء) (ج) مولانا عطاء اللہ کے شاگرد پروفیسر محمد مبارک پوری جماعت غرباء، اہل حدیث کو مسیلمۃ الکذاب جیسے واجب القتل سمجھتے ہیں (علمائے احناف اور تحریک مجاهدین صفحہ: ۴۸) کیا ایک دوسرے کو کافر کہنے والے سب کے سب طائفہ منصورہ کے مصداق ہیں، اور حق واحد ہے یا متعدد۔

(۷۸) حضرات علمائے کرام! ایک عجیب بات ہے کہ منکرین حدیث نے بہت سا لٹریچر شائع کر رکھا ہے اور اسی لٹریچر کے ذریعہ وہ اپنے مسلک کی تبلیغ کرتے ہیں، لیکن جب ہم اس لٹریچر پر اعتراض کرتے ہیں تو وہ یہ کہہ کر جان چھڑاتے ہیں کہ ہم اہل قرآن ہیں، اگر ہم پر اعتراض کرنا ہے تو قرآن پر کرو، اب کون مسلمان قرآن پر اعتراض کرے، ہاں ان لوگوں نے

اپنے سارے لٹریچر کو خلاف قرآن تسلیم کر کے اپنی ساری کتابوں کو جھوٹا بنالیا، بالکل یہی حال ہم اہل حدیثوں کا ہے ہم اپنے علماء کی کتابیں اور لٹریچر رات دن تقسیم کرتے ہیں اور اس کو دین کی تبلیغ سمجھتے ہیں، لاکھوں روپے اس پر خرچ کرتے ہیں، مگر ہمارے مخالفین ہم پر اعتراض کرتے ہیں، تو ہم فوراً ان سب کتابوں کا انکار کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب صحیح حدیث ہے، اگر اعتراض کرنا ہے کہ تو صحیح حدیث پر کرو، گویا ہم نے علانیہ تسلیم کر لیا کہ ہماری ساری کتابیں مخالف حدیث ہیں، اور ہمارا لٹریچر بے دینی کی تبلیغ ہے، اس طرح ہمارا اپنی تمام کتابوں کا انکار کر دینا اپنے مسلک کو باطل کر لینا ہے۔

(۷۹) حضرات علمائے کرام! ہمارے نواب صدیق حسن صاحب نے محدث کی شرائط کی بیان میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک شخص نے امام بخاری کے سامنے ارادہ ظاہر کیا کہ میں اہل حدیث (محدث) بننا چاہتا ہوں، امام بخاریؒ نے فرمایا اس فن میں قدم نہ رکھنا جب تک یہ شرائط نہ ہوں، سب سے پہلے یہ چار چیزیں حاصل کرنا (۱) آنحضرت ﷺ کے حالات مبارکہ اور آپ کی شریعت کا علم (۲) حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کی مقداروں کا علم (۳) تابعین اور ان کے احوال کا علم (۴) علماء دین اور ان کے تاریخی حالات، پھر یاد رکھو کہ ان سب کے نام ان کی کنیت ان کے ٹھکانے اور ان کا زمانہ حیات معلوم کرنا، ان کو ایسا ہی ضروری سمجھنا جیسے خطبہ میں خدا کی ثناء اور دعا میں وسیلہ، قرآن کی سورت کے ساتھ بسم اللہ اور نمازوں کے ساتھ تکبیر (تحریمہ) پھر یہ پہنچان کرنا کہ سند حدیثیں کتنی ہیں، مرسل کس قدر ہیں اور موقوفات کتنی ہیں، اور اپنی عمر کے چاروں زمان، بچپنی، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپے کو حدیث پر خرچ کرنا، اور ہر حال میں حدیث کا دور کرنا فراغت ہو یا مشغولیت، امیر ہو یا غریبی، پھر پہاڑوں، سمندروں، شہروں اور جنگلوں میں پھر کر یہ علم حاصل کرنا، جب کاغذ نہ ملے تو پتھروں، پتوں اور چمڑوں پر حدیث لکھنا، اپنے سے چھوٹے، اپنے ہم عمر، اپنے سے بڑے اور اپنے باپ

کے خط سے احادیث لینا، اس سب امور میں خدا تعالی کی رضا مقصود رکھنا، اوران حدیثوں پرعمل کرنا جو کتاب اللہ کے موافق ہوں اوران احادیث کو طلباء اور محبین حدیث میں پھیلانا، اور کتاب میں تالیف کرنا اور تم اس کام کو پورا نہیں کر سکتے جب تک کتابت، لغت، صرف اور نحو میں مہارت حاصل نہ کرو، اور یہ سب محنت بے کار ہے، اگر خدا کی توفیق سے قدرت، صحت، حرص، اور حفظ عطا نہ ہو، اور جب یہ سب کچھ حاصل ہو جائے تو اس محدث کی نظر میں اپنے اہل، مال، اولاد، اور وطن کی وقعت نہیں رہتی، پھر اللہ تعالی اس کا چار چیزوں سے امتحان لیتے ہیں، شماتت اعداء سے، سچے دوستوں کی ملامت سے، جہلا کے طعن سے اور علماء کے حسد سے، یعنی چاروں طرف سے دوست دشمن، جاہل عالم سب اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں، اگر وہ آدمی ان پر صبر کرے تو اللہ تعالی چار چیزوں سے دنیا میں اس کا اکرام فرماتے ہیں، انکی عزت، ہیبت نفس، لذت علم، اور شہرت عام بقائے دوام سے اور چار چیزوں سے آخرت میں اکرام فرمائیں گے، کہ اپنے بھائیوں کی شفاعت کرو، میرے عرش کے سایہ میں آرام کرو، رسول پاک ﷺ کے حوض سے پیاس بجھاؤ، اور اعلی علیین میں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جنت میں رہو، امام بخاریؒ نے فرمایا بیٹا! محدث کی شرائط میں نے اختصار سے بیان کردی ہیں، جو میں نے اپنے مشائخ حدیث سے تفصیلاً سنی تھیں، اب اگر تو اتنی ہمت رکھتا ہے تو اس میں قدم رکھ، یعنی اہل حدیث (محدث) بننے کی کوشش کر، وہ شخص کہتے ہیں میں ادب سے سر جھکا کر غور وفکر کرنے لگا، جب امام بخاریؒ نے میرا یہ حال دیکھا تو فرمایا اگر تو اسی قدر مشقتیں برداشت نہیں کرسکتا تو فقہ کو لازم پکڑ لے یہ علم تجھے گھر بیٹھے حاصل ہو جائے گا (کیونکہ امام بخاریؒ کے زمانہ میں ہر ہر گھر میں فقہ ہی رائج تھی)۔ اور تجھے اسکے لئے سمندروں اور شہروں کا سفر نہیں کرنا پڑیگا۔ اور بلا مشقت حاصل ہونے سے فقہ کو بے قدر نہ سمجھنا وہ فقہ حدیث کا ہی ثمرہ اور پھل ہے، (اور فقیہ کو بہ نظر حقارت بھی نہ دیکھنا، کیونکہ) آخرت میں فقیہ کا ثواب محدث سے ذرہ بھر بھی کم نہیں اور دنیا میں اس

کی عزت اور شان محدث سے کم نہیں وہ بزرگ فرماتے ہیں امام بخاریؒ سے یہ سن کر میں نے اہل حدیث بننے کا ارادہ چھوڑ دیا اور فقہ میں محنت کی اور خدا تعالی کی توفیق سے میں اپنے زمانہ کا سر برآوردہ فقیہ بن گیا۔

حضرات علمائے کرام! کیا آج ہمارے فرقے کا ہر فرد ان شرائط پر پورا اترتا ہے، ہرگز نہیں تو امام بخاریؒ کے فرمان پر بھی ہمیں فقہ پر عمل کرنا چاہئے، ورنہ ہم نہ محدثین کے ساتھ رہے نہ فقہاء کے ساتھ الی "ھؤلاء ولا الی ھؤلاء" کا منظر رہے، نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

(۸۰) امام بخاریؒ کے فرمان کے موافق تو جب ہم ان شرائط سے کورے ہیں تو ہم پر فقہاء کی تقلید لازم ہے، مگر ہمارے فرقہ کا حال یہ ہے کہ جاہل بھی اردو اور بنگلہ ترجمہ حدیث کا دیکھ کر فقہاء پر نکتہ چینی کرتے ہیں، میں نے کبھی اپنے بڑے سے بڑے شیخ الحدیث کو بھی نہیں دیکھا کہ ڈاکٹری کی کتاب کا اردو بنگلہ ترجمہ دیکھ کر خود اپنا علاج کرتا ہو، چہ جائیکہ کوئی اتنا حوصلہ کرے، اردو ترجمہ دیکھ کر بڑے بڑے ماہر ڈاکٹروں کی غلطیاں پکڑے ساری عمر ان ڈاکٹروں کے نسخوں کو بلا مطالبہ دلیل قبول کر کے ان کی تقلید میں گزر دیتا ہے، اجتہاد کا نام لیتے جان جاتی ہے، ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ہمارا بڑے سے بڑا عالم تقریرات کے اردو ترجمہ کا مطالبہ کر کے از خود مقدمے کی پیروی کرتا ہو چہ جائیکہ اردو بنگلہ کتاب دیکھ کر چیف جسٹس صاحبان کے فیصلوں کو غلط قرار دے، اسی طرح صرف، نحو، بلاغات، معانی، بدیع اور منطق کے قواعد کو محض تقلیداً قبول کرتے ہیں۔ خلیل اور اخفش کی جوتیاں اٹھاتے زندگی گزر جاتی ہے، مگر اجتہاد کا نام نہیں لیتے، مگر حضرات فقہاء پر ملامت کرنے میں ہمارا ہر ہر جاہل تیار ہے، حدیث کی کتاب کا اردو ترجمہ لیا اور سب فقہاء پر تیر بازی شروع کر دی۔

(۸۱) حضرات یہ بھی فرمائیں کہ امام بخاریؒ کی یہ بیان کردہ شرائط قرآن حدیث سے

ثابت ہیں تو وہ آیت یا حدیث بیان فرمائیں یا یہ امتیوں کی بناوٹ ہے تو کیا امام بخاریؒ اور ان کے سب مشائخ حدیث بدعتی تھے۔

(۸۲) امام بخاری کے استاد امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ مفتی کی کیا شرائط ہیں آپ نے فرمایا کتاب اللہ شریف کا پورا عالم ہو کم از کم چار لاکھ احادیث صحیحہ کا علم ہو، صحابہ تابعین کے فتاویٰ میں بصیرت تامہ رکھتا ہو، تو اس کو فتویٰ دینے کا حق ہے، ورنہ نہیں (اعلام الموقعین جلد: ۲ صفحہ: ۲۵۲، بحوالہ قواعد فی علوم الفقہ صفحہ: ۵، حضرات ظاہر ہے کہ جب وہ فتویٰ کا اہل نہیں تو وہ دوسروں سے فتویٰ پوچھ کر ان کی تقلید کریگا، لیکن ہمارے فرقہ کا تو یہ حال ہے کہ چار لاکھ کیا چار حدیثوں کی سندوں کی بھی تفصیلی تحقیق نہیں جانتے اور وہ نہ صرف یہ کہ تقلید سے باغی ہیں، بلکہ ائمہ مجتہدین اور صحابہ سے زیادہ کتاب وسنت کے عالم ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، بلکہ چاہتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین اور صحابہ ان کی تقلید کرتے یہ ایسی ہی خواہش ہے کہ مریض یہ خواہش کرے کہ ڈاکٹر میری تقلید کرے، اور ملزم یہ خواہش کرے کہ چیف جسٹس قانون فہمی میں میری تقلید کرے، این خیال است ومحال است وجنوں۔

(۸۳) امام ابو حفص فرماتے ہیں کہ جب میں جامع منصور میں مسند افتاء پر بیٹھا تو محدث ابو اسحاق نے مجھے کہا کہ کیا تجھے چار لاکھ احادیث حفظ کرنے والا قول یاد ہے میں نے کہا ہاں انہوں نے کہا جب تجھے چار لاکھ حدیث حفظ نہیں تو تو فتویٰ کیوں دیتا ہے، میں نے کہا میں اپنے قول پر فتویٰ ہی نہیں دیتا میں تو اس مجتہد کے قول پر فتویٰ دیتا ہوں جو چار لاکھ سے بھی زیادہ حدیثوں کا حافظ تھا، (اعلام الموقعین جلد: ۱، صفحہ: ۲۵۲ اس سے معلوم ہوا کہ جس کو چار لاکھ احادیث حفظ نہ ہوں وہ خود اجتہاد نہ کرے۔ بلکہ مجتہد کے فتویٰ کی تقلید کرے، یہی محدثین کا طریق ہے۔

(۸۴) امام بخاریؒ کے استاذ الاستاذ اور امام احمد کے استاد امام شافعیؒ فرماتے ہیں کسی

آدمی کو ہرگز حلال نہیں کہ وہ خدا کے دین میں فتوی دے ہاں مگر وہ شخص کہ قرآن پاک کا عارف ہو اس کے ناسخ منسوخ، محکم اور متشابہ اس کی تاویل اور تنزیل اور مکی، مدنی آیات سے پورا واقف ہو، اور یہ ساری باتیں احادیث رسول ﷺ کے بارہ میں بھی جانتا ہو اور علم لغت اور شعر میں بھی بصیرت تامہ رکھتا ہو اور علماء کے اختلاف اور وجوہ اختلاف کو خوب جانتا ہو، ایسے شخص کو فتویٰ دینا جائز ہے، اور جو ایسا نہ ہو اس کے لئے ہرگز حلال نہیں کہ فتویٰ دے، (اعلام الموقعین جلد:۱، صفحہ:۱۶ الفقیہ والمتفقہ للخطیب)

(۸۵) امام بخاریؒ کے پردادا استاد حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت تک فتویٰ دینے نہیں بیٹھا جب تک میرے شیوخ نے مجھے نہ کہا کہ تو فتویٰ کا اہل ہے۔ (اعلام الموقعین جلد:۱، صفحہ:۱۶)

(۸۶) امام عبداللہ بن المبارک اور امام یحیٰ بن اکثم سے پوچھا گیا، کہ فتویٰ کی اہلیت کیا ہے فرمایا جب آدمی حدیث اور فقہ (رائے) دونوں میں بصیرت تامہ رکھتا ہو (اعلام الموقعین) ان محدثین کے اقوال سے معلوم ہوا کہ ہر شخص فتویٰ کا اہل نہیں، چہ جائیکہ ہر شخص مجتہدین کا جج بن بیٹھے اور مجتہدین کی غلطیاں چھانٹے، ورظاہر ہے کہ جو اہل اجتہاد نہ ہو وہ تقلید کرے، لیکن ہمارے بعض جاہل بے وقوف بھی مجتہد بن گئے۔

(۸۷) امام شعبیؒ جنہوں نے پانچ سو صحابہ کی زیارت کی تھی، فرماتے تھے جو شخص چاہتا ہے کہ فقہاء میں مضبوط فیصلہ لے تو اسے چاہئے کہ حضرت عمرؓ کے اقوال لے (اعلام الموقعین جلد:۱ صفحہ:۷) دیکھئے، امام شعبی حضرت عمرؓ کی تقلید شخصی کی دعوت دے رہے ہیں، وہ بھی قاضیوں کو جو یقیناً عالم تھے، لیکن ہماری جماعت کے جاہل بھی تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں۔

(۸۸) حضرت مجاہد جو جلیل القدر تابعی ہیں وہ بھی فرمایا کرتے تھے واذا اختلف الناس فی شئی فانظروا ماصنع عمر فخذوا بہ (اعلام الموقعین جلد:۱، صفحہ:۷) دیکھئے مجاہد بھی حضرت عمرؓ کی

تقلید شخصی کا حکم فرمایا کرتے تھے۔

(۸۹) قال طاؤس ادرکت سبعین من اصحاب رسول الله ﷺ اذا تداروا فی شئ انتھوا الی قول ابن عباس (اعلام الموقعین جلد:اصفحہ:۸) دیکھئے یہ ۷۰ صحابہ قول ابن عباس کی تقلید کرتے تھے، اور کوئی ان پر انکار نہ کرتا تھا۔

(۹۰) آنحضرت ﷺ کے صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی صرف حجۃ الوداع میں شامل ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ چوالیس ہزار تھی اور ظاہر ہے کہ تمام صحابہ اس حج میں شریک نہیں ہوئے تھے، یہ سب اہل زبان بھی تھے، مگر ان میں سے فتویٰ دینے والے صحابہ کی تعداد تقریباً ایک سو تیس تھی ان میں بھی اصلی مفتی صرف سات تھے (اعلام الموقعین جلد:ا، صفحہ:۵) ظاہر ہے کہ باقی تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ ان کی تقلید کرتے تھے، ور عہد صحابہ میں کسی نے ان پر انکار نہیں کیا۔

(۹۱) امام محمد بن جریر فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سے صرف عبداللہ بن مسعودؓ کے ایسے معروف اصحاب تھے جو ان کے فتاویٰ اور مذہب کو مدون کرتے تھے، اور کسی صحابی کے فتاویٰ ان کے شاگردوں نے مرتب نہیں کئے، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے مذہب کو خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے مذہب سے ملاتے اگر کہیں اختلاف ہوتا تو اپنا قول چھوڑ کر حضرت عمرؓ کے قول کی تقلید کر لیتے (اعلام الموقعین جلد:اصفحہ:۷) امام اعمش فرماتے ہیں کہ ابراھیم نخعیؒ حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ کے اقوال کی ہی تقلید کرتے ان دونوں سے باہر نہیں نکلتے تھے (اعلام الموقعین جلد:ا، صفحہ:۷) حضرت علیؓ جب کوفہ تشریف لائے تو ان کا مذہب بھی مدون کیا گیا مذہب حنفی کا ماخذ یہی مرتب اور مدون فتاویٰ تھے۔

(۹۲) ہمارے بعض جہال بھی یہ کہا کرتے ہیں کہ ہم تمام مذاہب کو کتاب وسنت پر پیش کرتے ہیں اور جو مسئلہ جس مذہب کا کتاب وسنت کے موافق ہو اسے قبول کر لیتے ہیں،

اگر چہ یہ دعویٰ ہمارے ہر جاہل کا ہے، لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے علماء بھی اس دعویٰ پر پورے نہیں اتر سکتے حنفی علماء نے مدتوں سے یہ اعلان شائع کر رکھا ہے کہ کوئی غیر مقلد عالم آئے ہم مختلف ابواب کے ایک سو مسائل رکھیں گے، ان میں چلے ہر مسئلے کے بارے میں چاروں مذاہب کے علماء پر ہر مذہب کے مفصل دلائل اور وجوہ ترجیح بیان کر کے پھر کتاب وسنت سے صراحۃ ترجیح ثابت کرے، مگر کوئی غیر مقلد اس پر آمادہ نہیں ہوا، کیا اس قسم کے جھوٹے دعوے کرنا شرعاً جائز ہے۔

(۹۳) ہمارے علماء بعض اقوال ائمہ اربعہ کے پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے تقلید سے منع فرمایا، مگر جس طرح کی سند کا مطالبہ احناف سے کیا کرتے ہیں ان اقوال کی وہ سند بیان نہیں کرتے براہ نوازش ان اقوال کی سند مع توثیق روات پیش فرمائیں۔

(۹۴) وہ اقوال اگر بسند صحیح بھی ثابت ہوتے تو ان اقوال کے ساتھ ائمہ اربعہ نے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی تو ان اقوال کو بلا مطالبہ دلیل قبول کر لینا تقلید ہے، کیا اس تقلید سے ترک تقلید پر استدلال درست ہے۔

(۹۵) ہمارے علماء ائمہ اربعہ کے ان اقوال کو چھپاتے ہیں جن سے ائمہ اربعہ نے مفتی اور مجتہد کی شرائط بیان کی ہیں، اور جن میں وہ شرائط نہ ہوں ان کو فتویٰ دینے سے منع کیا ہے ان دونوں قسم کے اقوال سے پتہ چلا کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک مجتہدین اپنی نظر کے استدلال سے کتاب وسنت پر عمل کریں، اور غیر مجتہدین تقلید کریں، اب جن اقوال کے مخاطب مجتہدین ہیں ان کو عوام پر چسپاں کرنا تلبیس حق بالباطل بھی ہے، "یحرفون الکلم عن مواضعہ" پر بھی عمل ہے، اور کتمان حق بھی ہے۔

(۹۶) ہمارے علماء جب قرآن حدیث سے اپنی قدامت ثابت نہیں کر سکتے تو عجیب مضحکہ خیز استدلال کرتے ہیں، اور وہ استدلال اکثر منکرین حدیث سے چوری کرتے ہیں، مثلاً

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے دور یعنی خیر القرون میں نہ صحاح ستہ تھی نہ مشکوٰۃ نہ بلوغ المرام نہ فتاویٰ ثنائیہ، نہ فتاویٰ نذیریہ صرف اور صرف قرآن تھا اسلئے وہ سب لوگ اہل قرآن تھے، یعنی منکرین حدیث اور ہمارے علماء کہتے ہیں اس وقت نہ ہدایہ تھا نہ قدوری، اسلئے سب اہل حدیث تھے، فرمایئے دونوں میں سے کس فریق کی دلیل وزنی ہے۔

(۹۷) یہ بات کہ فلاں فرقہ کس دور کی پیداوار ہے کوئی شرعی مسئلہ تو نہیں ایک تاریخی مسئلہ ہے اور تاریخی طور پر ہمارے علماء اس کو تسلیم بھی کر چکے ہیں۔ مگر بعض جاہل کہتے ہیں کہ ہمارے علماء قابل شہادت نہیں ہیں، کیا وجہ ہے کہ امت محمدیہ کا خاص امتیاز ہی "شہداء علی الناس" (البقرۃ) اور "شہداء اللہ علی الارض" (مشکوٰۃ) ہے، مگر جو غیر مقلدین بن جاتا ہے مردود الشہادت قرار پاتا ہے، کہ ان کی شہادت کو ہم قبول نہیں کرتے تو وضاحت سے سمجھا دیجئے کہ جن نکاحوں میں غیر مقلد گواہ ہیں وہ نکاح ہو گئے یا نہیں۔ ووٹ بھی شہادت ہے اگر غیر مقلد مردود الشہادت ہو جاتا ہے تو اس کا ووٹ بھی کینسل ہوگا، پھر کیا کسی عدالت میں غیر مقلد کی شہادت قبول ہوگی یا نہیں، الیکشن کے امیدوار اور جج بننے کے لئے بھی مقبول الشہادۃ ہونا ضروری ہے، تو کیا غیر مقلدین کو ان سب مناصب سے شرعاً محروم سمجھا جائے گا۔

(۹۸) حضرات علمائے کرام! اہل قرآن کا دعویٰ ہے قرآن ہمارا ہے غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ صحاح ستہ ہماری کتابیں ہیں، مگر اس دعوی پر دونوں فرقوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، جب ہم اپنے علماء سے پوچھتے ہیں کہ یہ ہماری کتابیں کیسے ہیں، تو ہمیں یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اصحاب صحاح ستہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کو کفر شرک کہتے تھے، اور کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے اسلئے یہ ہماری کتابیں ہیں، لیکن یہ دلیل تو نہیں ایک دوسری دلیل ہے جب ہم عرض کرتے ہیں کہ دلیل شرعی کے موافق ان کے اقرار یا معتبر تاریخی شہادتوں سے ان کا غیر مقلد ہونا ثابت کریں تو پھر موت کی سی خاموشی طاری ہو جاتی ہے، آخر ہم لوگ ائمہ مجتہدین کو

چھوڑ کر آپ کے علم پر لٹو ہوئے ہیں، مگر آپ ہمیں اتنا پریشان کیوں بنا رہے ہیں کہ کسی مسئلہ کا جواب حدیث صحیح صریح سے نہیں دیتے۔

(۹۹) حضرات علمائے کرام! اگر یہ دعویٰ صحیح ہے کہ جو شخص تقلید نہ کرے اس کی کتاب ہماری کتاب ہے تو مرزا قادیانی، سر سید نیچری، پادری فانڈر، سوامی دیانند، پنڈت شردھانند، ماسٹر رام چندر وغیرہ بھی ائمہ ربعہ میں سے کسی امام کے مقلد نہ تھے، کیا ان کی کتابیں بھی ہماری معتبر کتابیں ہوں گی، آپ لوگوں نے ہمیں کتابوں کے بارہ میں بہت پریشان کر رکھا ہے۔

(۱۰۰) حضرات اصحاب صحاح ستہ کا غیر مقلد ہونا نہ ان کے اقرار سے ثابت نہ شرعی شہادت سے، لیکن ان پر خواہ مخواہ غاصبانہ قبضہ کیا جا رہا ہے، میاں نذیر حسین کا نواب صدیق حسین خان صاحب، مولانا وحید الزمان صاحب، مولانا عنایت اللہ اثری روپڑ آبادی صاحب، مولانا عبد الاحد صاحب خانپوری، جناب بشیر احمد صاحب، سکرٹری جمعیت اہل حدیث ہند پروفیسر محمد مبارک صاحب، جن کا غیر مقلد ہونا ان کے اقرار اور تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے، ان کی کتابوں کا انکار کرنا ان کی کتابوں کو قرآن وحدیث کے خلاف کہہ کر ٹالا جاتا ہے، آخر یہ کیا ماجرا ہے ہمیں تو یہ بتایا جاتا ہے کہ حنفیوں کی کتابیں قرآن وحدیث کے خلاف ہیں، مگر حنفی اس غلط پروپیگنڈے سے ذرہ بھر متاثر نہیں ہوئے، لیکن ہمیں رات دن یہ سبق پڑھایا جا رہا ہے کہ جب کوئی حنفی کسی اہل حدیث عالم کی کتاب پیش کرے فوراً کہہ دو کہ ہم قرآن حدیث کے خلاف کسی کی کتاب نہیں مانتے کیا یہ ہمارا صریح اقرار نہیں ہے کہ ہمارے ہر مولوی کی کتاب قرآن وحدیث کے مخالف ہے، یہ بات ہماری سمجھ میں آج تک نہیں آئی کہ پہلے اپنے علماء کی کتابوں کی خوب تشہیر کی جاتی ہے، ان کو قرآن وحدیث کی ترجمان کہا جاتا ہے، لیکن جب کوئی حنفی اسے پیش کرے تو ان ساری کتابوں کو قرآن وحدیث کے خلاف کہہ دیا جاتا ہے، حضرات شروع سے ہی ہر کتاب پر یہ کیوں نہیں پایا جاتا کہ یہ اہل حدیث کی کتاب ہے یہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے

کوئی اہل حدیث اس پر اعتبار نہ کرے، ہم ہزاروں روپے کی کتابیں خرید لیتے ہیں بعد میں پتہ چلتا ہے کہ یہ سب نا قابل اعتماد کتابیں ہیں۔

(۱۰۱) حضرات ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ کسی امتی کو صدیق اکبر، فاروق اعظم، مناظر اعظم، مبلغ اعظم، امام اعظم، قائد اعظم، کہنا کفر و شرک ہے، لیکن ہمارے علماء نے، بلکہ کوئن وکٹوریہ کے جشن جوبلی پر جو سپاسنامہ پیش فرمایا اس کی پہلی سطر یہ تھی بحضور فیض گنجور کوئن وکٹوریہ دی گریٹ قیصر ہند بارك الله في سلطنتها اور کہا کہ ہمیں مذہبی آزادی صرف برطانیہ کی حکومت میں حاصل ہے اور اس حکومت کے لئے ہمارے دلوں سے مبارک باد کی نعرہ زن ہیں، حضرات آنحضرت ﷺ کسی کو ملک الاملاک کہنے سے منع فرمائیں، ہمارے علماء بالاتفاق کوئین وکٹوریہ دی گریٹ کے نعرے لگائیں، آنحضرت ﷺ یہ اعلان فرمائے هلك قيصر فلا قيصر بعده مگر ہم قیصر کیلئے مبارک باد کے نعرے اور اس کی حکومت کے لئے برکت کی دعائیں کریں۔

ع ناطقہ سر گریباں ہے کہ اسے کیا کہئے پھر بھی ہم پکے اہل حدیث کے اندر بے ہاتھ سے جنت بھی نہ گئی۔

(۱۰۲) حضرات! مرزا قادیانی نے قادیان میں بیٹھ کر حکومت برطانیہ کو خدا کی رحمت کہا، لیکن ہمارے میاں نذیر حسین صاحب نے حرمین شریفین میں کھڑے ہو کر حکومت برطانیہ کو اپنی جماعت کے لئے رحمت کہا (الحیات بعد المات) فرمائیے کون زیادہ ثواب کا مستحق ہیں۔

(۱۰۳) حضرات! خدا تعالی نے ہمارا نام مسلمان رکھا، جب بھی مردم شماری ہوتی ہے حنفی صرف اپنے آپ کو مسلمان لکھواتے ہیں، مگر شیعہ اپنے کو شیعہ، مسلمان مرزائی احمدی مسلمان، اور غیر مقلد اہل حدیث مسلمان لکھواتے ہیں آخر مسلمان کے نام کو کیوں ناکافی سمجھا جاتا ہے۔

(۱۰۴) زید نے ایک مرد پر زنا کی تہمت لگائی تو اس کو کتنے کوڑے حد لگے گی

صاف مرد پر تہمت کا حکم ہو عورت پر قیاس نہ کیا جائے۔

(۱۰۵) کلب معلم کے ساتھ شکار کرنے کا ذکر قرآن و حدیث میں ہے اگر کوئی شخص شیر، چیتے، بھیڑیے، خنزیر کو تعلیم دے یا بندر کو شکار کا طریقہ سکھا دے تو ان جانوروں کا مارا ہوا شکار حلال ہوگا یا حرام؟ یہ حلال حرام کا صاف حکم اوران درندوں کا نام صاف حدیث میں ہو اسی طرح اگر چوہا گھی میں گر جائے اس کا حکم حدیث میں ہے لیکن بلی کا بچہ، خنزیر کا بچہ، کتے کا بچہ، بندر کا بچہ، چھپکلی، سانپ، بچھوا، چیونٹی، بھیڑ، جھینگر، ٹڈی، اگر کسی میں مر جائیں تو کس کا کیا حکم ہے پاک یا ناپاک حدیث صحیح صریح پیش کریں۔

(۱۰۶) کیا بیع العنب بالزبیب جائز ہے یا ناجائز حدیث صحیح ہو بیع الرطب بالتمر پر قیاس نہ ہو۔

(۱۰۷) زید نے زینب کو تین شرعی طلاقیں دیں اس نے بکر سے نکاح کیا بکر فوت ہوگیا یا زینب نے بکر سے خلع کر لی یا عدالت کے ذریعہ بکر سے نکاح فسخ کرالیا تو عدت گزرنے کے بعد وہ پھر زید سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں، طلاق پر قیاس نہ کریں صریح حدیث ہو۔

(۱۰۷) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا حرام ہے کیا سونے چاندی کے برتن میں پانی لے کر وضو کرنا، غسل کرنا، اس میں سے تیل لگانا، اس کے قلم سے لکھنا اس کے سلائی سے سرمہ ڈالنا، اس کی عطر دانی سے عطر چھڑکنا، سونے چاندی کے ورق کھانا یہ سب جائز ہیں یا ناجائز صریح حدیث پیش فرمائیں قیاس سے کام نہ لیں۔

(۱۰۸) آنحضرت ﷺ نے حکم دیا ہے کہ جب تم رفع حاجت کے لئے جاؤ تو ساتھ تین پتھر لے جاؤ اب اگر کوئی شخص پتھر کی بجائے پکی مٹی، کپڑے، روئی، اون ریشم کے چیتھڑے، گھاس، درخت کے پتوں وغیرہ سے استنجاء کر لے تو کیا استنجاء ہو جائے گا یا نہیں جواز یا عدم جواز اوران اشیاء کا نام صریح حدیث سے دکھائیں پتھر پر قیاس نہ کریں۔

(۱۰۹) لونڈیوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان پر نصف عذاب ہے تو اگر غلام بے حیائی کا ارتکاب کرے تو اسکے لئے سزا کا حکم صریح آیت یا صحیح صریح حدیث سے بتائیں عورت پر مرد کو قیاس نہ کریں۔

(۱۱۰) غلام ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے یا دو سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں صحابہ کا اجماع ہو گیا کہ غلام دو سے زیادہ عورتوں سے بیک وقت نکاح نہیں کر سکتا کیا یہ حکم قرآنی ہے یا حدیث صحیح صریح یا لونڈی کی حد پر قیاس۔

(۱۱۱) غلام تین طلاق کا مختار ہے یا دو کا یا ڈیڑھ کا جواب حدیث صحیح صریح سے ہو۔

(۱۱۲) لونڈی کی طلاق کی عدت تین حیض ہے یا دو حیض یا ڈیڑھ حیض جواب صحیح صریح حدیث سے دیں۔

(۱۱۳) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تم حالت جنابت میں ہو اور پانی نہ ملے تو تیمم کرلو، اب اگر کوئی عورت حیض یا نفاس سے فارغ ہوئی ہو تو اسے تیمم کی اجازت ہے یا نہیں صریح حدیث لائیں جنابت پر قیاس نہ کریں۔

(۱۱۴) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی پائخانہ سے فارغ ہو اور پانی نہ ملے تو تیمم کرلے اب اگر پیشاب، یا خروج ریح یا آپ کے مذہب پر مس ذکر یا لمس عورت کے ہونے سے وضو ٹوٹ جائے تو پانی نہ ملنے کی صورت میں وہ تیمم کر سکتا ہے یا نہیں جواب حدیث صریح سے دیں پائخانہ پر قیاس نہ فرمائیں۔

(۱۱۵) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پانی نہ ملے تو تیمم کرو، اگر پانی پاس موجود ہے لیکن وضو کرے تو راستہ میں پینے کے لئے پانی نہ ملے گا یا جانور پیاسا رہے گا یا کھانا نہیں پکا سکے گا یا پانی کے استعمال سے بیمار ہو جائے گا تو اس کو ان حالتوں میں تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں جواب صحیح صریح حدیث سے ہونا چاہئے۔

(۱۱۶) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتباً فرھان مقبوضة "، اب سوال یہ ہے کہ اگر کاتب بھی ہو تو رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر سفر میں نہ ہو گھر میں یعنی وطن میں رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب حدیث صحیح صریح سے دیں، جو اس آیت کے بعد کی ہو تا کہ تنسیخ الحدیث بالآیت کا خدشہ نہ رہے۔

(۱۱۷) آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر مکھی پینے کی چیزیں گر پڑے تو اسے غوطہ دلا کر نکال کر پھینک دو، اب یہ فرمائیں کہ اگر چیونٹی، مچھر، بھیڑ، پتنگ، چھپکلی، بچھوا، سانپ، چگاڈر وغیرہ پانی میں گر جائے تو کیا کیا جائے؟ پانی پاک رہے گا یا ناپاک؟ ان جانوروں کے نام صراحۃ حدیث پاک میں دکھائیں، مکھی پر قیاس نہ کریں۔

(۱۱۸) آنحضرت ﷺ نے بغلوں کے بالوں کے اکھاڑنے کا حکم دیا ہے (بخاری)۔ آج کل سو فیصد غیر مقلد مرد استرے سے بغلیں صاف کراتے ہیں اور سو فیصد غیر مقلد عورتیں پاؤڈر بال صفا سے بغلیں صاف کرتی ہیں، آخر صحیح حدیث کی مخالفت کیوں کی جارہی ہے؟ اور استرے اور بال صاف پاؤڈر سے بغلوں کے بال صاف کرنے کی کوئی صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں۔

(۱۱۹) آنحضرت ﷺ نے عورت کی موئے زیر ناف کی صفائی کیلئے استرے کا صفائی کا ذکر فرمایا ہے، لیکن آج کل سو فیصد غیر مقلد عورتیں پاؤڈر یا کریم استعمال کرتی ہیں اس کی صحیح حدیث پیش فرمائیں۔

(۱۲۰) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص حالت احرام میں جان بوجھ کر کسی جانور کا شکار کرے "من قتلہ منکم متعمداً" تو اس پر دم ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر قتل صید خطاء ہو تو کیا حکم ہے؟ صریح حدیث ہو عمد پر خطاء سے قیاس نہ ہو۔

(۱۲۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یاایھا اللذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم

طلقتموهن من قبل ان تمسو هن فمالکم علیهن من عدة تعتدو نها" اس ایت میں مومنہ عورت کا حکم تو معلوم ہو گیا، اور اگر کوئی شخص کسی یہودی یا عیسائی سے نکاح کریں اور رخصتی سے قبل اسے طلاق دے دے، تو اس عورت پر عدت ہے یا نہیں؟ صحیح صریح حدیث ہو کافرہ کو مؤمنہ پر قیاس نہ کرنا۔

(۱۲۲) آج کل سب غیر مقلدین بھینس کا دودھ پیتے ہیں گھی کھاتے ہیں، دہی اور لسی استعمال کرتے ہیں اس کے لئے کوئی صریح ایت یا صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں، اونٹ، گائے وغیرہ پر قیاس نہ کریں۔

(۱۲۳) اللہ تعالی نے قضا کے بارے میں نصاب شہادت یہ بیان فرمایا ہے کہ دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں، اب سوال یہ ہے کہ میراث، وصیت، امانت، غصب اور دیگر مالی معاملات کیلئے بھی شہادت کا نصاب یہی ہے، یا کچھ اور ہے، جواب صحیح صریح حدیث پاک سے دیں۔ ان تمام معاملات کو قرضے پر قیاس نہ فرمائیں۔

(۱۲۴) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ کتا برتن میں منہ ڈالدے تو سات مرتبہ دھولو، اب سوال یہ ہے کہ اگر کتا برتن میں پیشاب کردے یا پاخانہ کردے یا قے کردے یا اس کا خون برتن کو لگ جائے تو کتنی مرتبہ دھوئے؟ حدیث صریح ہو، لعاب پر قیاس نہ کیا جائے۔ اگر برتن میں خنزیر، شیر چیتا، بھیڑیا بندر، ہاتھی، گینڈا، گیدڑ، لومڑی منہ ڈال جائیں تو وہ برتن کتنی مرتبہ دھویا جائے جواب حدیث صحیح صریح سے دیں کتے پر قیاس نہ کریں۔

(۱۲۵) آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالی سے دعائیں مانگ مانگ کر سات حرفوں پر قرآن پاک کی تلاوت کی اجازت لی، پھر عہد عثمانی رضی اللہ عنہ میں صحابہ نے بالاتفاق ایک حرف پر قرآن پڑھنے پر اجماع کرلیا، کیا کسی آیت یا صریح حدیث میں یہ آیا ہے کہ عہد فاروقی تک قرآن سات حرفوں پر پڑھنا اور پھر ایک حرف پر قیامت تک پڑھنا چھ پر پڑھنا

منسوخ ہو جائے گا۔

(۱۲۶) حضرت ابو بکر صدیقؓ جب عطایا وهدایا تقسیم فرماتے تو سب میں برابری رکھتے، لیکن حضرت عمرؓ اہل فضل کو زیادہ حصہ دیتے، دوسروں کو کم حصہ دیتے کیا کسی صریح صحیح حدیث میں ہے کہ عہد صدیقی میں برابری رکھنا اور عہد فاروقی میں کمی بیشی کرنا۔

(۱۲۷) حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ جوام ولد کی بیع سے منع فرمایا وہ کسی آیت صریح یا حدیث صحیح صریح سے منع فرمایا۔

(۱۲۸) ایک عورت کو طلاق بتہ دی گئی تھی، وہ ابھی عدت میں تھی کہ اس کا خاوند فوت ہو گیا، حضرت عثمانؓ اس کو وارث کا حصہ دلایا اور تمام صحابہ نے حضرت عثمانؓ کے اس فتویٰ سے اتفاق کیا (اعلام الموقعین جلد ا، صفحہ ۲۱۰) یہ انہوں نے کس صریح آیت یا صحیح صریح حدیث سے کیا۔

(۱۲۹) آنحضرت ﷺ کے مبارک زمانہ میں شراب کی کوئی ایک حد مقرر نہ تھی کبھی تھپر مارے جاتے، کوئی کپڑا مارتا کوئی چھڑی کبھی کوڑے، حضرت عثمانؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے اپنا قیاس بیان فرمایا کہ جب شرابی شراب پیتا ہے تو اس کی عقل زائل ہو جاتی ہے، اور پھر وہ افتراء کرتا ہے۔ اور ایک خاص افتراء کی حد (قذف) ۸۰ کوڑے ہے اس کو بھی ۸۰ کوڑے حد لگنی چاہئے، سب صحابہ نے اس پر اتفاق کیا، کیا کوئی ایسی صحیح صریح حدیث ہے کہ عہد صدیقی تک تو تم میری حدیث پر عمل کرنا لیکن عہد فاروقی میں شراب کی حد کے بارہ میں حضرت علیؓ کے قیاس سے میری حدیثوں کو قربان دیدینا اور قیامت تک حضرت علیؓ کے قیاس کو قانون بنالینا۔

(۱۳۰) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے مسئلہ پوچھا ایک عورت فوت ہوگئی ہے، اس کا ایک خاوند اور ماں باپ زندہ ہے، تو وراثت کیسے تقسیم ہو؟ انہوں

نے فرمایا نصف خاوند کو باقی کا ثلث ماں کو، اور باقی باپ کو، حضرت سے پوچھا گیا کہ یہ مسئلہ کتاب اللہ سے ہے حضرت زید نے کہا نہیں، یہ میری رائے ہے۔ اس مسئلہ کا صحیح یا غلط ہونے کا ثبوت قرآن پاک کی صریح آیت یا حدیث صحیح صریح غیر معارض سے پیش فرمائیں۔

(۱۳۱) زید نے بکر کی دو ڈاڑھی توڑ دیں، زید پر کتنی دیت آئے گی، جواب حدیث صحیح صریح غیر معارض سے دیں۔

(۱۳۲) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ" اور رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں، کہ قضاء حاجت کے وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کرو، نہ پشت بلکہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔ (بخاری) اب کوئی پاکستانی کہے کہ جب حدیث بخاری سے پتہ دیتا ہے کہ قبلہ مغرب کی طرف نہیں۔ اور اہل جغرافیہ کہتے ہیں کہ قبلہ مغرب کی طرف ہے، میں اہل جغرافیہ کی بات حدیث بخاری کے مقابلہ میں نہیں مانتا مجھے صحیح بخاری شریف سے ہی صحیح حدیث دیکھاؤ کہ اہل ہند و پاک کا قبلہ مغرب کی طرف ہے۔

(۱۳۳) اللہ تعالیٰ والدین کے بارہ میں فرماتے ہیں "فلا تقل لھما اف" اہل قیاس نے تو اس ایت سے یہ علت تلاش کر لی ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اذیت نہ پہنچاؤ اب اگر کوئی شخص اپنے ماں باپ کے منہ پر تھوکے یا پیشاب ڈال دے تو یہ بھی حرام ہے، کیونکہ اس سے والدین کو تکلیف ہوئی اب لوگ چونکہ قیاس کو کار ابلیس کہتے ہیں، اسلئے باپ کے منہ پر تھوکنے یا پیشاب کرنے کی حرمت کی صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں۔

(۱۳۴) قرآن پاک سورۃ النور میں لا اور الا کلمہ حصر کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے پردہ فرض ہیں، اور ان کے سامنے منہ کھولنا جائز ہے مگر ان میں نہ ماموں کا ذکر ہے نہ چچا اور تایا کا ظاہر قرآن سے تو یہ سمجھ آتا ہے کہ ماموں چچا تایا کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہیں لیکن اہل قیاس نے مذکورہ افراد میں علت محرمیت تلاش کر لی ہے اور چونکہ ماموں، چچا تایا بھی محرم

ہیں، اسلئے ان کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے، حضرات غیر مقلدین سے سوال یہ ہے کہ آپ قیاس کو تو کار ابلیس کہتے ہیں یہ صریح آیت یا صحیح صریح حدیث میں دکھائیں کہ حقیقی چچا حقیقی تایا اور حقیقی ماموں کے سامنے چہرہ کھولنا جائز ہے۔

(۱۳۵) حضرت عمرؓ نے کسی عورت کو سزا کیلئے بلایا اس عورت کا خوف سے حمل ساقط ہو گیا، حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ فرمایا، حضرت عثمانؓ نے فرمایا اب تو محض تادیب چاہتے تھے، اسلئے جس طرح کسی کی بی بی یا غلام یا بیٹا خوف سے مرجائے تو کوئی سزا نہیں آپ بری ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپ کو گناہ تو نہیں ہوگا مگر یہ واقعہ قتل خطاء سے ملتا جلتا ہے، اس لئے آپ پر دیت آئے گی، حضرت عمرؓ نے احتیاطاً حضرت علیؓ کے قیاس کی اتباع فرمائی حضرات غیر مقلدین سے سوال یہ ہے کہ آپ تو قیاس کو کار شیطان فرمایا کرتے ہیں، اسلئے قیاس کی بجائے حدیث صحیح صریح پیش فرمائیں کہ اگر کسی کی ڈانٹ ڈپٹ سے اس کی بیوی یا غلام یا لڑکا فوت ہو جائے یا کسی عورت کا حمل ساقط ہو جائے تو اسی کا شرعی حکم کیا ہے، خود قیاس کرنا یا کسی اُمتی کا قول پیش کرنا غیر مقلدین کے معنی کو بھول جانا ہے۔

(۱۳۶) ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے، اب حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور ان کی تقلید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ قسم ہے حضرت علیؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ یہ تین طلاقیں ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں یہ ایک طلاق ہے سب نے یہ مسئلہ محض اپنی رائے سے بتایا ہے آپ رائے کو کفر شرک سمجھتے ہیں اس لئے کوئی صریح آیت یا صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں تا کہ " فان تنازعتم فی شیئ فردوه الی الله ورسوله " کے قانون پر مسئلہ کا فیصلہ ہو سکے۔

(۱۳۷) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں " لا یقضی القاضی بین اثنین وهو غضبان "۔ اہل قیاس یہ کہتے ہیں کہ غصہ سے چونکہ دل اور ذہن متاثر ہوتا ہے اور سوچ صحیح نہیں

رہتی، اسلئے اگر کسی کو ایسا غم لگا ہو جو فہم صحیح پر اثر انداز ہو یا ایسا خوف سوار ہو جائے یا سخت بھوک و پیاس سے اس کا دل مشغول ہو جائے، تو ان موانع کی موجودگی میں بھی قاضی فیصلہ نہ کرے آپ چونکہ قیاس کو نہیں مانتے اسلئے ایسے غم، خوف اور ایسی شدید بھوک اور پیاس کے وقت قاضی کے لئے فیصلہ کرنے کی اجازت یا ممانعت کسی صریح صحیح حدیث سے ثابت فرمائیں۔

(۱۳۸) ایک آدمی نے قسم کھائی کہ مجھ پر تیرے گھر کا ایک لقمہ اور ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔ اس کے بعد اس نے اس گھر سے نہ کوئی لقمہ کھایا نہ گھونٹ پیا، ہاں ان سے روپیئے لئے، سونا چاندی لیا، مالی مویشی لے لئے، اہل قیاس کہتے ہیں کہ اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔ آپ حضرات چونکہ قیاس کو نہیں مانتے اس لئے کسی صحیح صریح حدیث سے ثابت کرے کہ ایسی قسم کے بعد سونا چاندی وغیرہ لینے سے کفارہ لازم ہے یا نہیں؟

(۱۳۹) ایک شخص نے قسم کھائی کہ میں خدا کی قسم زید سے بات تک نہیں کرونگا۔ اس کے بعد اس نے زید سے بات تو نہیں کی، مگر اسکے ساتھ کھانے پینے شادی بیاہ میں شریک رہا، اہل قیاس کہتے ہیں کہ قسم کا کفارہ لازم ہے۔ آپ صحیح صریح حدیث سے بتائیں کہ کفارہ لازم ہے یا نہیں؟

(۱۴۰) اگر کوئی عورت خونِ استحاضہ کی وجہ سے معذور ہو اس کا حکم تو حدیث شریف میں موجود ہے، لیکن اگر کوئی مرد نکسیر، ریاح، بواسیر، سلسلِ بول یا کسی ناسور کے بہتے رہنے سے معذور ہو، اس کا حکم اہل قیاس تو مستحاضہ پر قیاس کر کے معلوم کر لیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک چونکہ قیاس کار ابلیس ہے، اسلئے ان معذوروں کے لئے حدیث صحیح، صریح، مرفوع، غیر معارض پیش فرمائیں۔

(۱۴۱) ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض پیش کریں کہ امام کے لئے نماز کی تکبیریں بلند آواز سے کہنا سنت ہے اور مقتدیوں کیلئے آہستہ کہنا سنت ہے۔

(۱۴۲)ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض پیش کریں کہ امام کے لئے سلام بلند آواز سے سنت ہے اور مقتدیوں کیلئے آہستہ کہنا سنت ہے۔

(۱۴۳)ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض پیش کریں کہ ہر نمازی کیلئے رکوع سجدہ مابین السجود کی دعا و تسبیح آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

(۱۴۴)ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض پیش کریں کہ آخری تشہد میں درود اور دعا آہستہ پڑھنا سنت ہے۔

(۱۴۵)ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض پیش کریں کہ اکیلے نمازی کیلئے ہر رکعت میں آمین آہستہ کہنا سنت ہے۔

(۱۴۶)ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض پیش کریں کہ مقتدی کیلئے چھ رکعتوں میں آمین جہراً سنت ہے اور گیارہ رکعتوں میں آہستہ سنت ہے۔

(۱۴۷)ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض پیش کریں کہ مقتدی جو دوران فاتحہ آ کر ملے وہ ایک آمین بلند آواز سے فاتحہ کے درمیان میں اور ایک آمین آہستہ آواز سے اپنی فاتحہ کے خاتمہ پر کہے اور یہ سنت ہے۔

(۱۴۸)ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض پیش کریں کہ آنحضرت ﷺ امام بن کر ہمیشہ چھ رکعتوں میں جہراً اور گیارہ میں سراً آمین کہا کرتے تھے۔

(۱۴۹) ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض پیش کریں کہ جس میں صراحت ہو کہ پورے ۲۳ سالہ دور نبوت میں آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے صرف ایک ہی دن چھ رکعتوں میں جہراً اور گیارہ رکعتوں میں سراً آمین بحیثیت امام کہی ہو۔

(۱۵۰)ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض پیش کریں کہ پورے تیس ۳۰ سالہ دور خلافت راشدہ میں کسی خلیفہ راشد کے ایک ہی مقتدی ایک ہی دن چھ رکعتوں میں جہراً اور

گیارہ رکعتوں میں سرا آمین کہی ہو۔

(۱۵۱) ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض پیش کریں کہ جس میں آنحضرت ﷺ نے اپنے مقتدیوں کو آمین بالجہر کا حکم دیا ہو۔

(۱۵۲) اگر کانوں کا مسح بھول جائے تو اس وضو سے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ جواب حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض سے دیں۔

(۱۵۳) نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء وغیرہ کی رکعات بہ تفصیل فرض، سنت، نفل کی رکعات بیان کریں حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض سے۔

(۱۵۴) ابتدائی غیر مقلدین کی کتنی اقسام ہیں اور آپ کس قسم میں شامل ہیں، یہ اقسام کسی حدیث سے بیان فرمائیں۔

(۱۵۵) تقلید کی چار قسمیں اور ان کے احکام واجب، مباح، حرام، شرک کسی حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض سے پیش کرتے ہیں۔

(۱۵۶) کیا تقلید کے ایسے معنی بھی ہیں؟ جن کی رو سے خدا ور رسول کے قول کو بھی بلا دلیل تسلیم کرنا تقلید میں شامل ہو۔

(۱۵۷) اہل سنت والجماعت کی تعریف آپ کے نزدیک کونسی معتبر ہے اور کیوں؟

(۱۵۸) تقلید کی کتنی تعریفیں کتابوں میں درج ہیں، ان میں سے آپ کو کونسی معتبر ہے اور کیوں؟ اور باقی تعریفات کیوں غلط ہیں؟

(۱۵۹) عالم بالدلیل آپ کے نزدیک مقلد نہیں رہے گا تو اس کو کیا کہینگے مجتہد یا اور کچھ منزلۃ بین المنزلتین۔

(۱۶۰) صحت وضعف احادیث میں محدثین کی تقلید اور مسائل مفتی بہا میں فقہاء کی تقلید میں کیا فرق ہے اور اس دلیل سے کون سی حدیث صحیح صریح مرفوع غیر معارض۔

غیر مقلدین عوام کی طرف سے مسئلہ رفع الیدین پر علمائے غیر مقلدین کے ہاں ایک ضروری وضاحت کی درخواست

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کے حکم کے بارہ میں، علمائے غیر مقلدین بنام اہل حدیث میں سخت اختلاف ہے مولانا ابوخالد نور گھر جاکھی کے رسالہ اثبات رفع الیدین کے پہلے پانچ صفحات پر اس کے مندرجہ ذیل احکام درج ہیں: (۱) یہ رفع الیدین نماز کا رکن ہے (۲) یہ رفع الیدین واجب ہے اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے (۳) یہ رفع الیدین سنت ہے، اسی کا تارک کافر، خدا کا دشمن، نبی کا مخالف، امت محمدیہ سے خارج اور گمراہ ہے (۴) یہ رفع الیدین نماز کی زینت ہے، اس کا تارک انسان بدقسمت، اتباع سنت سے محروم اور چار رکعت میں سو نیکیوں سے محروم ہے (۵) آں حضرت ﷺ نے نجران کے ضدی عیسائیوں سے مباحلہ فرمایا تھا، مولوی نور گھر جاکھی صاحب نے تارکین رفع الیدین کو مباحلہ کا چیلنج دیا ہے (۶) یہ رفع الیدین صرف مستحب ہے (یعنی جیسے تحیۃ الوضو نماز اشراق وغیرہ) اثبات رفع الیدین صفحہ: ۴۰ گزارش ہے کہ ہم اہل حدیث ان چھ احکام میں سے کس حکم کو صحیح سمجھیں اور کن پانچ احکام کو غلط قرار دیں، ان میں سے جو حکم صحیح ہے اس کی صرف ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر مجروح غیر معارض جس کے ثبوت یا دلالت میں کوئی کلام نہ ہو سکے، پیش فرمائیں اور جو پانچ احکام غلط ہیں ان کا غلط ہونا کسی حدیث صحیح صریح مرفوع غیر مجروح غیر معارض سے ثابت فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں برکت دے۔

(۲) اگر کسی مسجد کا امام یہ رفع الیدین نہ کرے تو اس کے پیچھے ہم اہل حدیثوں کی نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں جواب حدیث صحیح صریح سے ارشاد فرمائیں، ۱۲۰۷ھ سے لے کر

۱۳۴۳ھ تک حرمین شریفین کی امامت حنفیوں کے پاس رہی ہے، اسی زمانہ میں اہل حدیث ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے یا نہیں، جو اھل حدیث حنفی امام کے پیچھے نماز پڑھے اس سے میل جول رکھنا جائز ہے یا نہیں۔

(۴) ہمارے ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ فرض، واجب، سنت، نفل، حرام، مکروہ، یہ سب احکام بدعت ہیں، جو لوگ اس رفع الیدین کو سنت مؤکدہ وغیر مؤکدہ کہتے ہیں وہ سب بدعتی ہیں، ان کے سب اعمال مردود ہیں، ان پر توبہ کا دروازہ بند ہے، وہ حوض کوثر سے محروم رہیں گے، فرمایا جائے کیا ائمہ اربعہ محدثین یا وہ محدثین جنہوں نے کتب حدیث یا شروح حدیث میں احکام کا ذکر کیا ہے، وہ واقعی سب بدعتی اور مندرجہ بالا فتووں کے مستحق ہیں، جواب حدیث صحیح صریح سے دیں۔

(۵) مولانا ابو خالد نور گھر جاکھی صاحب فرماتے ہیں کہ رکوع کی رفع الیدین کا ثبوت چار سو احادیث اور آثار سے ثابت ہے، ان چار سو صحابہ کے اسمائے گرامی بسند صحیح کسی حدیث کی کتاب میں مذکور ہیں؟

(۶) ہمارے علماء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان چار سو میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں، اور یہ عشرہ مبشرہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ آخر عمر تک رکوع کی رفع الیدین فرماتے رہے یہ الفاظ عشرہ مبشرہ سے بسند صحیح حدیث کی کس کتاب میں ہے؟

(۷) کیا وجہ ہے کہ عشرہ مبشرہ کی یہ روایت نہ صحاح ستہ میں ہے نہ جزء رفع الیدین مجاز میں۔

(۸) کیا وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ۴۰۰ میں سے صرف دو روایت صحیح بخاری میں لیں، مگر ساری عمر کا لفظ بالکل نہیں لکھا اور جزء رفع الیدین میں بغیر سند کے صرف ۱۷ اصحابہ کا نام لکھا ہے گویا ۳۸۳ روایات کا نام تک امام بخاریؒ کو یاد نہ رہا۔

(۹) ہمارے بعض علماء کرام جیسے مولانا ابوحفص عثمانی سجدوں میں جاتے اور سجدوں سے سر اٹھاتے وقت بھی رفع یدین کرتے ہیں اور اس کو سنت کہتے ہیں اور ہمارے بعض علماء کرام اس کو سنت تسلیم نہیں کرتے حدیث پاک میں سنت کے انکار کرنے والے کو بھی شفاعت سے محروم کہا گیا ہے، اور غیر سنت کو سنت کہنے والے بھی لعنتی ہیں، ہماری جماعت میں یہ ایسا شدید اختلاف کہ ایک فریق لعنتی قرار پا رہا ہے اس کا فیصلہ حدیث صحیح صریح سے بیان فرمائیں۔

(۱۰) حدیث ابن عمر بخاری جس میں سجدہ میں رفع یدین نہ کرنے کا ذکر ہے اس کو ہمارے اکثر علماء حدیث متواتر قرار دیتے ہیں اور مولانا ابوحفص عثمانیؒ اور ان کے ہم نواء اس حدیث کو منسوخ قرار دیتے ہیں، جیسا کہ فتاویٰ علمائے حدیث جلد چہارم میں ہے، اس اختلاف کا فیصلہ کسی حدیث صحیح صریح سے فرمایا جائے۔

(۱۱) یہ بھی فرمائیں کہ ہمارے جو علماء سجدہ کے وقت رفع الیدین کرتے ہیں ان کی نمازیں باطل ہیں یا مکروہ جواب حدیث صحیح صریح سے دیں۔

(۱۲) سجدہ کی رفع الیدین (۱) حضرت مالک بن الحویرث نسائی، حضرت وائل بن حجر، (مسند احمد) (۳) حضرت عبداللہ بن عباس (ابن ماجہ) (۴) حضرت انس بن مالکؓ (ابن ابی شیبہ) (۵) حضرت ابو ہریرۃؓ (ابن ماجہ) (۶) حضرت جابر بن عبداللہ (مسند احمد) (۷) حضرت عمیر بن حبیب (ابن ماجہ) (۸) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ (ابوداؤد)، ان آٹھ صحابہ نے روایت کی ہے ان احادیث میں ماضی استمراری کان یرفع بھی ہے، اور متأخر الاسلام صحابی بھی اس کے روای ہیں، اگر رکوع کی رفع الیدین کو ماضی استمراری اور متأخر الاسلام راویوں کی وجہ سے سنت ہے تو یہ سجدہ کی رفع یدین سنت کیوں نہیں۔

(۱۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت خود متعارض ہے ایک میں سجدہ کی رفع یدین کا ذکر ہے ایک میں نہ کرنے کا ذکر ہے، اس متعارض حدیث کے مقابلہ میں ان آٹھ احادیث کو جو غیر متعارض ہے چھوڑنا کیسے جائز رکھا جارہا ہے۔

نوٹ: مولانا ابوحفص عثمانی فرماتے ہیں کہ سجدہ کی رفع الیدین احادیث پر جس قسم کے اعتراضات ہیں ایسے اعتراضات رکوع کی رفع الیدین والی احادیث پر بھی ہو سکتے ہیں۔

(۱۴) بعض احادیث میں ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے، اس قسم کی احادیث مسند احمد، طبرانی، ابن ماجہ، وغیرہ میں ہیں، ان محدثین نے ان کو نقل کر کے ضعیف نہیں کہا ہاں بعد کے بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے، مگر ان کے خلاف ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کے منع کی ایک بھی صحیح صریح حدیث نہیں ہے، تو ان احادیث پر عمل کر کے ہر تکبیر کے وقت رفع الیدین کو سنت کہنا صحیح ہے یا نہیں۔

(۱۵) ہم اہل حدیث جو دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں رفع الیدین کو منع کرتے ہیں، ان دونوں مقامات پر رفع الیدین کے منع ہونے کی کوئی صحیح صریح حدیث پیش فرمائیں۔

(۱۶) پاک و ہند میں صدیوں سے اسلام آباد ہوا تھا، مگر رفع الیدین کے مستقل بانی حافظ محمد یوسف صاحب تھے (نقوش ابوالوفا) جو قادیانی ہو کر مرے (اشاعت السنہ) یہ دور برطانیہ کا تحفہ ہے کیا انگریز کے دور سے پہلے کے تمام حنفی مسلمان جن میں اولیاء کرام، محدثین، مفسرین شامل ہیں، ان کی نمازیں باطل اور بے کار ہی رہیں، تمام باتوں کا جواب حدیث صحیح صریح سے دیں، تا کہ یہ اختلاف ختم ہو۔

غیر مقلدین کی طرف سے سوالات

(۱) لفظ تقلید کا ذکر قران وحدیث میں ہے یا نہیں؟

(۲) قرآن پاک نے ان مقدس جانوروں کو جو خاص خانہ کعبہ کی نیاز ہیں قلائد فرمایا ہے اور ان کی بے حد تعظیم وحرمت کا حکم فرمایا ہے، اور ان مقلدین کی بے حرمت کرنے والوں کو عذاب شدید کی دھمکی دی ہے، البتہ کسی خنزیر، کتے وغیرہ کو قلائد بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دی ہے۔

حضرات! اصول حدیث میں مرسل، مدلس، معضل وغیرہ جس قدر اصطلاحی الفاظ محدثین نے استعمال کئے ہیں، ن الفاظ کا ان ہی اصطلاحی معنوں میں قران وحدیث میں ہونا ثابت فرمادیں یا اصول حدیث کا انکار کردیں۔

فائدہ: سائل نے سوال میں صرف قران وحدیث کا ذکر کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ سائل اجماع کو دلیل شرعی نہیں مانتا، اگر واقعہ ایسا ہے تو سائل انکار اجماع کی وجہ سے گمراہ ہے، اور سائل قیاس شرعی کو بھی شاید دلیل شرعی نہیں مانتا تو اس کے بدعتی ہونے میں کچھ شک نہیں، کیونکہ انکار قیاس کی بدعت نظام معتزلی نے جاری کی تھی۔

ائمہ مجتھدین کے اتباع کے لئے تقلید کا لفظ اسی اجماع اور تواتر کے ساتھ امت میں استعمال ہوتا چلا آرہا ہے، جسطرح اصول حدیث، اصول تفسیر، اصول فقہ، قواعد صرف ونحو تواتر کے ساتھ مستعمل ہیں، محدثین کے حالات میں جو کتابیں محدثین نے مرتب فرمائی ہیں وہ چار ہی قسم کی ہیں، طبقات حنفیہ، طبقات شافعیہ، طبقات مالکیہ، اور طبقات حنابلہ، طبقات غیر مقلدین نامی کوئی کتاب کسی محدث نے تحریر نہیں فرمائی۔

(۳) کیا قرآن وحدیث میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرو؟

(ج) قرآن پاک میں قرآن کی تلاوت کا حکم موجود ہے مگر اس دس قاریوں کا نام مذکور نہیں جنکی قرأتوں پر آج ساری دنیا تلاوت قران کر رہی ہے اور نہ یہ حکم ہے کہ ان دس قاریوں میں سے کسی ایک قاری کی قرأت پر قران پڑھنا ضروری ہے، مگر ہمارے ملک بنگلہ، پاک وہند میں سب مسلمان قاری عاصم کوفی کی قرأۃ اور قاری حفص کوفی کی روایت پر قران پڑھتے ہیں، آپ قران وحدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ ساری زندگی ایک قرأۃ پر قران پڑھنا کفر ہے یا شرک یا حرام یا جائز؟

اسی طرح کتاب وسنت سے سنت کا واجب العمل ہونا ثابت ہے، مگر نام لیکر بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ کو صحاح ستہ نہیں کہا گیا ہے، نہ بخاری مسلم کو صحیحین کہا گیا، نہ بخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا گیا جس طرح اس دس قاریوں کو قاری ہونا اجماع امت سے ثابت ہے، اسی طرح اصحاب صحاح ستہ کا محدث ہونا اجماعت امت سے ثابت ہے، اسی طرح ان چاروں اماموں کا مجتہد ہونا اجماع امت سے ثابت ہے، اور مجتہد کی تقلید کا حکم کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

(۳) چاروں اماموں سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں، مثلاً صحابۂ کرام سے لے کر امام ابو حنیفہ تک یہ لوگ کس امام کی تقلید کرتے تھے یا اس وقت تقلید واجب نہ تھی۔

(ج) صحابۂ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں، صحابہ دو گروہ تھے، مجتہد، اور مقلد (قرۃ العینین) یہ سب صحابہ عربی داں تھے، لیکن بقول ابن القیمؒ ان میں اصحاب فتوی صرف ۱۴۹ تھے جن میں سے سات مکثرین ہیں، یعنی انہوں نے بہت زیادہ فتوی دیئے، ۲۰ صحابۂ متوسطین میں، جنہوں نے کئی ایک فتوی دیئے، ور ایک سو بائیس مقلدین ہیں، جنہوں نے بہت کم فتوی دیئے ہیں ان مفتی صحابۂ کرام کے ہزاروں فتاویٰ مصنف ابن ابی

شیبہ مصنف عبدالرزاق، تہذیب الآثار، معانی الآثار وغیرہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں، جن میں ان مفتی صاحبان نے صرف مسئلہ بتایا، ساتھ بطور دلیل کوئی ایت یا حدیث نہیں سنائی، اور باقی صحابہ نے بلا مطالبہ دلیل ان اجتہادی فتاویٰ پر عمل کیا، اسی کا نام تقلید ہے، ان مفتی صحابہؓ کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں ثم انهم تفرقوا فی البلاد وصار کل واحد مقتدی ناحية من النواحی، کہ صحابہ متفرق شہروں میں پھیل گئے، اور ہر علاقہ میں ایک ہی صحابی کی تقلید ہوتی تھی۔ (الانصاف صفحہ:۳)

(۵) کیا چاروں اماموں کے بعد کوئی مجتہد پیدا نہیں ہوا؟ اور اب کوئی مجتہد پیدا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(ج) یہ سوال تاریخ سے تعلق رکھتا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں ۳۰۰ھ کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا، اور امام نوویؒ نے بھی شرح مہذب میں یہی فرمایا ہے، اب مجتہد مطلق کا آنا نہ تو محال شرعی ہے نہ ہی محال عقلی ہے، ہاں محال عادی ہے، لیکن وہ آکر کیا کرے گا؟ کیا اگر کوئی آج کل کا محدث دعویٰ کر کے ساری صحیح بخاری کو غلط قرار دے اور حدیث اور محدثین کی عظمت کو ختم کر دے تو اس سے دین کا فائدہ ہوگا، اسی طرح کوئی مجتہد بن کر پہلے سارے علمی سرمائے سے اعتماد ختم کرے تو کیا فائدہ ہوگا۔

(۶) ایک امام کی تقلید واجب ہونے کے کیا دلائل؟ ور واجب کی تعریف اور حکم کو بھی بیان کیجئے؟

(ج) ہندوپاک، بنگلہ دیش میں یہ سوال ہی غلط ہے، کیونکہ جیسے یمن میں صرف حضرت معاذؓ مجتہد تھے، اور سب لوگ ان ہی کی تقلید کرتے تھے، اسی طرح ان ملک میں مدارس، مساجد، مفتی صرف اور صرف سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مذہب کے ہیں، دوسرے کسی مذہب کے مفتی موجود ہی نہیں کہ عوام ان سے فتویٰ لیں، اسلئے یہاں تو ایک ہی امام متعین ہے، جیسے کسی گاؤں میں ایک ہی مسجد ہو اور ایک ہی امام کے پیچھے ساری نمازیں پڑھنی

واجب ہیں، ایک ہی ڈاکٹر ہو سب اسی سے علاج کرواتے ہیں، ایک ہی قاری ہو سب اسی سے قرآن پڑھ لیتے ہیں، اسلئے یہاں ایک ہی امام کی تقلید واجب ہے، جیسے مقدمۃ الواجب واجب کہا جاتا ہے، اسکے بغیر دین پر عمل کرنا ناممکن ہے کوئی شخص ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھ سکتا اور تارک اس تقلید کا فاسق ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور صاحب جمع الجوامع فرماتے ہیں کہ "عامی پر ایک امام کی تقلید واجب ہے (عقد الجید صفحہ: ۵۰) اور دلیل اس کی اجماع ہے (الاشباہ والنظائر صفحہ: ۱۴۳)

(۷) امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں، اور آپ کی تقلید بھی کرتے ہیں، مگر انہوں نے بہت سے مسائل میں امام صاحبؒ کی مخالفت کیوں کی؟

(ج) امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ یہ دونوں حضرات خود مجتہد فی المذہب ہیں، اور ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید واجب نہیں ہوتی، ہاں اگر اپنے سے بڑے مجتہد کی تقلید کرے تو جائز ہے۔

(۸) کیا کسی امام نے اپنی تقلید کرنے کا حکم دیا ہے؟

(ج) ائمہ اربعہ کے اقوال مختلف کتابوں میں موجود ہیں، جن میں ان حضرات نے واضح طور پر کہا ہے کہ ہماری ہر اس بات کو مانو جو قرآن وسنت کے موافق ہو اور جو خلاف ہو جائے اس کو مت مانو، مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے اقوال پر عمل کی ترغیب دے رہے ہیں، اور یہ بھی بتا رہے ہیں کہ ان کے اقوال قرآن وسنت کے موافق ہیں، اور وہ قرآن وسنت کی مخالفت نہیں کرتے، پس اس سے ان کی تقلید کا حکم ان کے اپنے اقوال سے ثابت ہوا۔ مثلاً مکہ میں حضرت ابن عباسؓ کی مدینہ میں حضرت زید بن ثابتؓ، کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، یمن میں حضرت معاذؓ، اور بصرہ میں حضرت انسؓ کی تقلید ہوتی تھی، پھر ان کے بعد تابعین کا دور آیا

تو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں، فعند ذلک صار لکل عالم من التابعین مذہب علی خیالہ، فانتصب فی کل بلد امام (الانصاف صفحہ:۶) یعنی ہر تابعی عالم کا ایک مذہب قرار پایا، اور ہر شہر میں ایک ایک امام ہوگیا، لوگ اس کی تقلید کرتے، صدر الائمہ مکی فرماتے ہیں کہ حضرت عطاء خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے ہاں تشریف لے گئے تو خلیفہ نے پوچھا کہ اہل مدینہ کے فقیہ کون ہیں؟ فرمایا: نافعؒ، مکہ میں، عطاء یمن میں، طاؤسؒ یمامہ میں، یحییٰ بن کثیر شام میں، مکحولؒ عراق میں، میمونؒ بن مہران خراسان میں، ضحاک بن مزاحم حسن بصریؒ بصرہ میں، ابراھیم نخعیؒ کوفہ میں (مناقب موفق صفحہ:۷) یعنی ہر علاقہ میں ایک ہی فقیہ کے فقہی فتاویٰ پر عمل درآمد ہوتا تھا، یہ واقعہ امام حاکم نے بھی معرفت علوم حدیث میں لکھا ہے، اسلئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں: "تقلید پر سب صحابہؓ کا اجماع ہے، کیونکہ صحابہؓ میں مفتی فتویٰ دیتا تھا، اور ہر آدمی کو مجتہد بننے کیلئے نہیں کہتا تھا، اور یہی تقلید ہے، اور یہ عہد صحابہ میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ (المستصفی جلد:۲، صفحہ:۳۸۵)

علامہ آمدیؒ فرماتے ہیں صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں مجتہدین فتویٰ دیتے تھے، مگر ساتھ دلیل بیان نہیں کرتے تھے، اور نہ ہی لوگ دلیل کا مطالبہ کرتے تھے، اور اس طرز عمل پر کسی نے انکار نہیں کیا، بس یہی اجماع ہے کہ عامی مجتہد کی تقلید کرے، شاہ ولی اللہ شیخ عز الدین بن سلام سے نقل کرتے ہیں: "ان الناس لم یزالوا عن زمن الصحابةؓ الی ان ظهرت المذاهب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکاره، ولوکان ذلک باطلاً لانکروه (عقد الجید صفحہ:۳۶)

اور خود فرماتے ہیں: "فهذا کیف ینکره احد مع الاستفتاء لم یزل بین المسلمین من عهد النبی ﷺ ولا فرق بین ان یستفتی هذا دائما،

ویستفتی ھذا حینا بعد ان یکون مجمعا علی ماذکرناہ (عقد الجید صفحہ:۳۹) یعنی دور صحابہ وتابعین سے تقلید تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اور اس دور میں ایک شخص بھی منکر تقلید نہ تھا چونکہ ان صحابہ اور تابعین کی مرتب کی ہوئی کتابیں آج موجود نہیں جو متواتر ہوں، ہاں ان کے مذاہب کو ائمہ اربعہ نے مرتب کرادیا تو اب ان کے واسطہ سے ان کی تقلید ہو رہی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے صحابہ وتابعین بھی یہی قران پاک تلاوت فرماتے تھے، مگر اس وقت اس کا نام قرأۃ حمزۃ قرأۃ حفصہ نہ تھا، صحابہ وتابعین بھی یہی احادیث مانتے تھے، مگر رواہ البخاری اور رواہ مسلم نہیں کہتے تھے، یہ سوال سائل کا ایسا ہی جیسے کوئی کہے کیا اس قاریوں سے پہلے قران نہیں پڑھا جاتا تھا، یا صحابہ وتابعین میں نہ کسی نے بخاری پڑھی نہ مشکوۃ کیا اس زمانہ میں حدیث کا ماننا اسلام میں ضروری نہ تھا۔

حضرات علماء کرام آخر میں گذارش ہے کہ ہمارے ان سوالات کا جواب قرآن وحدیث اور ایسی معتبر کتابوں سے حوالہ دیا جائے جن کو ہماری ساری جماعت معتبر مانتی ہو عام طور پر ہمارے علماء (بلا حوالہ جواب دیتے ہیں یا کسی غیر معتبر کتاب کا حوالہ لکھ دیتے ہیں اور جواب بھی نہ ملنے کی وجہ سے مرزائی، منکرین حدیث یا نیچری بن جاتے ہیں ہم آپ کو خداوند قدوس کی عظمت وجلال کا واسطہ دے کر کہتے ہیں کہ ہمارے سوالات کا نہایت تسلی بخش جواب دے کر ہمارے ڈگمگاتے ہوئے ایمان کو سہارا دیں۔ ایسے پھسپھسے جوابات نہ ہو کہ ہماری جماعت کا ہر فرد اس کتاب کو پڑھ کر کہے یہ ہماری معتبر کتاب نہیں، ہم اس کو نہیں مانتے، اسلئے جواب کے لئے کوئی ایسی شخصیت قلم اٹھائے جو جماعت کی مسلمہ شخصیت ہو، اور حوالے ایسے کتابوں کے ہوں جو جماعت کی مسلمہ ہوں، ایسا نہ ہو کہ ہمیں بھی یہ مسلک چھوڑ کر کسی اور طرف جانا پڑے، اللہ تعالی آپ کے علم وعمل میں برکت دیں۔

نوٹ: مذکورہ سوالوں میں سے بعض سوالات بیدار مغز غیر مقلدین کی طرف سے انہوں کی علمائے کرام کی خدمت میں۔

انصاف کی نظر سے مذہب حنفی اور مسلک غیر مقلدین کو پرکھیں۔

مذہب حنفی اور نام نہاد اہل حدیث (غیر مقلدین) کے درمیان جو اختلافی مسائل ہیں اگر ان کو قران اور احادیث کی معیار پر پیش کیا جائے تو روز روشن کیطرح آپکو معلوم ہوجائے گا کہ کیا حنفی حضرات قران اور حدیث پر عمل کرتے ہیں یا انگریز کے پروردہ غیر مقلدین، بلکہ یہ بھی ظاہر ہوجائے گا کہ وہ ہر ہر مسئلہ میں کس قدر سے تقلید کرتے ہیں۔

☆**مسلک حنفی: (۱)** احادیث صحاح سے ثابت ہے کہ تھوڑا پانی نجاست کے واقع ہونے سے ناپاک ہوجاتا ہے، تھوڑی نجاست ہو یا زیادہ اور رنگ، مزہ، بو بدلے یا نہ بدلے۔ (مسلم جلدا صفحہ ۱۳۷، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۰ بخاری صفحہ ۳۷ ترمذی جلدا صفحہ ۲۱)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن غیر مقلدین قلیل وکثیر میں تفریق کئے بغیر کہتے ہیں کہ نہیں جناب، جب تک رنگ مزہ بو میں سے کوئی چیز نہ بدلے اس وقت تک پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ (عرف الجادی صفحہ ۹ نزل الابرار جلدا صفحہ ۳۱)

احناف کی دلیل: عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ طهور اناء احدكم اذا ولغ فيه الكلب ان يغسله سبع مرات اولاهن بالتراب (مسلم جلدا صفحہ ۱۳۷ ابوداؤد جلدا صفحہ ۱۰)

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ لا يبولن احدكم فی الماء

الدائم الذی لایجری ثم یغتسل فیه (بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۷)۔

عن ابی ھریرةؓ عن النبی ﷺ قال لایبول احدکم فی الماء الدائم ثم یتوضأ منه (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۱)۔

عن ابی ھریرةؓ عن النبی ﷺ قال اذا استیقظ احدکم من اللیل فلایدخل یدہ فی الاناء حتی یفرغ علیھا مرتین او ثلاثا فانه لایدری این باتت یدہ (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۳)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب نور الحسن لکھتے ہیں، آب باراں و دریا و چاہ طاہر و مطہر ست پلیدی گرود مگر بنجاستے کہ بو یا مزہ یا رنگ او را بر گرداند (عرف الجادی صفحہ ۹)

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: لایفسد ماء البئر ولوکان صغیر او الماء فیه قلیلا بوقوع نجاسة او موت حیوان دموی او غیر دموی ولوانتفخ اوتفسخ او تمعط بشرط ان لایتغیر احداوصافه الخ: (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۳۱)۔

نوٹ: قارئین حضرات! جانبین کی دلیل مطالعہ کے بعد فیصلہ فرمائیں کہ مذہب حنفی موافق حدیث ہے یا مسلک غیر مقلدین، کیونکہ ماء قلیل میں نجاست واقع ہونے سے ناپاک ہو جاتا ہے بغیر کسی شرائط کے۔ یہ مذکورہ احادیث سے ثابت ہے جو مذہب حنفی ہے، بعض حضرات رنگ، مزہ، بو وغیرہ بدلنے کی جو قید لگاتے ہیں وہ دار قطنیؒ اور ابن ماجہ میں حضرت ثوبانؓ اور حضرت ابوامامہؓ کی روایت "ان الماء طھور لاینجسه شئ الا ماء غلب علی طعمه اولونه اوریحه) سے استدلال کرتے ہیں، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر جلد ۱، صفحہ: ۱۵ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت ثوبانؓ اور حضرت ابوامامہؓ کی یہ روایت صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کا مدار رشدین بن سعد پر ہے جو متروک ہے، اور امام دار قطنیؒ اس زیادتی

کو روایت کرنیکے بعد لکھتے ہیں "لا یثبت ھذ الحدیث" لہذ ااوصاف ثلاثہ کے عدم تغیر سے حدیث کو مقید کرنا کسی صحیح روایت کی بناء پر نہیں ہوا، بلکہ ان مستدلین نے قیاس اور اصولی کلیہ کی بناء پر یہ تقلید کی ہے اور جب یہ حضرات اطلاق حدیث کو مقید کر سکتے ہیں تو احناف وشوافع کو کیوں یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ دوسری دلائل کی بناء پر اس کو کسی خاص قید سے مقید کریں، غیر مقلدین کو دار قطنی کی روایت سے استدلال کرنا بالکل صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک حدیث مقبول ہونے کے لئے بخاری میں ہونا لازم ہے، اور یہ بخاری میں نہیں ہے۔

☆ **مسلک حنفی**: (۲) حنفی مذہب میں احادیث کی روشنی میں منی ناپاک ہے جس کی تصریح حدیث پاک میں ہے (موطا مالک صفحہ ۳۶، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۵۳، طحاوی جلد ا صفحہ ۴۳، دار قطني جلد ا صفحہ ۱۲۷)۔

مسلک غیر مقلدین: غیر مقلدین کے نزدیک منی پاک ہے (عرف الجادی صفحہ ۱۰ کنز الحقائق صفحہ ۱۶، نزل الابرار جلد ا صفحہ ۴۹ بدور الاھلہ صفحہ ۱۵)۔

احناف کی دلیل: عن يحيى بن عبد الرحمنؒ بن حاطب انه اعتمر مع عمرؓ بن الخطاب في ركب فيهم عمرو بن العاص وان عمرؓ بن الخطاب عرس ببعض الطريق قريبا من بعض المياه فاحتلم عمرؓ وقد كاد ان يصبح فلم يجد مع الركب ماء فركب حتى اذا جاء الماء فجعل يغسل ماراى من ذلك الاحتلام حتى اسفر فقال له عمروؓ بن العاص اصبحت ومعنا ثياب فدع ثوبك يغسل فقال عمرؓ ابن الخطاب واعجبا لك يا عمرو بن العاص لئن كنت تجد ثيابا افكل الناس يجد ثيابا والله لو فعلتها لكانت سنة بل اغسل مارأيت وانضح مالم ارى (موطا امام مالك صفحه ۳٦)۔

عن معاويةؓ بن ابی سفیان انه سئل اخته ام حبيبةؓ زوج النبی ﷺ هل كان رسول الله ﷺ يصلّی فی الثوب الذی يجامعها فيه فقالت نعم اذا لم يرفيه اذیً (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۵۳)

عن ابی هريرةؓ قال فی المنی يصيب الثوب ان رأيته فاغسله والا فاغسل الثوب كله (طحاوی جلد ۱ صفحه ۴۳).

عن عبد الكريم بن رشيد قال سئل انس بن مالك عن قطيفة اصابتها جنابة لايدری اين موضعها قال اغسلها (طحاوی جلد ۱ صفحه ۴۴).

عن جابر بن سمرةؓ قال سأل رجل النبی ﷺ اصلی فی الثوب الذی آتی فيه اهلی، قال نعم الا ان تری فيه شيئا فاغسله. (موارد الظمآن جلد:۱ صفحه: ۸۲ هذا اصرح شئ علی مذهب الحنفية من المرفوعات.

عن عماربن ياسرؓ قال اتی علیّ رسول الله ﷺ وانا علی بئر ادلوماء فی ركوة لی فقال يا عمار ماتصنع؟ قلت يارسول الله بابی وامی اغسل ثوبی من نخامة اصابته فقال يا عمار انما يغسل الثوب من خمس من الغائط والبول، والقئ والدم، والمنی يا عمار ما نخامتك ودموع عينيك والماء الذی فی ركوتك الا سواء (الحديث) (دار قطنی جلد ۱ (صفحه ۱۲۷)

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں'' وورنجاستے منی آدمی دلیل نیامدہ'' (بدور الاہلہ صفحہ ۱۵)۔

نواب نورالحسن لکھتے ہیں: منی ہر چند پاک است'' (عرف الجاوی صفحہ ۱۰)۔

نواب وحیدالزمان لکھتے ہیں: والمنی طاھر سواء کان رطبا او یابسا مغلظا او غیر مغلظ" (کنزالحقائق صفحہ۱۶ انزل الابرار جلد ۱ صفحہ۴۹)۔

نوٹ: قارئین حضرات توجہ فرمائیے کہ مذکورہ بالا احادیث سے صاف طور پر ثابت ہورہا ہے کہ منی ناپاک ہے، لیکن غیر مقلدین ان احادیث کے خلاف اجتہاد اور قیاس کر کے بتا رہے ہیں کہ منی بالکل پاک ہے اس کے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔

شوافع حضرات (مقلدین کے امام) بھی منی کو پاک کہتے ہیں اور وہ حضرت عائشہؓ کے ان الفاظ سے استدلال کرتے ہیں "انما کان یکفیه ان یفرکه باصابعه وربما نرکته من ثوب رسول الله ﷺ باصابعی"، کیونکہ اگر منی نجس ہوتی تو فرک کافی نہوتا بلکہ خون کی طرح غسل ضروری ہوتا، وہ فرماتے ہیں کہ فرک بھی نظافت کیلئے ہے، اسی طرح جن روایات میں غسل کا حکم آیا ہے وہ بھی نظافت پر محمول ہیں، ان کا ایک استدلال حضرت ابن عباسؓ کے ایک اثر سے بھی ہے، جیسے امام ترمذیؒ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے: قال ابن عباسؓ "اعنی بمنزلة المخاط فأمطه عنك ولو باذخرة اور دارقطنی میں یہ مرفوعا اور موقوفا دونوں طرح مروی ہے اس میں امام شافعیؒ نے "بمنزلة المخاط" سے طہارت کو ثابت کیا ہے، اور "امطه عنك" کو نظافت پر محمول کیا ہے، استدلال بالقیاس کے طور پر امام شافعیؒ نے "کتــــاب الام" میں فرمایا ہم منی کو کسطرح نجس کہہ سکتے ہیں، جبکہ انبیاء کرام جیسی مقدس اور پاکیزہ شخصیات کی تخلیق اسی سے ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو طہارتین یعنی الماء والطین سے پیدا کیا، لہذا ان کی نسل کی تخلیق بھی شئی طاہر ہی سے ہوگی جو منی ہے، حنفیہ کا استدلال ان تمام روایات کے مجموعہ سے بھی صحیح ہے، جن میں منی کے فرک یا غسل، حط یا سلت کا حکم دیا گیا، اگر یہ ناپاک نہوتی تو کہیں نہ کہیں بیان جواز کیلئے یہ ثابت ہوتا کہ اسے کپڑے یا جسم پر چھوڑ دیا گیا، اور شافعیہ کا فرک کو نظافت پر محمول کرنا اس لئے بعید ہے

کہ اگر منی طاہر ہوتی تو پورے ذخیرۂ احادیث میں کسی نہ کسی جگہ کم از کم بیان جواز ہی کیلئے اس کو قولا یا فعلا طاہر قرار دیا جاتا، واذ لیس فلیس۔

(۲) قرآن کریم میں منی کو ماء مہین کہا گیا ہے یہ بھی اس کی نجاست کیلئے مؤید ہے۔

(۳) قیاس بھی مسلک حنفیہ ہی کو راجح قرار دیتا ہے، کیونکہ بول، مذی، ودی سب باتفاق نجس ہے، حالانکہ ان کے خروج سے صرف وضو واجب ہوتا ہے، تو منی بطریق اولی نجس ہونی چاہئے، کیونکہ اس سے غسل واجب ہوتا ہے، اور فرک والا حدیث کا جواب یہ ہے کہ اشیاء نجسہ کی تطہیر کے طریقے مختلف ہوتے ہیں، بعض جگہ تطہیر کیلئے غسل ضروری ہوتا ہے، بعض جگہ نہیں، چنانچہ روئی کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے دھن دیا جائے اسی طرح زمین جب سے پاک ہو جاتی ہے، بالکل اسی طرح منی سے طہارت حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے کہ فرک کر دیا جائے بشرطیکہ وہ خشک ہو گئی ہو اور اس کی دلیل دار قطنی اور صحیح ابوعوانہ میں حضرت عائشہؓ کی حدیث ہے" قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول الله ﷺ اذا کان یابسا واغسله اذا کان رطبا اس کی سند صحیح ہے، کیونکہ یہ صحیح ابوعوانہ میں بھی مروی ہے، اور اس میں شرائط مسلم کا التزام کیا گیا ہے۔

امام شافعیؒ کا تیسرا استدلال قیاس تھا کہ منی سے چونکہ انبیاء کرام جیسی مقدس ہستیوں کی تخلیق ہوئی ہے، کہ اس لئے وہ ناپاک نہیں ہو سکتی، لیکن یہ استدلال ان کی شان سے بعید اور بدیہی البطلان ہے، کیونکہ یہ امر طے شدہ ہے اور اجماع کے موافق ہے کہ انقلاب ماہیت سے شئی نجس طاہر ہوتی ہے، لہذا منی جب منقلب الی اللحم ثم الی الجنین ہو گئی تو قلب ماہیت کیوجہ سے اس میں طہارت آ گئی، اگر انقلاب ماہیت کے بعد کسی شئی کی طہارت یا نجاست پر اثر نہیں پڑتا تو بھی منی متولد من الدم ہے، اور دم بالاتفاق نجس ہے، اس لحاظ سے بھی منی نجس ہونی چاہئے، ورنہ خون کو بھی طاہر کہا جائے، کیونکہ منی اسی سے بنتی ہے، اور جب

اس کا کوئی قائل نہیں تو نجس ہونیکی صورت میں دم انبیاء کرام کی اصل قرار پاتا ہے، فماهو جوابكم فهو جوابنا.

علاوہ ازیں منی سے جسطرح انبیاء کرام کی تخلیق ہوتی ہے، اسی طرح کفار اور کلاب اور خنازیر کی بھی تخلیق اسی سے ہوئی ہے، اگر پہلے قیاس کے تقاضے سے منی کو پاک مانا جائے تو اس دوسرے قیاس کی بناء پر اسے نجس ماننا چاہئے، بہر حال اس قیاسات کے بارے میں ہمارے فقہاء نے فرمایا کہ یہ وزنی نہیں، بلکہ خود محققین شوافع اسے پسند نہیں کرتے، چنانچہ علامہ نووی شافعیؒ نے شرح المہذب جلد: ۲، ص ۵۵۴ میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے، "وذكر اصحابنا أقيسة ومناسبات كثيرة غير طائلة ولا ترتضيها ولا نستحل الاستدلال بها ولا نسمح بتضييع الوقت فى كتابتها الخ.

یہ بھی واضح ہو کہ غیر مقلدین اس (قیاسی) مسئلہ میں امام شافعیؒ کے مقلد ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے مسئلہ میں امام مالکؒ کے مقلد ہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۳) آیت کریمہ، احادیث وآثار اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ شراب ناپاک ہے (القرآن، ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۸۱، مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۶۲، کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۵۲۳ المقاصد الحسنہ ص-۲۰۲)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن غیر مقلدین آیت کریمہ، احادیث وآثار اور اجماع امت کے خلاف کہہ رہے ہیں کہ شراب پاک ہے۔(نزل الابرار صفحه ۴۹، عرف الجادى صفحه ۲۳۷، الروضة النديه).

احناف کی دلیل: يا ايها الذين آمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون پ ۵: آیت ۹

عن ابی ثعلبة الحشنیؓ انه سأل رسول الله ﷺ قال انا نجاور اهل الكتاب وهم يطبخون فی قدورهم الخنزير ويشربون فی أنيتهم الخمر فقال رسول الله ﷺ ان وجدتم غيرها فكلوا فيها واشربوا وان لم تجدوا غيرها فارحضوها بالماء وكلوا واشربوا. (ابوداؤد جلد۲ صفحہ۱۸۱)۔

عن عثمانؓ قال اجتنبوا الخمر فان رسول الله ﷺ سماها ام الخبائث (المقاصد الحسنۃ للسخاوی ۲۰۲)۔

عن طارق بن سويدؓ الجعفی سأل النبی ﷺ عن الخمر فنهاه وكره ان يصنعها للدواء فقال انه ليسِ بدواء ولكنه داء (مسلم جلد۲ صفحہ۱۶۳)۔

عن ابی عثمان والربيع و ابی حارثة قال بلغ عمران خالد بن الوليد دخل الحمام فتدلك بعد النورة بخبز عصفر معجون بخمر فكتب اليه بلغنی انك فدلكت بخمر وانه قد حرم ظاهر الخمر وباطنها وقد حرم مس الخمر كما حرم شربها فلا تمسوها اجسامكم فانها نجس. (کنز العمال جلد ۹ صفحہ ۵۲۲)۔

عن مجاهد قال اذا اصاب ثوبك خمر فاغسله هو اشد من الدم (مصنف ابن ابی شیبۃ جلد ۱ صفحہ۱۹۳)۔

اجمع الائمة على نجاسة الخمر الا ماحكى عن داؤد انه قال بطهارتها مع تحريمها" (رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ صفحہ۷)۔

غیر مقلدین کی دلیل: فتحريم الخمر الذی دلت عليه النصوص لايلزم منه نجاستها بل لا بد دليل أخر عليه والابقيام على الاصول المتفق عليها من الطهارة " (الروضۃ الندیۃ جلد۱ صفحہ۲۱)۔ حکم نجاست خمر بنا بر حرمت

بے دلیل باشد" (عرف الجادی صفحہ ۲۳۷)، والمني طاهر وكذلك الخمر" (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۴۹)۔

نوٹ: قارئین حضرات! جس شراب کے ناپاک ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اور جس خمر کو کلام پاک میں رجس کہا گیا ہے اسے غیر مقلدین پاک کہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں: ان الخمر نجسة غليظة باجماع علماء المذاهب الاربعة لقوله تعالى : يايهاالذين أمنوا انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون الأية الرجس والترجس هوالنجس وكل نجس حرام والاختلاف بين علماء المذاهب الاربعة فى التخليل۔ بدائع الصنائع جلد:۵، صفحہ:۱۱۳، حاشیۂ ابی داؤد جلد:۲، صفحہ:۵۱۷، المغنی جلد ۱۰ صفحہ:۳۲۷، المجموع جلد:۲۷، صفحہ:۵۷۶، الفقہ الاسلامی جلد:۱، صفحہ:۱۵۱۔

☆ **مسلک حنفی:** (۴) قرآن وحدیث سے واضح طور پر ثابت ہے کہ مردار، خون خنزیر ناپاک ہیں (القرآن الکریم، صحیح ابن خزیمہ جلد ۱ صفحہ ۶۰، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۰۲، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۱۹۸، بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۴)

مسلک غیر مقلدین: لیکن غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ مردار، خون، خنزیر پاک ہیں، ان کو ناپاک کہنا صحیح نہیں (عرف الجادی صفحہ ۱۰، بدور الاہلہ صفحہ ۱۵، ۱۶، ۱۸)۔

احناف کی دلیل: قل لا اجد فيما اوحى الى محرما على طاعم يطعمه الا ان يكون ميتة او دما مسفوحا او لحم خنزير فانه رجس (پ ۸- ایت ۱۴۵)

عن ابن عباسؓ قال اراد النبى ﷺ ان يتوضأ من سقاء فقيل له انه ميتة قال دباغه يذهب بخبثه او نجسه اورجسه (صحیح ابن خزیمہ جلد ۱ صفحہ ۶۰)۔

عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ایما اهاب دبغ فقد طهر (ترمذی جلد۱ صفحہ۳۰۳)۔

عن جابرؓ بن عبد اللہ انه سمع رسول اللہ ﷺ عام الفتح وهو بمكة يقول ان الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والاصنام فقيل يا رسول الله ارأيت شحوم الميتة فانه يطلى به السفن ويدهن بها الجلود ويستصبح بها الناس قال لا هو حرام ثم قال رسول الله ﷺ عند ذلك قاتل الله اليهود ان الله حرم عليهم الشحوم فاجملوه ثم باعوه فاكلوا ثمنه (ترمذی جلد۱ صفحہ۲۴۲)۔

عن نافع عن ابن عمرؓ انه رأى في ثوبه دما فغسله فبقي اثره اسود فدعى بمقص فقصه فقرضه (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۱ صفحہ۱۹۸)۔

حدثنا يزيد بن هارون عن هشام عن الحسن في الجنب يقطر فيه القطر من الخمر او الدم قال يهراق (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۷)

حدثنا محمد بن ابي عدي عن اشعث عن الحسن قال القيء والخمر والدم بمنزلة يعاد في الثوب (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ۱۹۳)۔

عن عائشةؓ انها قالت قالت فاطمة بنت حبيش لرسول الله ﷺ يا رسول الله اني لا اطهر افادع الصلوة فقال رسول الله ﷺ انما ذلك عرق وليس بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فاترکی الصلوة فاذا ذهب قدرها فاغسلی عنك الدم وصلی (بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۴)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں کہ و چکنائی درآید چونکہ مردار حرام باشد نہ نجس و مگس استدلال بر نجاست خنزیر بآنکہ رجس است کما لایخفی بر سبد و چکنائی در

نجس بودن ہر خون نیز بسند صحیح ثابت نہ گشتہ" (بدور الاہلہ صفحہ ۱۵، ۱۶، ۱۸)۔

نواب نور الحسن لکھتے ہیں: "دعوی نجس عین بودن سگ و خنزیر و پلید بودن لحم و دم و شحم و جلد آن مردار ناتمام است" (عرف الجادی صفحہ ۱۰)

ملاحظہ: دیکھئے جس مردار، خنزیر وغیرہ ناپاک ہونے پر علماء و فقہاء کا اتفاق ہے غیر مقلدین کس جرأت کے ساتھ اس کو پاک کہتے ہیں۔ الموسوعۃ الفقہیہ جلد: ۱، صفحہ: ۱۵۲، اور جلد: ۲۱، صفحہ: ۲۵، الفقہ الاسلامی جلد: ۱، صفحہ: ۱۱۰، اور جلد: ۱، صفحہ: ۱۵۰ میں رقمطراز ہیں: اتفق العلماء على ان الدم حرام نجس لا يؤكل ولا ينتفع به ...... واما الميتة غير السمك والجراد والآدمي فهي نجسة لانه محرم الاكل من غير ضرر فكان نجسا عند عامة العلماء لاخلاف فيها لاحد لقوله تعالى حرمت عليكم ...... ولان الحرمة آية النجاسة ان النجاسة لاختلاف الدم باللحم وايضا لاخلاف لاحد من الائمة الاربعة في نجاسة لحم الميتة ولكن الاختلاف في اجزائها المختلفة. واما الخنزير فقد اتفق الحنفية والشافعية والحنابلة على نجاسة عين الخنزير وكذلك نجاسة جميع اجزائه وماينفصل عنه كعرقه ولعابه ومنيه الخ وذهب المالكية الى طهارة عين الخنزير حال الحياة وكذلك طهارة عرقه ولعابه ودمعه ومخاطه الخ.

غیر مقلدین اس مسئلہ میں مالکیہ کی تائید کرتے ہیں اس کے باوجود اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں۔

☆ مسلک حنفی: (۵) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ کتا (لحم الکلب و رطوبات الکلب عند الحنفیۃ و عین الکلب عند الشافعیۃ والحنابلۃ) اور اس کا جھوٹا ناپاک ہے۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۳۷، ابوداؤد صفحہ ۱۰، طحاوی، سنن جلد ۱ صفحہ ۱۹۷، دار قطنی جلد ۱ صفحہ ۱۵)

مسلک غیر مقلدین: لیکن غیر مقلدین کہتے ہیں کہ نجس صاحب، کتا، کتے کا لعاب، کتے کا جھوٹا، کتے کا پیشاب، کتے کا پاخانہ سب چیزیں پاک ہیں، ان سے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل نہیں (نزل الابرار صفحہ ۴۹)۔

احناف کی دلیل: عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیرقہ ثم لیغسلہ سبع مرار (مسلم جلد ا صفحہ ۱۳۷)

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ طھور اناء احدکم اذا ولغ فیہ الکلب ان یغسلہ سبع مرات اولاھن بالتراب (مسلم جلد ا صفحہ ۱۳۷، ابوداؤد صفحہ ۱۰)۔

عن عطاء عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیھرقہ ولیغسلہ ثلث مرات (الکامل لابن عدی بحوالہ اعلاء السنن جلد ا صفحہ ۱۹۷)۔

عن عطاء عن ابی ھریرۃؓ قال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاھرقہ ثم اغسلہ ثلث مرات (دارقطنی جلد ا صفحہ ۲۲)۔

عن ابن جریجؒ قال قلت لعطاء کم یغسل الاناء الذی یلغ فیہ الکلب قال کل ذلک سمعت سبعا وخمسا وثلث مرات (مصنف عبدالرزاق جلد ا صفحہ ۹۷)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں "وحدیث ولوغ کلب دال بر نجاست تمامہ کلب دوم وشعر وعرق نیست، بلکہ ایں حکم مختص بولوغ اوست" (بدور الاہلہ صفحہ ۱۶)۔

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: واختلفوا فی لعاب الکلب والخنزیر وسورھما

والاوجح طهارته كما مر وكذلك في بول الكلب وخراءه والحق انه لادليل على النجاسة (نزل الابرار جلد ۱ صفحه ۴۹-۵۰)۔

نوٹ: حضرات ناظرین کرام توجہ فرمائیں: کہ غیر مقلدین اپنے مدعا کو کونسی ایت یا حدیث سے ثابت کرتے ہیں جبکہ احادیث مذکورہ سے کالشمس فی نصف النہار معلوم ہوتا ہے کہ کتے کے ولوغ سے برتن ناپاک ہوجاتا ہے، اور کتے ناپاک ہونے پر ایت قرانی بھی دال ہے، جیسا کہ حرمت عليكم الخبائث سے کتا بھی خبائث میں شامل ہوکر حرام ہوگا لہذا سور ناپاک ہی ہونا چاہئے، واضح ہو کہ امام مالکؒ قیاسا سور کو ناپاک نہیں کہتے جبکہ غیر مقلدین قیاس کو شیطان کا ہتھیار کہتے ہیں امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قوله تعالى قل لا اجد فيما اوحى الى .... الا ان يكون ميتة اودما مسفوحا او لحم خنزير اس میں محرمات کی فہرست میں کلب کا ذکر نہیں ہے، نیز کہتے ہیں کہ کتے کا شکار کردہ جانور کے متعلق یہ ارشاد عالی ہے کہ فكلوا مما امسكن عليكم، یہاں کتا جس کو دانت سے پکڑ کر لایا جب اس کو کھانے کے حکم ہے، حالانکہ لعاب تو گوشت سے لگا ہے تو سور پاک ہوگا۔ **الجواب:** امام مالکؒ جو دلیل اول میں قل لا اجد کی ایت لائے، اگرچہ اس ایت میں تحریم کلب کا ذکر نہیں، لیکن احادیث سے بہت سی اشیاء کی حرمت ثابت ہے، کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو میں لایا وہ بھی اثبات احکام میں قرآن کی طرح ہے كما ورد في الحديث، وقال ابو بكر الجصاص في احكام القرآن جلد: ۳، صفحه: ۲۰ لم يجز الاستدلال بهذه الاية على اباحة ملغرع منها، وقال ايضا في صفحه: ۲۲ ان هذه الاية خاصة بلتفلق اهل العلم على تحريم اشياء كثيرة غير مذكورة في الاية فجاز قبول الاخبار في تخصيص هذه الاية انتهى. اور دلیل ثانی کا جواب یہ ہے کہ اس میں پکڑے ہوئے حصہ کو دھو کر کھانے کا حکم ہے كما في فتح الملهم والمنهل وشرح مسلم للنووى۔

☆ **مسلک حنفی:** (۶) احادیث سے ثابت ہے کہ پیشاب ناپاک ہے، خواہ کسی کا بھی ہو (مستدرک حاکم صفحہ ۱۸۳، مجمع الزوائد صفحہ ۲۰۹، تلخیص الحبیر جلد ا صفحہ ۱۰۶، دارقطنی جلد ا صفحہ ۱۲۷، نور الانوار صفحہ ۶۸، وعزاہ فی الحاشیہ الی الحاکم)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ حیوانات کا پیشاب پاک ہے، خواہ حلال کا ہو یا حرام کا (نزل الابرار صفحہ ۴۹)۔

قارئین فیصلہ فرمائیے یہ حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟ بول مایؤکل لحمه ومالا یؤکل لحمه نجس.

احناف کی دلیل: عن ابی هریرۃؓ قال قال رسول الله ﷺ اکثر عذاب القبر من البول (مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۱۸۳)

عن ابی امامۃؓ عن النبی ﷺ قال اتقوا البول فانه اول مایحاسب به العبد فی القبر (مجمع الزوائد جلد ا صفحہ ۲۰۹)۔

عن عبادۃ بن الصامتؓ قال سألنا رسول الله ﷺ عن البول فقال اذا مسکم شئ فاغسلوه فانی اظن ان منه عذاب القبر (تلخیص الحبیر جلد ا صفحہ ۱۰۶)۔

عن عمار بن یاسرؓ قال اتی علیّ رسول الله ﷺ وانا علی بئرادلوماء فی رکوۃ لی فقال یا عمار ماتصنع؟ قلت یارسول الله بابی وامی اغسل ثوبی من نخامة اصابته فقال یا عمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیئ والدم والمنی یا عمار ما نخامتك ودموع عینیك والماء الذی فی رکوتك الا سواء (دارقطنی جلد ا صفحہ ۱۲۷)۔

روی انه علیه السلام لما فرغ من دفن صحابی صالح ابتلی بعذاب

القبر جاء الی امرأته فسألها عن اعماله فقالت یرعی الغنم ولا یتنزہ من بوله فحینئذ قال علیه السلام استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه (نور الانوار صفحہ ۶۸، عزاہ فی الحاشیۃ الی الحاکم)۔

غیر مقلدین کی دلیل: والمنی طاهر وکذلك الدم غیر دم الحیضة وکذلك رطوبة الفرج وکذلك الخمر وبول مایؤکل لحمه ومالایؤکل لحمه من الحیوانات (نزل الابرار جلد ا صفحہ ۴۹)۔

نوٹ: اس مسئلہ کے کچھ حصے میں غیر مقلدین امام مالکؒ اور احمدؒ کے مقلد ہیں چونکہ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور امام محمدؒ کی ایک روایت کے مطابق بول مایؤکل لحمہ پاک ہے، جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور سفیان ثوریؒ کا مسلک یہ ہے کہ وہ نجس ہے البتہ امام ابوحنیفہؒ اس کو نجاست خفیفہ قرار دیتے ہیں، کیونکہ اختلاف فقہاء کی وجہ سے ان کے نزدیک احکام میں تخفیف ہو جاتی ہے، امام مالکؒ وغیرہ کی دلیل یہ حدیث ہے انا ناسا من عرینیة قدموا المدینة (الی قولهٗ) وقال اشربوا من البانها وابوالها الخ اگر اونٹوں کا پیشاب پاک نہ ہوتا تو آپؐ اس کے شرب کا حکم نہ دیتے، ان کی ایک دلیل یہ روایت بھی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا صلوا فی مرابض الغنم مرابض الغنم بکریوں کے بول اور بعرات کا مرکز ہوتی ہیں، اگر ان کا بول وغیرہ نجس ہوتا تو ان میں نماز پڑھنے کی اجازت ہرگز نہ ہوتی، اسی سے یہ حضرات مایؤکل لحمہ کے بول کے علاوہ بعر اور روث کی طہارت پر بھی استدلال کرتے ہیں، اور احناف کی طرف سے اس کی نجاست پر حدیث پیش کی گئی ہے، جو مندرجہ بالا ہے ساتھ ساتھ ابن عمرؓ کی روایت نهی رسول الله ﷺ عن اکل لحوم الجلالة والبانها بھی ہے جلالہ اس حیوان کو کہتے ہیں جو بعرہ اور گندگی کھاتا ہو گویا بعرہ وغیرہ کا کھانا نہی کا سبب ہے، اس سے دلالۃ النص کے طور پر مایؤکل لحمہ کے بول، روث، بعرہ وغیرہ کی

نجاست مستفاد ہوتی ہے، احناف کی طرف سے شوافع کے ادلہ کا جواب (۱) آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع فرمادیا گیا تھا کہ ابوال ابل کو پیئے بغیر ان کی شفاء اور زندگی ممکن نہیں، اس طرح یہ لوگ مضطر کے حکم میں آگئے تھے، اور مضطر کیلئے نجس چیز کا استعمال اور شرب جائز ہوجاتا ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں پیشاب پینے کا حکم نہیں دیا تھا، بلکہ اس کے خارجی استعمال کا حکم دیا تھا، اور درحقیقت یہ جملہ علفتہ "تبنا وماء باردا" کے قبیل سے ہے، اور اس میں تضمین پائی جاتی ہے، اصل میں عبارت یوں تھی اشربوا من البانہا واستنشفوا من البانہا یا اضمدوا من ابوالھا۔ اضمدوا کے معنی ہیں لیپ چڑھانا۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی ناسخ حضرت ابوھریرہؓ کی "استنزھوا عن البول" حدیث ہے، نسخ کی دلیل یہ ہے کہ مؤرخین کی تصریح کے مطابق عرینین کا یہ واقعہ ۶ھ کے جمادی الاولی، شوال یا ذیقعدہ میں پیش آیا اور حدیث استنزھوا عن البول لازما اس سے مؤخر ہے، کیونکہ اس کے راوی ابوھریرہؓ ہیں جو ۷ھ میں اسلام لائے، اس کے علاوہ اسی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے عرینین کا مثلہ فرمایا، اور مثلہ بالاتفاق منسوخ ہے، لہذا ظاہر ہے کہ یہ حکم بھی منسوخ ہوگا۔

☆ **مسلک حنفی: (۷)** احادیث وغیرہ سے ثابت ہے کہ اگر کسی نے صرف پگڑی یا ٹوپی یا دوپٹہ پر مسح کیا سر پر نہ کیا تو اس کا وضو نہیں ہوگا، کیونکہ مسح سر پر فرض ہے۔ (القرآن، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۹، دار قطنی جلد ۱ صفحہ ۱۰۷، موطا امام مالک صفحہ ۲۳، کتاب الام جلد ۱ صفحہ ۲۶)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن آیت کریمہ اور احادیث و آثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ صرف ٹوپی یا پگڑی پر بھی مسح کرلینا کافی ہے، سر پر مسح ضروری نہیں (الروضۃ الندیہ صفحہ ۳۹، فتاویٰ اہل حدیث جلد ۱ صفحہ ۲۷۵، نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۷)۔

احناف کی دلیل: یـايهـا الـذيـن امنـوا اذا قـمتـم الى الصلوة فـاغسلوا وجـوهـكـم وايديكم الى المرافق وامسحوا برء وسكم وارجلكم الى الكعبين (الآیۃ پ۵:۱ یت۶)

عن انس بن مالكؓ قال رأيت رسول الله ﷺ يتوضأ وعليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم رأسه ولم ينقض العمامة (ابوداؤد جلد۱ صفحہ۱۹)۔

قال الشافعیؒ اخبرنا مسلم عن ابن جريج عن عطاء ان رسول الله ﷺ تـوضـأ فـحسـر الـعـمـامة عن رأسه ومسح مقدم رأسه اوقال ناصيته بالماء (کتاب الام جلد۱ صفحہ۲۶)۔

عـن ابـن عـمرؓ انـه كان اذا مسح رأسه رفع القلنسوة ومسح مقدم رأسه (رواه الدارقطني جلد۱ صفحہ۱۰۷، وفی التعلیق للمغنی سندہ صحیح)۔

مـالك انـه بـلـغـه ان جـابر بن عبد الله الانصارى سئل عن المسح على العمامة فقال لاحتى يمسح الشعر بالماء (مؤطا امام مالک صفحہ۲۳)۔

عـن نافع انه راى صفية بنت ابى عبيد امرأة عبد الله بن عمر تنزع خمارها وتمسح على رأسها بالماء ونافع يومئذ صغير، قال يحيى وسئل مالك عن المسح على العمامة والخمار فقال لاينبغى ان يمسح الرجل ولاالمرأة على العمامة ولا خمار ليمسحها على رء وسها (مؤطا امام مالک صفحہ۲۳)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب کے نزدیک تنہا پگڑی پر بھی مسح صحیح ہے (الروضۃ الندیہ جلد۱ صفحہ:۵۷۲)۔

عبداللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں: صرف پگڑی پر بھی مسح کافی ہے۔(فتاوی اہل حدیث جلد اصفحہ ۲۷۵)۔

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: والجمع بین الصلوتین والمسح علی الخفین والمسح علی العمامة والجوربین جائز عندنا (نزل الابرار جلد اصفحہ ۷)۔

نوٹ: قارئین حضرات توجہ فرمائیں: کہ مسئلہ مذکورہ میں کیا حنفی حضرات (مقلدین) قرآن وحدیث کے موافق عامل ہیں یا غیر مقلدین (نام نہاد اہل حدیث) اس مسئلہ میں غیر مقلدین حضرات امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں، اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ، امام اوزاعیؒ، امام اسحٰقؒ، وکیع ابن الجراحؒ وغیرہم ومسح علی الخفین والعمامة اور حضرت بلالؓ کی حدیث ان النبی ﷺ مسح علی الخفین والخمار (ترمذی) اور حدیث ثوبانؓ قال بعث رسول الله ﷺ سرية فاصابهم البرد فلما قدموا على رسوله ﷺ امرهم ان يمسحوا على العصائب (العمائم) والتساخين جمع تسخان بمعنى الخف سے ایسا ہی روایت عمرو بن امیہ ضمری کی روایت سے جو بخاری شریف میں مروی ہے اپنے مدعا کا اثبات کرتے ہیں مگر حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال ایت قران وامسحوا برؤسکم سے ہے، کہ یہ قطعی ہے اور مسح علی العمامہ کی احادیث اخبار احاد ہیں جن سے کتاب اللہ پر زیادتی ممکن نہیں، بخلاف مسح علی الخفین کے کہ اول تو خود قران کریم کی قراۃ جر سے اس کی طرف اشارہ ہورہا ہے، دوسرے اس کی احادیث معنیً متواتر ہیں لہذا اس سے کتاب اللہ پر زیادتی ممکن ہے، مسح علی العمامہ کی روایات محتمل التاویل ہیں، اور حافظ زیلعی کے بقول جن روایتوں میں مسح علی العمامہ کا ذکر ہے، وہ مختصر ہیں اصل میں مسح علی ناصية وعمامته تھا جن کی مختصر شکل صرف علی عمامته بن گئی چنانچہ بعض روایت میں ناصیہ کی تصریح موجود ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں" وذكر محمد بن البشار فی هذا الحديث ومسح على الخفين

والعمامة فی موضع أخر انه مسح علی ناصیته وعمامته ،ایسا ہی حضرت بلالؓ کی روایت میں بھی بعض طرق میں ناصیہ کا ذکر آیا ہے، نیز حضرت جابرؓ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جس میں عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مسح علی العمامہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا، "مس الشعر"۔

ان تمام روایات کا محمل یہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے سر کی مقدار مفروض کا مسح فرمایا، اور اس کے بعد عمامہ پر ہاتھ پھیرا، اور یہ عمل بیان جواز کیلئے تھا۔ بعض حضرات نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسح رأس کے بعد عمامہ کو درست فرمایا ہوگا جسے راوی نے مسح علی العمامہ سمجھ لیا۔

امام محمدؒ نے مؤطا میں ایک اور طریقہ سے مسح علی العمامہ کی روایات کا جواب دیا ہے وہ لکھتے ہیں، "بلغنا ان المسح علی العمامة کان فترک" تو سمجھا گیا کہ مسح علی العمامہ کا عمل منسوخ ہو چکا ہے۔

☆ **مسلک حنفی: (۸)** آیت کریمہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ دوران وضو پاؤں (میں موزے نہوں تو ان) کا دھونا فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پاؤں دھونے کا حکم دیا ہے، لہذا اگر کسی نے وضو کرتے ہوئے پاؤں نہ دھوئے تو اس کا وضو نہیں ہوگا (القرآن، مسلم جلد ا صفحہ ۱۲۵)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ایت کر یمہ، احادیث مبارکہ اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص دوران وضو پاؤں پر مسح کرلے تو اسے منع نہیں کرنا چاہئے، ایک غیر مقلد صاحب اتنے آگے بڑھے کہ انہوں نے فرمایا کہ مسح ہی فرض ہے، (ہدیۃ المہدی جلد ا صفحہ ۶۸، فتاوی ابراھیمیہ صفحہ ۲۱)۔

احناف کی دلیل: یـایها الـذیـن امـنـوا اذا قـمتم الی الصلوة فـاغسلوا وجـوهکـم وایـدیـکم الی المرافق وامسحوا برء وسکم وارجلم الی الکعبین الایة (پ ۵: آیت ۶)۔

عن عبد الله بن عمروؓ قال تخلف عنا النبی ﷺ فی سفر سافرناه فادرکناوقد حضرت العصر فجعلنا نمسح علی ارجلنا فنادیٰ ویل للاعقاب من النار (مسلم جلد۱صفحہ۱۲۵)۔

عن ابی هریرةؓ ان النبی ﷺ رای رجـلا لم یغسل عقبه فقال ویل للاعقاب من النار (مسلم جلد۱صفحہ۱۲۵)۔

غیر مقلدین کی دلیل: ولا یـجـوز الانـکـار عـلـی امـور مـختلفة فیها بین الـعـلـماء کغسل الرجل ومسحه (ہدیۃ المہدی جلد۱صفحہ۶۸)۔ پاؤں دھونے کے بجائے مسح فرض ہے (فتاویٰ ابراھیمیہ صفحہ۲۱، بحوالہ فتح المبین صفحہ۴۵۲)۔

نوٹ: حضرات مفکرین! فیصلہ فرمائیں کہ کیا حنفی حضرات قرآن واحادیث کے موافق ہیں یا غیر مقلدین جبکہ غیر مقلدین اس مسئلہ میں ابن جریر طبری شیعی اور ابوعلی جبائی معتزلی اور داؤد ظاہری کے مقلد ہیں، علامہ ابن القیمؒ نے لکھا ہے کہ یہ مذھب کسی اہل سنت والجماعت سے منقول نہیں اور یہ حضرات "وامسحوا برء وسکم وارجلکم" کی قرات جر سے استدلال کرتے ہیں، اہل سنت کی طرف سے اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) اس آیت میں لفظ "وارجلکم" میں جر جوار ہے، ورنہ "وارجلکم" کا عطف "ایدیکم" پر ہے۔

(۲) کسرہ کی قرأت حالت تخفیف پر محمول ہے، اور نصب کی قرات عام حالت پر۔

(۳) جر کی قرأت میں "ارجل" کا عطف "رؤس" ہی پر ہے، لیکن جب "مسح" کی نسبت "ارجل" کیطرف کیجائیگی تو اس سے مراد غسل خفیف ہوگا اور لفظ "مسح" کا اس معنی میں استعمال معروف ہے۔

(۴) علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے مشکلات القران میں لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ قران کریم کی تقریر کو سمجھنے کا سب سے زیادہ قابل اعتماد راستہ آنحضرت ﷺ کا عمل اور صحابہ وتابعین کا تعامل ہے، اور جب ہم تعامل کو دیکھتے ہیں تو کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں ملتی جس سے مسح رجلین ثابت ہوتا ہو، یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ قران کریم میں غسل کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ مسح کا۔

☆ **مسلک حنفی:** (۹) وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنے کو نہ تو اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ذکر کیا اور نہ ہی کسی صحیح حدیث سے بسم اللہ کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے۔ (معجم طبرانی صغیر جلد ۱ صفحہ ۷۳، واسنادہ صحیح حسن مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۲۲، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۲۴، ابن ماجہ صفحہ ۳۶، بیہقی جلد ۱ صفحہ ۴۴ دار قطنی جلد ۱ صفحہ ۷۴، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن عامل بالحدیث کے دعویدار کہہ رہے ہیں کہ اگر وضو کرتے ہوئے بسم اللہ نہ پڑھی تو وضو نہیں ہوگا (رحمۃ الامۃ، فتاوی ستاریہ جلد ۲ صفحہ ۱۹، صلاۃ النبی صفحہ ۶۸)۔

احناف کی دلیل: عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ يا اباهريرةؓ اذا توضأت فقل بسم الله والحمد لله فان حفظتك لاتبرح تكتب لك الحسنات حتى تحدث من ذلك الوضوء (معجم طبرانی جلد ۱ صفحہ ۷۳، واسنادہ صحیح حسن مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۲۲)۔

عن رفاعة بن رافع انه کان جالسا عند النبی ﷺ فقال انها لاتتم صلاۃ لاحد حتی یسبغ الوضوء کما امره الله تعالی بغسل وجهه ویدیه الی المرفقین ویمسح برأسه ورجلین الی الکعبین (ابوداؤد جلد۱ صفحہ۱۲۴، ابن ماجہ ۳۶)۔

عن عبد الله بن مسعودؓ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول اذا تطهر احدکم فلیذکر اسم الله علیه فانه یطهر جسده کله فان لم یذکر احدکم اسم الله علی طهوره لم یطهر الا امار علیه الماء الحدیث (بیہقی جلد۱ صفحہ۴۴)۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ من توضأ فذکر اسم الله علی وضوئه کان طهوراً لجسده قال ومن توضأ ولم یذکر اسم الله علی وضوئه کان طهورا لاعضائه (دار قطنی جلد۱ صفحہ۷۴)۔

عن الحسنؒ قال یسمی اذا توضأ فان لم یفعل اجزأه۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۱ صفحہ۳)۔

غیر مقلدین کی دلیل: الغرض ہر متوضی کو وضو کے شروع میں بسم اللہ یا بسم اللہ والحمد للہ ضرور کہنا چاہیے، اگر ابتداء وضو میں بھول جائے تو اثناء وضو میں بسم اللہ اولا واخرا کہہ لے ورنہ وضو نہ ہوگا، اور جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں (فتاوی ستاریہ جلد۲ صفحہ۱۹)۔

خالد گرجاکھی صاحب لکھتے ہیں: وضو کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ کر وضو شروع کرنا چاہیے جو بسم اللہ نہیں پڑھتا اس کا وضو نہیں ہوتا (صلاۃ النبی صفحہ ۶۸)۔

نــــوٹ: مسئلہ ھذا میں غیر مقلدین امام اسحٰق بن راھویہ اور داؤد ظاہری کی تقلید کیے ہیں ان حضرات ترمذی کی روایت "لا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه" سے استدلال

کرتے ہیں، جمہور ائمہ کرام اس حدیث میں نفی کو نفی کمال پر محمول کرتے ہیں نہ کہ نفی جواز پر کمافی قولہ علیہ السلام "لاصلوۃ لجار المسجد" (دار قطنی صفحہ:۴۲۰) اور اس تاویل کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) تسمیہ کا وجوب کسی بھی قوی روایت سے ثابت نہیں، اور حدیث مذکور "لاوضوء لمن لم الخ" بھی اپنی تمام اسانید کے ساتھ ضعیف ہے، جیسا کہ امام احمدؒ کا قول خود امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے کہ "لااعلم فی ھذا الباب حدیثالہ اسناد جید" اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو حدیث ترمذی کا مدار رباح بن عبدالرحمٰن پر ہے، اور حافظ بن حجرؒ نے "التلخیص الحبیر" جلد:۱صفحہ:۴۴ میں انہیں مجہول قرار دیا ہے، نیز حافظؒ نے امام ابوزرعہ اور ابوحاتم کا قول بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے بھی رباح کو مجہول کہا ہے، اور حدیث مذکور میں دوسرا ضعف اس بناء پر ہے کہ اس میں ابوثقال المری آتے ہیں اور علامہ ہیثمیؒ "مجمع الزوائد" میں لکھتے ہیں کہ "قال البخاری فی حدیثہ نظر"۔

(۲) بہت سے صحابۂ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کے وضو کی حکایت پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہے، اس میں کہیں تسمیہ کا ذکر نہیں ملتا، اگر تسمیہ واجب ہوتا تو ان احادیث میں اس کا ذکر ضرور ہونا چاہئے تھا۔

(۳) حنفیہ کے اصول کے مطابق تسمیہ کے عدم وجوب پر ایک اصولی دلیل یہ ہے کہ تسمیہ کا ثبوت اخبار احاد سے ہوا ہے، اور ان کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہوسکتی، اور اللہ تعالیٰ نے ایت وضوء میں تسمیہ کا ذکر نہیں فرمایا۔

☆ **مسلک حنفی:** (۱۰) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ دوران وضو گردن (گدی) پر مسح کرنا مستحب ہے، حضور ﷺ نے خود بھی گردن پر مسح فرمایا، اور لوگوں کو بھی گردن پر مسح

کی ترغیب دی ہے (تلخیص الحبیر جلد ا صفحہ ۹۳، مسند فردوس جلد ۴ صفحہ ۴۴، طحاوی جلد ا صفحہ ۲۸، مسند احمد جلد ۳، صفحہ ۴۸۱، معجم طبرانی جلد ا صفحہ ۱۲۷، معجم طبرانی جلد ۲۲، صفحہ ۴۲، کشف الاستار جلد ا، صفحہ ۱۴۰)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا یہ ہے کہ احادیث میں گردن پر مسح کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے، گردن پر مسح کرنا احداث فی الدین ہے، بدعت ہے (صلوٰۃ الرسول صفحہ ۸۳، فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۵۲)۔

احناف کی دلیل: عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قال من توضأ ومسح بيديه على عنقه وقى الغلّ يوم القيمة (تلخیص الحبیر جلد ا صفحہ ۹۳)۔

عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قال من توضأ ومسح يديه على عنقه امن يوم القيمة من الغل (مسند فردوس مع تسدید القوس جلد ۴، صفحہ ۴۴)۔

عن ليث عن طلحة بن مصرف عن ابيه عن جده انه رأى رسول الله ﷺ مسح مقدم رأسه حتى بلغ القذال من مقدم عنقه (طحاوی جلد ا صفحہ ۲۸)۔

عن طلحة عن ابيه عن جده انه رأى رسول الله ﷺ يمسح رأسه حتى بلغ القذال وما يليه من مقدم العنق بمرة (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۸۱)۔

عن موسى بن طلحة قال من مسح قفاه مع رأسه وقى الغل يوم القيمة، قلت فيحتمل ان يقال هذا وانكان موقوفا فله حكم الرفع (تلخیص الحبیر جلد ا صفحہ ۹۲)۔

حدثني طلحة بن مصرف عن ابيه عن جده كعب بن عمرو اليمامي ان رسول الله ﷺ توضأ فمضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا يأخذ

لكل واحدة ماء جديد او غسل وجهه ثلاثا فلما مسح رأسه قال هكذا وأومأ بيده من مقدم رأسه حتى بلغ بهما إلى اسفل عنقه من قبل قفاه (معجم طبرانی کبیر بحوالہ غایۃ المقصود جلد ا صفحہ ۱۳۷)۔

عن وائل بن حجر (فى حديث طويل) ففسل وجهه ثلثا وخلل لحيته ومسح باطن اذنيه ثم ادخل خنصره فى داخل اذنه ليبلغ الماء ثم مسح رقبته وباطن لحيته من فضل ماء الوجه الحديث (معجم طبرانی کبیر جلد ۲۲ صفحہ ۴۲)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: گردن کے مسح کا احادیث میں کہیں ذکر نہیں (صلاۃ الرسول صفحہ ۸۳)۔

مفتی عبدالستار لکھتے ہیں: اور گردن کا مروجہ مسح کسی حدیث میں نہیں، بلکہ احداث فی الدین ہے (فتاوی ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۵۳)۔

خالد حسین گرجاکھی لکھتے ہیں: وضو میں گردن کا مسح کرنا ثابت نہیں، بلکہ بدعت ہے (صلاۃ النبی ۷۰)۔

نوٹ: قارئین حضرات فیصلہ فرمائیں کہ کیا غیر مقلدین حدیث کے موافق عمل کر رہے ہیں یا مخالف؟

☆ **مسلک حنفی:** (۱۱) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ اگر بدن کے کسی حصہ سے خون نکل کر بہہ پڑے تو وضو ٹوٹ جائے گا (ابن ماجہ ۸۷، بخاری صفحہ ۴۴، دارقطنی صفحہ ۱۵۷، کامل ابن عدی جلد ا صفحہ ۱۹۳، مصنف عبدالرزاق جلد ا صفحہ ۱۴۸)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن اسکے خلاف غیر مقلدین حضرات فرماتے ہیں کہ بدن کے کسی حصہ سے بھی خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (عرف الجادی صفحہ ۱۴، نزل الابرار جلد ا صفحہ ۱۸، دستور المتقی صفحہ ۷۷)۔

احناف کی دلیل: عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ من اصابه قيئ او رعاف او قلس او مذى فلينصرف فليتوضأ ثم ليبن على صلاته وهو فى ذلك لايتكلم (ابن ماجہ صفحہ ۸۷)۔

عن عائشة انها قالت قال فاطمة بنت ابى حبيش لرسول الله ﷺ يارسول الله انى لااطهر افادع الصلوٰة فقال رسول الله ﷺ انما ذلك عرق وليس بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فاتركى الصلوٰة فاذا ذهب قدرها فاغسلى عنك الدم وصلى (بخاری جلد ا صفحہ ۴۴)۔

عن زيد بن ثابت قال قال رسول الله ﷺ الوضوء من كل دم سائل (کامل ابن عدی جلد ا صفحہ ۱۹۳)۔

عن عمربن عبد العزيز قال قال تميم الدارى قال رسول الله ﷺ الوضوء من كل دم سائل (دارقطنی جلد ا صفحہ ۱۵۷)۔

عن معمر عن ايوب عن ابن سيرين فى الرجل يبصق دما قال اذا كان الغالب عليه الدم توضأ (مصنف عبدالرزاق جلد ا صفحہ ۱۴۸)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب نور الحسن لکھتے ہیں: ونمی شکند از برآمدن خون وقے (عرف الجادی صفحہ ۱۴)۔

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: فلاينقض بخروج الدم من غير السبيلين ولو سال والدم الخارج من الجروح والثبور لاينقض وكذا القيح والصديد (نزل الابرار جلد ا صفحہ ۱۸)۔

یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں: بدن سے خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا (دستور المتقی صفحہ ۷۷)۔

نوٹ: غیر مقلدین مسئلۂ مذکورہ میں امام مالکؒ کی تقلید کرتے ہیں، کیونکہ امام مالکؒ کا مسلک ہے کہ صرف اس نجاست کا خروج ناقض ہوتا ہے جو خود بھی معتاد ہو اور اس کا مخرج بھی معتاد ہو جیسے بول و براز، لہذا قے، رعاف، اور خون ان کے نزدیک ناقض نہیں، لیکن غیر مقلدین اس سے بھی آگے بڑھ کے معتاد اور غیر معتاد کے فرق کئے بغیر کہتے ہیں کہ بدن کے کسی حصہ سے بھی خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، امام مالکؒ کا استدلال حضرت جابرؓ کی روایت سے ہے، جسے امام بخاریؒ نے تعلیقاً نقل کیا ہے "ویذکر عن جابر" ان النبی ﷺ کان فی غزوۃ ذات الرقاع فرمی رجل بسھم الخ "حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس واقعہ میں آنحضرت ﷺ کی تقریر ثابت نہیں، اور بغیر آپکی تقریر کے دوسری احادیث کے مقابلہ میں صحابی کا فعل حجت نہیں ہوسکتا ہے، پھر اگر اس حدیث سے عدم انتقاض وضو پر استدلال کیا جاسکتا تو اس سے خون کی طہارت پر بھی استدلال درست ہونا چاہئے اس لئے کہ ابوداؤد کی تصریح کے مطابق ان کو تین تیر لگے تھے، اسلئے یہ ممکن نہیں کہ ان کے کپڑے خون سے ملوث نہوئے ہو، درحقیقت حضرت عبادؓ نماز اور تلاوت قران کی لذت میں اس قدر محو تھے کہ یا تو انہیں خون نکلنے کا پتہ ہی نہ چلا یا چلا بھی تو غلبۂ لذت کیوجہ سے نماز نہ توڑ سکے، یہ غلبۂ حال اور استغراق کی کیفیت تھی جس سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط نہیں کیا جاسکتا، اس کی تائید ابوداؤد ہی میں ان الفاظ سے ہوتی ہے: "قال ان کنت فی سورۃ اقرأھا فلم احب ان اقطعھا" علاوہ ازیں انتقاض وضوء کے جو دلائل اوپر بیان ہوئے وہ قاعدۂ کلیہ کی حیثیت رکھتے ہیں، جنہیں اس واقعۂ جزئیہ پر قربان نہیں کیا جاسکتا۔

☆ **مسلک حنفی:** (۱۲) احادیث سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قے آنے

سے خود وضو فرماتے اور صحابہؓ کرام کو بھی یہی حکم دیتے تھے کہ قے آنے سے وضو کرو (ابن ماجہ صفحہ ۸۷، دار قطنی جلد ا صفحہ ۱۵۳، ترمذی صفحہ ۲۵، بیہقی صفحہ ۲۵۹، مصنف عبدالرزاق جلد ا صفحہ ۳۳۹)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن غیر مقلدین کہہ رہے ہیں کہ قے آنے سے وضو نہیں ٹوٹتا لہذا وضو کی ضرورت نہیں (عرف الجادی صفحہ ۱۴ انزل الابرار جلد ا صفحہ ۱۸)۔

احناف کی دلیل: عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ من اصابه قيئ او رعاف او قلس او مذى فلينصرف فليتوضأ (الحديث).

(ابن ماجہ صفحہ ۸۷)۔

عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ قال اذا قاء احدكم في صلاته او قلس فلينصرف فليتوضأ ثم ليبن على مامضى من صلاته مالم يتكلم قال ابن جريج فان تكلم استانف (دار قطنی جلد ا صفحہ ۱۵۳)۔

عن ابى الدرداءؓ ان رسول الله ﷺ قاء فتوضأ فلقيت ثوبان في مسجد دمشق فذكرت ذلك له فقال صدق وانا صببت له وضوئه۔ (ترمذی صفحہ ۲۵)

عن ابن عمرؓ انه كان اذا رعف رجع فتوضأ ولم يتكلم ثم رجع وبنى على ماقد صلى (بیہقی جلد ا صفحہ ۲۵۹)۔

عن ابن عمرؓ قال اذا رعف الرجل في الصلوة او زرعه القيئ او وجد مذيا فانه ينصرف ويتوضأ ثم يرجع فيتم مابقي على ما مضى مالم يتكلم (مصنف عبدالرزاق جلد ۲ صفحہ ۳۳۹)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب نورالحسن لکھتے ہیں: ونمی شکند از برآمدن خون وقے (عرف الجادی صفحہ۱۴)۔

نواب وحیدالزمان لکھتے ہیں: وکذا القیح والصدید (نزل الابرار جلد۱صفحہ۱۸)۔

نوٹ: مسئلہ ھذا میں غیر مقلدین مالکی اور شافعی کی تقلید کرتے ہیں، اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا استدلال حضرت جابرؓ کی روایت سے ہے، جسے امام بخاریؒ نے تعلیقاً نقل کیا ہے "ویذکر عن جابرؓ ان النبی ﷺ کان فی غزوة ذات الرقاع، فرمی رجل بسھم فنزفه الدم فرکع وسجد ومضی فی صلوته"۔ حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب اوپر کے مسئلہ میں چلا گیا **فانظر هناک**۔

☆**مسلک حنفی:** (۱۳) احادیث سے ثابت ہے کہ دوران نماز قہقہہ لگانے سے جس طرح نماز ٹوٹ جاتی ہے ایسے ہی وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضور ﷺ دوران نماز قہقہہ لگانے والوں کو وضو اور نماز دونوں کے لوٹانے کا حکم دیا۔ (طبرانی جلد۱صفحہ۲۴۶، مصنف عبدالرزاق جلد۱صفحہ۳۷۶، کتاب الاثار للامام ابی حنیفہ صفحہ۲۸و۳۵)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان احادیث کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ قہقہہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، (نزل الابرار جلد۱صفحہ۱۹)۔

احناف کی دلیل: عن ابی موسیٰؓ قال بینما النبی ﷺ یصلی اذدخل رجل فتردی فی حفرة کانت فی المسجد وکان فی بصره ضرر فضحك کثیر من القوم وھم فی الصلوة فامر رسول الله ﷺ ان یعید الوضوء ویعید الصلوة۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر مجمع الزوائد جلد۱صفحہ۲۴۶))۔

عن ابی العالیۃ (الریاحی) ان رجلا اعمی تردی فی بئر والنبی ﷺ یصلی باصحابه فضحك بعض من کان یصلی مع النبی ﷺ فامر النبی ﷺ من ضحك منهم ان یعید الوضوء والصلوۃ۔ (مصنف عبدالرزاق جلد ا صفحہ ۳۷۶)۔

عن الحسن البصری عن النبی ﷺ انه قال بینما هو فی الصلوٰۃ اذا قبل رجل اعمی من قبل القبلة یرید الصلوٰۃ والقوم فی صلاۃ الفجر فوقع فی زبیة فاستضحك بعض القوم حتی قهقه فلما فرغ رسول الله ﷺ قال من کان قهقه منکم فلیعد الوضوء والصلوٰۃ (کتاب الآثار للامام ابی حنیفہ بروایۃ الامام محمد صفحہ ۳۵)۔

عن الحسن عن معبد رضی الله عنه عن النبی ﷺ انه بینما هو فی الصلوٰۃ اذا قبل اعمی یرید الصلوۃ فوقع فی زبیة فاستضحك بعض القوم حتی قهقه فلما انصرف النبی ﷺ قال من کان منکم قهقه فلیعد الوضوء والصلوٰۃ (کتاب الآثار للامام ابی حنیفہ بروایۃ الامام ابی یوسف صفحہ ۲۸)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: ولا ینقض بالقهقهة ولو من مصل بالغ فی صلاۃ کاملة (نزل الابرار جلد ا صفحہ ۱۹)۔

نوٹ: ناظرین حضرات فیصلہ فرمائیں کہ مسئلہ مذکورہ میں کیا حنفی حضرات موافق حدیث ہیں یا غیر مقلدین؟

☆ **مسلک حنفی:** (۱۴) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ شرمگاہ پر ہاتھ لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا حضور ﷺ نے اس کے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا کہ اس سے وضو نہیں

ٹوٹتا، عام صحابہ کرام کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ حضرت عمارؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت ابوالدرداء، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فتاویٰ، احادیث میں موجود ہیں، ان سب کے نزدیک شرمگاہ پر ہاتھ لگنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، طبرانی، مجمع الزوائد، مصنف ابن ابی شیبہ، موطا امام محمد)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام کے خلاف غیر مقلدین کا مذہب کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (الفتح المقبول صفحہ ۲۱، نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۹، دستور المتقی صفحہ ۷۷، فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۶۱۲، مشکوٰۃ صفحہ: ۴۱)۔

احناف کی دلیل: عن طلق بن علیؓ قال رجل مسست ذکری او قال الرجل یمس ذکره فی الصلوة اعلیه الوضوء؟ فقال النبی ﷺ لا انما هو بضعة منك (اخرجه الخمسه وصححه ابن حبان، وقال ابن المدینی هو احسن من حدیث بسرة، (بلوغ المرام مترجم صفحہ ۶۳)

عن سلام الطویل عن اسماعیل بن رافع عن حکیم بن سلمة عن رجل من بنی حنیفة یقال له جری ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال یا رسول الله انی ربما اکون فی الصلوٰة فتقع یدی علی فرجی فقال امض فی صلاتك (رواہ ابن مندہ فی معرفۃ الصحابہ بحوالہ اعلاء السنن جلد ۱ صفحہ ۱۱۹)۔

عن ارقم بن شرحبیل قال حككت جسدی وانا فی الصلوة فافضیت الی ذکری فقلت لعبد الله بن مسعود فقال لی اقطعه وهو یضحك این تعزله منك انما هو بضعة منك. (رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ موثقون مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۲۴۴)۔

عن قیس قال سأل رجل سعدا عن مس الذکر فقال ان علمت ان منك بضعة نجسة فاقطعها (مصنف ابن ابی شیبہ جلدا صفحہ۱۶۴)۔

عن علیؓ بن ابی طالب فی مس الذکر قال ما ابالی مسسته او طرف انفی (موطا امام محمد صفحہ۵۲)

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب نورالحسن لکھتے ہیں: ومس کردن ناقض وضواست (النیج المقبول صفحہ۲۱)۔

نواب وحیدالزمان لکھتے ہیں: "وینقض بمس الذکر والفرج ببطن الکف او بطون الاصابع من غیر حائل وینقض وضو اللامس والملموس. (نزل الابرار جلدا صفحہ۱۹)

یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں: ذکر یا فرج کو ہاتھ لگانے یا اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے (دستور المتقی صفحہ۷۷)۔

ابوسعید شرف الدین لکھتے ہیں: مس ذکر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، لہذا وضو کرنا فرض ہے۔ فتاوی ثنائیہ جلدا صفحہ۲۱۲)۔

نوٹ: مسئلہ مس ذکر میں بھی حنفیہ کے ساتھ تمام ائمہ کرام متفق ہیں، صرف امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مس ذکر بباطن کف بلا حائل ناقض وضو ہے، اور غیر مقلدین اس مسئلہ میں شوافع کی تقلید کرتے ہیں، اور شوافع حضرات اس مسئلہ میں حضرت بسرہ بنت صفوان کی روایت کا سہارا لیتا ہے ان النبی ﷺ قال من مس ذکرہ فلا یصل حتی یتوضأ اس میں انہوں نے باطن کف بلا حائل کی قید حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث سے ثابت کی ہے، جو مسند بزار وغیرہ میں ہے ان النبی ﷺ قال من افضی بیدہ الی

ذکرہ لیس دونہ ستر فقد وجب علیہ الوضوء۔ اب حدیث ابوھریرہ میں یزید بن عبدالملک النوفلی ضعیف ہے اور بسرہ والی حدیث میں اگر شرطی کا واسطہ ہو تو وہ مجہول ہے، اگر مروان کا واسطہ ہو تو وہ مختلف فیہ راوی ہے، اب احناف کے مستدل طلق والی حدیث میں بھی اگرچہ کچھ کلام ہے، پھر بھی احناف نے طلق والی روایت کو ترجیح دی ہے، یہ چند وجوہ:

(۱) اگر حضرت بسرہؓ کی روایت کو اختیار کیا جائے تو طلق کی روایت کو بالکلیہ چھوڑنا پڑتا ہے حالانکہ سنداً وہ بھی قابل استدلال ہے اس کے برخلاف اگر حضرت طلق کی روایت کو اختیار کیا جائے تو حضرت بسرہ کی حدیث کا ترک لازم نہیں آتا، اسلئے کہ اسے استحباب پر محمول کیا جا سکتا ہے، اور یہ کوئی تاویل بعید نہیں، کیونکہ خود امام شافعیؒ نے بھی وضو مما مست النار اور وضو من لحوم الابل کے مسائل میں یہی توجیہ کی ہے، نیز خود حضرت بسرہ کی روایت کے بعض طرق ایسے ہیں جنہیں خود امام شافعیؒ بھی استحباب پر محمول کرتے ہیں چنانچہ امام طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں ایک روایت اس طرح نقل کی ہے: "**عن بسرة بنت صفوان قالت سمعت رسول الله ﷺ یقول من مس ذکرہ او انثییہ او رفغیہ (ای اول فخذیہ) فلیتوضأ وضوءہ للصلوٰۃ قال الهیثمی فی مجمع الزوائد جلد:۱ صفحہ: ۲٤٥ بعد ذکرہ هذ الحدیث رجالہ رجال للصحیح** اس میں انثیین اور رفغین کے مس سے وضو کا حکم باتفاق استحبابی ہے، چنانچہ امام شافعیؒ نے کتاب الام میں صراحت فرمائی ہے کہ مس الانثیین سے وضو نہیں ٹوٹتا **فماھو جوابکم فی مس الانثیین والرفغین فھو جوابنا فی مس الذکر۔**

(۲) حضرت طلق بن علیؓ والی روایت واضح ہے اس کی برخلاف حضرت بسرہؓ کی حدیث مبہم ہے اس میں یہ واضح نہیں کہ وضو کا حکم مس بلاشہوت کی صورت میں ہے یا بالشہوت کی صورت میں، اور مس بلا حائل ہوگا یا بحائل۔

(۳) یہ عجیب بات ہے کہ امام شافعیؒ مس انثیین والی روایت کو ناقض نہیں کہتے، حالانکہ اس کی سند بھی صحیح ہے، اور مس دبر کو ناقض مانتے ہیں جس کی تصریح کتاب الام میں موجود ہے۔

(۴) تعارض احادیث کے وقت ایک فیصلہ کن چیز صحابۂ کرام کا تعامل ہے اور ان کے آثار ہوتے ہیں اس لحاظ سے بھی حضرت طلق کی حدیث راجح ہے، کیونکہ صحابۂ کرام کی اکثریت نے اسی کے مطابق عمل کیا ہے۔

(۵) تعارض احادیث کے وقت قیاس کی طرف بھی رجوع کیا جاتا ہے، اور قیاس سے بھی حنفیہ کے مسلک کی تائید ہوتی ہے اسلئے کہ بول و براز وغیرہ جو نجس العین ہیں ان کا مس کسی کے نزدیک بھی ناقض نہیں، لہذا اعضاء مخصوصہ جن کا طاہر ہونا متفق علیہ ہے، ان کا مس بطریق اولی ناقض نہونا چاہئے۔

والتفصیل فی شروحات الحدیث فاطلب هناک۔

☆ **مسلک حنفی:** (۱۵) حدیث سے ثابت ہے کہ دوران وضو اگر اعضائے وضو میں سے کوئی جگہ ناخن کے برابر خشک رہ گئی تو وضو نہیں ہوگا۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ ناخن پالش لگانے سے ناخن خشک رہتے ہیں، اسلئے اگر کسی نے ناخن پالش لگائی ہے تو اس کا وضو نہیں ہوگا (مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۵)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن اسکے خلاف غیر مقلدین کا فتوٰی ہے کہ ناخن پالش لگے ہونے کے باوجود وضو ہو جاتا ہے (فتاوٰی اہل حدیث جلد ۱ صفحہ ۳۵۱)۔

احناف کی دلیل: عن جابر رضی الله تعالی عنه قال اخبرنی عمر بن الخطابؓ ان رجلا توضأ فترك موضع ظفر علی قدمه فابصره النبی ﷺ فقال ارجع فاحسن وضوئك فرجع ثم صلی (مسلم جلد ا صفحہ ۱۲۵)۔

غیر مقلدین کی دلیل: سوال: کیا عورت ناخن پالش ناخنوں پر لگا کر وضو کر کے نماز پڑھ سکتی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ناخن پالش لگا کر وضو کرے تو وضو نہیں ہوتا؟ جواب: ناخن پالش مہندی کی قسم سے ہے، مہندی کا رنگ بھی دو تین دفعہ لگانے سے گاڑھا اور موٹا ہو جاتا ہے۔ جو بالاتفاق جائز ہے، ایسا ناخن پالش کو سمجھ لینا چاہئے۔ (فتاوی اہل حدیث جلد ا صفحہ ۳۵۱)۔

نوٹ: اب قارئین حضرات انصاف کیجئے کہ مسئلہ مذکورہ میں حضرات احناف مسلم شریف کی روایت پر عمل کر رہے ہیں، مگر نام لیوا اہل حدیث کو اس حدیث کے متعلق خبر بھی نہیں، اور انہوں نے ناخن پالش کو مہندی پر قیاس کر رہے اب کیا حضرات احناف عامل بالحدیث ہیں یا بناوٹ اہل حدیث؟

☆ **مسلک حنفی:** (۱۶) احادیث سے ثابت ہے کہ بول و براز (پیشاب پاخانہ) کرتے وقت بغیر کسی عذر کے قبلہ رو ہونا، اور پشت کرنا مطلقاً ناجائز ہے، آبادی میں ہو یا صحرا میں حضور ﷺ نے اس سے سختی سے منع فرمایا اور قبلہ شریف کے اکرام کرنے کا حکم دیا ہے (زاد المعاد جلد ا صفحہ ۸، بخاری جلد ا صفحہ ۵۷، مسلم جلد ا، صفحہ ۱۳۰ و ۱۳۱، مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۸۷، مجمع الزوائد جلد ا صفحہ ۲۰۵، دار قطنی جلد ا صفحہ ۵۴، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۳)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان صحیح، صریح، مرفوع احادیث کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ پیشاب پاخانہ کرتے وقت قبلہ رو ہونا یا پشت کرنا بالکل جائز ہے، ناجائز ہونا تو دور رہا مکروہ بھی نہیں ہے، بلکہ مسنون ہے۔ (دستور المتقی صفحہ ۴۵، نزل الابرار جلد ا صفحہ ۵۳، احسن الفتاوی جلد ۳ صفحہ ۱۰۹)۔

احناف کی دلیل: عن ابی ایوب (رضی الله تعالی عنه) ان النبی ﷺ قال اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولاتستدبروها ببول ولا غائط ولکن شرقوا اوغربوا قال ابو ایوب فقد منا الشام فوجدنا مراحیض قد بنیت قبل القبلة فننحرف عنها ونستغفر الله. (بخاری جلد ا صفحہ ۵۷، مسلم جلد ا صفحہ ۱۳۰ اواللفظ لمسلم)۔

عن ابی هریرةؓ عن رسول الله ﷺ قال اذا جلس احدکم علی حاجته فلایستقبلن القبلة ولایستدبرها (مسلم جلد ا صفحہ ۱۳۱)۔

عن سهل بن حنیفؓ ان النبی ﷺ بعثه قال انت رسولی الی اهل مکة قل ان رسول الله ﷺ ارسلنی یقرأ علیکم السلام ویأمرکم بثلث لا تحلفوا بغیر الله واذا تخلیتم فلاتستقبلواالقبلة ولاتستدبروها ولاتستنجو بعظم ولاببعرة (مسنداحمد جلد ۳ صفحہ ۴۸۷)۔

عن سهل بن سعد قال قال رسول الله ﷺ اذا ذهب احدکم الخلاء فلایستقبل القبلة ولایستدبرها (مجمع الزوائد جلد ا صفحہ ۲۰۵)۔

عن سلمانؓ قال: قال له بعض المشرکین وهو یستهزئ به انی لاری صاحبکم یعلمکم کل شیئ حتی الخرائة قال اجل امرنا ﷺ ان لانستقبل القبلة ولانستدبرها (الحدیث) (دار قطنی جلد ا صفحہ ۵۴)۔

عن معقل بن ابی معقل الاسدیؓ قال نهی رسول الله ﷺ ان نستقبل القبلتین ببول او غائط (ابوداؤد جلد ا صفحہ ۳)۔

عن سلمة بن وهرام قال سمعت طاؤسا قال قال رسول الله ﷺ اذا اتی احدکم البراز فلیکرمن قبلة الله فلایستقبلها ولایستدبرها

(الحدیث) (دار قطنی جلد ا صفحہ ۵۷)۔

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من لم یستقبل القبلۃ ولم یستدبرھا فی الغائط کتبت لہ حسنۃ ومحی عنہ شیء (مجمع الزوائد جلد ا صفحہ ۲۰٦)۔

قال ابن القیمؒ: ومن خواصھا (ای الکعبۃ) ایضا انہ یحرم استقبالھا واستدبارھا عند قضاء الحاجۃ دون سائر بقاع الارض واصح المذاھب فی ھذہ المسئلۃ انہ لا فرق فی ذلک بین الفضاء والبنیان لبضعۃ عشر دلیلا قدذکرت فی غیر ھذا الموضع (زاد المعاد فی ھدی خیر العباد جلد ا صفحہ ۸)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ محمد یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں: "گر گھر میں یا کسی چیز کی آڑ میں جائز ہے" (دستور المتقی صفحہ ۴۵)۔

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: "ولا یکرہ الاستقبال والاستدبار للاستنجاء (نزل الابرار جلد ا صفحہ ۵۳)۔

مفتی رشید احمد لدھیانویؒ لکھتے ہیں: ایک اور اعجوبہ ساعت فرمائیں: آبادی کے اندر بول و براز کی حالت میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کا جواز مختلف فیہ ہے، اس لئے احتیاط بہرحال اس میں ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے گا، مگر اہل حدیث کے ہاں تو دوسرے مذاہب کی مخالفت ہی بڑا جہاد ہے، چنانچہ کراچی میں انہوں نے اپنی مسجد کے استنجا خانے گرا کر از سر نو قبلہ رخ تعمیر کرائے ہیں۔ وجہ پوچھنے پر ارشاد ہوا کہ یہ سنت چودہ سو سال سے مردہ تھی ہم نے اس کو زندہ کیا ہے" احسن الفتاویٰ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹)۔

نوٹ: مسئلہ ھذا میں غیر مقلدین ربیعۃ الرائی اور داؤد ظاھری کی تقلید کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں صحابہ کرام کے دور سے اختلاف ہے: (۱) استقبال واستدبار علی الاطلاق ناجائز

ہیں، یہی رائے ابوھریرہؓ، ابن مسعود، ابو یوب انصاریؓ، سراقہ بن مالکؓ، حضرت مجاہدؒ، ابراھیم نخعی، طاؤس بن کیسان، حضرت عطاء، ابوثور، امام اوزاعی، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، ابن حزم ظاہریؒ اور ابن قیم کا ہے امام احمدؒ سے بھی ایک روایت۔

(۲) مطلقاً جائز۔ یہی رائے حضرت عائشہؓ عروۃ بن الزبیر، ربیعۃ الرائی اور داؤد ظاہری کا ہے۔ (۳) صحراء میں استقبال واستدبار دونوں ناجائز اور آبادی میں دونوں جائز، یہ مسلک حضرت عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عامر، شعبیؒ، امام مالکؒ، امام شافعی، اور اسحٰق بن راہویہ کا ہے، اور امام احمدؒ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے۔

(۴) استقبال بہرصورت ناجائز اور استدبار بہرصورت جائز ہے۔

(۵) استقبال بہرصورت ناجائز، اور استدبار آبادی میں جائز اور صحراء میں ناجائز وغیرہ آٹھ صورتیں ہیں، یہ اختلاف دراصل روایات کے اختلاف پر مبنی ہے، اس باب میں مختلف روایات ہیں روایت اولی حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حدیث ہے، "اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة بغائط ولا بول ولا تستدبروها،" حنفیہ نے ابوایوب انصاریؓ کی روایت کو ترجیح دے کر اس پر اپنے مذھب کی بنیاد رکھی ہے، اور باقی تمام روایات میں تاویل کر کے ان کو اسی روایت پر محمول کیا ہے، حضرت ابوایوب انصاری کی روایت کی وجوہ ترجیح مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) یہ حدیث باتفاق محدثین سند کے اعتبار سے اصح مافی الباب ہے اور اس باب میں کوئی بھی حدیث سنداً اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۲) حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت ایک قانون کلی کی حیثیت رکھتی ہے، اس کے مقابلہ میں دوسری روایت اور واقعات جزئیہ ہیں، حنفیہ کا اصول ہے کہ وہ روایات متعارضہ میں سے ہمیشہ ان روایات کو اختیار کرتے ہیں، جن میں ضابطۂ کلیہ بیان کیا گیا ہو،

ایسے مواقع پر حنفیہ واقعات جزئیہ میں تاویل کرتے ہیں۔

(۳) حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت قولی ہے، اور مخالف روایات فعلی ہیں، اور یہ قاعدہ ہے کہ تعارض کے وقت باتفاق قولی احادیث کو ترجیح ہوتی ہے۔

(۴) حضرت ابوایوب انصاریؓ کی روایت محرم ہے، اور اسکی مخالف روایت مبیح ہیں، اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ تعارض کے وقت محرم کو مبیح پر ترجیح ہوتی ہے۔

(۵) حضرت ابوایوبؓ کی روایت واضح اور معلوم السبب ہے، اور دوسری روایت غیر واضح اور غیر معلوم السبب ہیں، کیونکہ ان میں بہت سے احتمالات ہیں۔

(۶) حضرت ابوایوبؓ کی حدیث اوفق بالقران ہے، اس لئے کہ قران کریم کی کئی ایات تعظیم شعائر اللہ کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے، ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب، پھر خاص طور سے کعبہ کی تعظیم ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔

(۷) یہ حدیث مؤید بالاحادیث الکثیرہ ہے جیسا کہ سلمان فارسیؓ، ابوھریرۃؓ اور حضرت ابوعوانہؓ، حضرت سہلؓ بن حنیف اور حضرت سہل بن سعدؓ سے بھی اس قسم کی روایات مروی ہیں۔

(۸) حضرت ابوایوبؓ کی حدیث مؤید بالقیاس بھی ہے، کیونکہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں روایت صحیحہ مرفوعہ ہے من تفل تجاه القبلة جاء یوم القیامة وتفله بین عینیه (معارف السنن جلد: ۱، صفحہ: ۹۵) جب تھوکنے کی ممانعت ہے تو قضاء حاجت کے وقت استقبال قبلہ کی ممانعت بطریق اولی ہوگی۔

☆ **مسلک حنفی:** (۱۷) احادیث سے ثابت ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا سنت ہے واجب نہیں ہے (بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۱۲۰، طحاوی جلد ۱ صفحہ ۸۴، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۱۱، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۵۱، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۱۲، ابن ماجہ صفحہ ۷۷، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۷۳۔

لیکن غیر مقلدین کا مذہب ہے کہ جمعہ کے دن غسل واجب ہے۔ (عرف الجادی صفحہ ۱۴، نزل الابرار صفحہ ۲۵، دستور المتقی صفحہ ۵۷۔

احناف کی دلیل: عن ابی هريرة قال قال رسول الله من توضأ فاحسن الوضوء ثم اتى الجمعة فدنى واستمع وانصت غفرله مابينه وبين الجمعة وزيادة ثلثة ايام ومن مس الحصا فقد لغا— (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح جلد ۱ صفحه ۱۱۲).

عن سمرة بن جندبؓ قال قال رسول الله ﷺ من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل (ترمذی جلد ۱ صفحه ۱۱۱، ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۵۱)

عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ ان هذا يوم عيد جعله الله للمسلمين فمن جاء الجمعة فليغتسل وان كان طيب فليمس منه وعليكم بالسواك (ابن ماجه صفحه ۷۷).

عن ابن مسعودؓ قال من السنة الغسل يوم الجمعة (رواه البزار ورجاله ثقات، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحه ۱۷۳).

عن عكرمة ان ناسا من اهل العراق جاء وا فقالوا يا ابن عباس اترى الغسل يوم الجمعة واجبا قال لا ولكنه اطهر وخير لمن اغتسل ومن لم

یغتسل فلیس بواجب (الحدیث) (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۵۱).

عن زاذان قال سألت علیاً عن الغسل فقال اغتسل اذا شئت فقلت انما اسئلك عن الغسل الذی هو الغسل قال یوم الجمعة وعرفة ویوم الفطر ویوم الاضحی۔ (طحاوی جلد ۱ صفحه ۸٤).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب نور الحسن لکھتے ہیں و برائے جمعہ واجب ست (عرف الجادی صفحہ ۱۴)۔

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: ولمن یرید ان یصلی الجمعة واجب (ای الغسل) (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۳۵)۔

یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔ (دستور المتقی صفحہ ۵۷)۔

نوٹ: غیر مقلدین حضرات مسئلہ ھذا میں ظاہریہ کی تقلید کرتے ہیں جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، جمہور سلف وخلف بلکہ ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ بھی اس پر اتفاق ہے کہ غسل یوم جمعہ واجب نہیں، بلکہ سنت ہے، مگر ظاہریہ اس کے وجوب کے قائل ہیں ان کا استدلال ابوسعید خدریؓ کی روایت "ان رسول الله ﷺ قال غسل یوم الجمعة واجب علی کل محتلم" مگر حدیث سمرہ بن جندب، حدیث ابوھریرہؓ، حدیث ابن عباسؓ، حدیث ابن مسعودؓ، حدیث عکرمہ، حدیث زاذان عن علی وغیرہ سے ثابت ہے کہ غسل یوم الجمعہ سنت ہے۔

حضرت عثمانؓ کے واقعہ سے بھی جمہور کا استدلال ہے چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے قال بینما عمرؓ بن الخطاب یخطب الناس یوم الجمعة اذ دخل عثمان بن عفانؓ فعرض به عمرؓ فقال ما بال رجال یتأخرون بعد

النداء فقال عثمانؓ یا امیر المؤمنین مازدت حین سمعت النداء وان توضأت ثم اقبلت فقال عمرؓ والوضوء ایضا، الم تسمعوا رسول الله ﷺ یقول اذا جاء احدکم الی الجمعة فلیغتسل" اگر غسل جمعہ واجب ہوتا تو حضرت عثمانؓ غسل کو ہرگز نہ چھوڑتے، اور حضرت عمرؓ بھی ان کو لوٹ کر غسل کر کے آنے کا حکم دیتے، اور حدیث ابوسعید خدریؓ کا جواب یہ ہے کہ غسل کا حکم شروع میں تھا ایک عارض کی وجہ سے تھا جب وہ عارض ختم ہوگیا تو حکم بھی ختم جس کی تفصیل مسند احمد وغیرہ کی روایت میں موجود ہے" عن ابن عباسؓ وسأله رجل عن الغسل یوم الجمعة اواجب هو؟ قال لا، وساحدثکم عن بدء الغسل کان الناس محتاجین وکانوا یلبسون الصوف وکانوا یسقون النخل علی ظهورهم وکان مسجد النبی ﷺ ضیقا متقارب السقف فراح الناس فی الصوف، فعرقوا وکان منبر النبی ﷺ قصیرا انما هو ثلاث درجات فعرق الناس فی الصوف فثارت ارواحهم ارواح الصوف فتأذی بعضهم بعضا حتی بلغت ارواحهم رسول الله ﷺ وهو علی المنبر فقال "یایها الناس اذا جئتم الجمعة فاغتسلوا ولیمس احدکم من اطیب طیب ان کان عنده.

(۲) یہ بھی جواب دیا جاسکتا ہے کہ احادیث جمعہ میں جہاں جہاں صیغۂ امر استعمال ہوا ہے وہ وجوب پر نہیں، استحباب پر محمول ہے۔

☆ **مسلک حنفی:** (۱۸) احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ تیمم میں دو ضربین ہوتی ہیں۔ پہلی ضرب چہرے پر مسح کیلئے، اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں پر مسح کیلئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے، کہ تیمم میں دو ضربین ہیں۔ جلیل القدر صحابۂ کرام حضرت علی المرتضیٰؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت حسن بصریؒ، زہریؒ، طاؤس، ابراہیم نخعی جیسے اجلۂ تابعین کا فتویٰ بھی یہی ہے

(دار قطنی جلد ا صفحہ ۱۸۱، مستدرک حاکم جلد ا صفحہ ۱۷۹، جامع المسانید جلد ا صفحہ ۲۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۱۵۸، طحاوی جلد ا صفحہ ۸۱)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا مذہب کہ تیمم میں صرف ایک ہی ضرب ہوتی ہے، اور کسی حدیث میں دو ضربوں کا ذکر نہیں، (عرف الجادی صفحہ ۱۶، بدور الاھلۃ صفحہ ۳۵)۔

احناف کی دلیل: عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين (دار قطني ج-۱، صفحه ۱۸۰، جامع المسانيد صفحه-۲۳۳، مستدرك حاكم صفحه ۱۷۹).

عن جابرؓ عن النبی ﷺ قال التيمم ضربة للوجه وضربة للذراعين الى المرفقين (دار قطني جلد ۱ صفحه ۱۸۱).

عن نافع ان ابن عمرؓ تيمم فی مربد النعم فقال بيديه على الارض فمسح بهما وجهه ثم ضرب بهما على الارض ضربة اخرى ثم مسح بهما يديه الى المرفقين (مصنف ابن ابی شيبة جلد ۱ صفحه ۱۵۸).

عن نافع قال سألت ابن عمر عن التيمم فضرب بيده الى الارض ومسح بهما يديه ووجهه وضرب ضربة اخرى فمسح بهما ذراعيه- (طحاوی جلد ۱ صفحه ۸۱).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب نور الحسن لکھتے ہیں: تیمم ایک ضربہ ست برزمین (عرف الجادی صفحہ ۱۶)۔

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں: و در احادیث صحیحہ جز یک ضربہ از برائی وجہ وکفین دیگر ہیچ نیامدہ (بدور الاھلۃ صفحہ ۳۵)۔

نوٹ: مسئلہ ھذا میں غیر مقلدین امام احمدؒ کی تقلید کرتے ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، لیث ابن سعدؒ اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ تیمم کیلئے دو ضربین ہونگی ایک وجہ کیلئے اور ایک یدین کیلئے جیسا کہ عمار بن یاسرؓ کی حدیث، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کی روایت اس پر دال ہے اور فریق مخالف نے حضرت عمارؓ کی روایت "ان النبی ﷺ امرہ بالتیمم للوجہ والکفین" اس میں ہاتھوں کیلئے کفین کا لفظ استعمال کیا گیا جن کا اطلاق صرف رسغین تک ہوتا ہے۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ عمارؓ کی حدیث مذکور بروایت ترمذی درحقیقت مختصر ہے ورنہ صحیحین میں اس کی تفصیل ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ نے ناواقفیت کی بناء پر حال جنابت میں زمین پر لوٹ لگائی تھی اور تمعک کیا تھا اس کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دی گئی تو آپ نے تیمم کے معروف طریقہ کی طرف اشارہ کرنے کیلئے فرمایا "انما یکفیك ان تضرب بیدیك الارض ثم تنفخ ثم تمسح بھما وجھك" مسلم جلد:۱، صفحہ:۱۶۱ ورنہ اس سے پورا تیمم تعلیم دینا مقصد نہیں۔

☆ **مسلک حنفی (۱۹)**: احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ (مجمع الزوائد جلد ا صفحہ ۲۸۰، دارقطنی جلد ا صفحہ ۲۱۹، دارمی جلد ا صفحہ ۱۲۰)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا فتویٰ، حیض کی اقل اور اکثر کوئی مدت متعین نہیں ہے (بدور الاھلۃ صفحہ ۳۵)، عرف الجادی صفحہ ۱۶، نزل الابرار صفحہ ۴۵، تیسیر الباری جلد ا صفحہ ۲۳۰)۔

احناف کی دلیل: عن ابی امامۃ عن النبی ﷺ قال اقل الحیض ثلاث

واکثرہ عشر (رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۲۸۰)۔

عن واثلة بن الاسقعؓ قال قال رسول الله ﷺ اقل الحیض ثلثة ایام واکثرہ عشرة ایام (دار قطنی جلد ۱ صفحه ۲۱۹)۔

عن انسؓ قال ادنی الحیض ثلثة ایام (رواہ الدارمی جلد ۱ صفحه ۲۲۰، قلت رجاله رجال مسلم، اعلاء السنن جلد ۱ صفحه ۲۴۷)۔

غیر مقلدین کی دلیل: (۲) چنانچہ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں: در تقدیر اقل واکثر حیض آنچہ بتمسک ازو نیامدہ (بدور الاھلۃ صفحہ ۳۵)۔

نواب نور الحسن خاں لکھتے ہیں: نیست مدت برائے اقل واکثر حیض ودر شرع دلیلے از برائے اقل واکثر طہر وحیض نیامدہ (عرف الجادی صفحہ ۱۶)۔

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: ولا حد لاقله واکثرہ (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۴۵)۔

ایک دوسرے مقام پر نواب صاحب رقمطراز ہیں، اور اس باب میں جو حدیثیں حنفیوں نے روایت کی ہیں، وہ سب موضوع اور باطل ہیں۔ اور صحیح مذہب اہل حدیث کا ہے، کہ حیض کی کوئی مدت متعین نہیں ہو سکتی۔ ہر ایک عورت کی عادت پر اس کا انحصار ہے (تیسیر الباری جلد ۱ صفحہ ۲۳۰)۔

نوٹ: احناف کی دلیل مذکورہ کے خلاف غیر مقلدین ایسی کوئی حدیث پیش کریں جس میں یہ ذکر ہو کہ حیض کی اقل اور اکثر کی کوئی مدت متعین نہیں شاید غیر مقلدین اس مسئلہ میں ابن المنذر کی تقلید کرتے ہیں وہ بھی اکثر مدت کی تحدید کرتے ہیں، اور اقل مدت کے متعلق کہتے ہیں کہ فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک حیض کی اقل مدت کی کوئی تحدید نہیں، جبکہ

دیگر ائمہ اور جمہور علماء کے نزدیک اکثر مدت اور اقل مدت کی تحدید ہے اگر چہ مقدار مدت میں اختلاف ہے۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اقل مدت ثلثة ایام ولیالیها واکثر المدة عشرة ایام ولیالیها.

(۲) امام مالکؒ کے نزدیک اکثر المدة سبعة عشر یوماً.

(۳) امام شافعیؒ کے نزدیک اقل مدت "یوم ولیلة" ہے واکثر المدة خمسة عشر یوما. (۴) امام احمدؒ کے نزدیک اقل مدت یوم ولیلة واکثر المدة اس میں تین روایت ہے: (۱) عشرة ایام (ب) سبعة عشر یوما (ج) خمسة عشر یوما (فاطلب التفصیل فی شروحات الحدیث وکتب الفقه)

اس مسئلہ میں بھی غیر مقلدین حضرات قرآن وحدیث کے مخالف ہیں ایسا ہی ائمہ اربعہ کا بھی خلاف کرتے ہیں۔

☆ **مسلک حنفی**: (۲۰) اللہ تعالی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ مجتہدین سب فرما رہے ہیں کہ طہارت کے بغیر قرآن مجید کو چھونا جائز نہیں ہے۔ (القرآن، مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۴۸۵، دار قطنی جلد ۱ صفحہ ۱۲۳، مجمع الزوائد جلد ۱ صفحہ ۲۷۶، موطا مالک صفحہ ۱۸۵، بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۳)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن غیر مقلدین کہہ رہے ہیں کہ نہیں جناب قرآن کو بلا طہارت بھی چھونا جائز ہے (عرف الجادی صفحہ ۱۵، نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۹)۔

احناف کی دلیل: لا یمسه الا المطهرون (سورة الواقعة پ:۲۷)

عن حکیم بن حزامؓ ان النبیﷺ لمابعثه والیاالی الیمن قال لاتمس القران الا وانت طاهر– (مستدرك حاكم جلد ۳ صفحه ۴۸۵، دار قطني جلد۱ صفحه ۱۲۲).

عن عبد الله بن عمرؓ ان رسول الله ﷺ قال لايمس القران الا طاهر– (رواه الطبراني في الكبير والصغير ورجاله موثقون مجمع الزوائد جلد ۱ صفحه ۲۷٦).

عن عبد الله بن ابی بکر بن حزم ان فی الکتاب الذی کتبه رسول الله ﷺ لعمرو بن حزم ان لايمس القرأن الا طاهر– (مؤطا امام مالك صفحه ۱۸۵).

عن انس بن مالكؓ قال خرج عمرؓ متقلدا لسيف فقيل له ان ختنك واختك قد صبوا فاتاهما عمرو عندهما رجل من المهاجرين يقال له خباب وكانوا يقرء ون طه فقال اعطوني الكتاب عندكم اقرأه وكان عمر يقرأ الكتاب فقالت له اخته انك رجس ولايمسه الاالمطهرون فقم فاغتسل اوتوضأ فقال عمرؓ فتوضأ ثم اخذ الكتاب فقرأ طه (دار قطني جلد ۱ صفحه ۱۲۳).

كان ابووائل يرسل خادمه وهی حائض الی ابی رزين فتاتيه بالمصحف فتمسك بعلاقته (بخاری جلد۱ صفحه ۴۳).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب وحید الزماں لکھتے ہیں: وقيل لايشترط الطهارة لمس المصحف وجزم به الشوكانی وغيره من اصحابنا. (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۹)۔

نواب نور الحسن لکھتے ہیں اگر چہ محدث راس مصحف جائز باشد (عرف الجادی ۱۵)۔

نوٹ: مسئلہ ھذا میں غیر مقلدین امام مالکؒ کی تقلید کرتے ہیں اور ان کا یہ مسلک بالکل کتاب اللہ اور صریح مرفوع روایت کا خلاف ہے۔

☆ **مسلک حنفی:** (۲۱) آیت کریمہ واحادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحت صلوٰۃ کیلئے کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے، اگر ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھی تو صحیح نہیں ہوگی۔ (القران، بخاری شریف جلد ۱ صفحہ ۴۴، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۹۵)۔

مسلک غیر مقلدین: مگر غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ اگر چہ بدن پر نجاست لگی ہوئی ہو اور کپڑے بیشک ناپاک ہوں تاہم نماز صحیح ہوجائیگی، نماز صحیح ہونے کے لئے بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا شرط نہیں۔ (بدور الاھلۃ صفحہ ۳۹ عرف الجادی صفحہ ۲۲)۔

احناف کی دلیل: وثیابك فطهر (سورة المدثر پ:۲۷)

عن عائشةؓ انها قالت قالت فاطمة بن ابی حبیش لرسول الله ﷺ یارسول الله انی لااطهر افادع الصلوٰة فقال رسول الله ﷺ انما ذلك عرق ولیس بالحیضة فاذا اقبلت الحیضة فاترکی الصلوٰة فاذا ذهب قدرها فاغسلی عنك الدم وصلی (بخاری جلد ۱ صفحه ٤٤).

عن ابی سعید الخدریؓ قال بینما رسول الله ﷺ یصلی باصحابه اذ خلع نعلیه فوضعهما عن یساره فلما رای القوم ذلك القوا نعالهم فلما قضی رسول الله ﷺ صلاته قال ماحملکم علی القائکم نعالکم قالوا رأیناك القیت نعلیك فالقینا نعالنا فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان جبریل علیه السلام اتانی فاخبرنی ان فیهما قذرا (الحدیث- (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۹۵).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں: فمن صلی ملابسا لنجاسة عامدا فقد اخل بواجب وصلاته صحيحة - نیز فرماتے ہیں وطہارت محمول وملبوس را شرط صحت نماز گردانیدن کما ینبغی نیست (بدور الاھلہ صفحہ ۳۹)۔

نواب نور الحسن خاں لکھتے ہیں: یا در جامۂ ناپاک نماز گزارد نمازش صحیح ست (عرف الجادی صفحہ ۲۲)۔

نوٹ: غیر مقلدین صریح الفاظ حدیث کے فاذا ذهب قدرها فاغسلی عنك الدم وصلـــی بخاری کی روایت جس میں دم دھونے کے بعد نماز پڑھنے کیلئے کہا گیا خلاف کرتے ہیں جبکہ جمہور ائمہ فرماتے ہیں خون آلود (نجس) کپڑے سے نماز نہیں ہوتی اگر چہ تحدید مقدار میں اختلاف ہے۔

(۱) امام ابوحنیفہ وغیرہ کے نزدیک قدر درھم۔

(۲) امام شافعیؒ کے نزدیک قلیل کثیر سب ہی نجس ہے۔ (۳) امام احمد عبداللہ بن المبارک اور اسحٰق بن راہویہ دم کثیر کو واجب الغسل کہتے ہیں۔ (۴) امام احمد قدر الکف قلیل ورنہ کثیر (ب) رائے مبتلی بہ کا اعتبار ہے دراصل تحدید مقدار میں کوئی روایت صریحہ موجود نہیں، اس لئے یہ اختلاف پیدا ہوا، اور فقہاء نے قیاساً و اثار کے مطابق یہ تحدیدات مقرر کیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۲۲) آیات کریمہ واحادیث مبارکہ سے ثابت ہورہا ہے کہ نماز کے لئے جگہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے، جس کا مطلب یہی ہے کہ اگر جگہ پاک نہ ہوئی تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (القرآن، ترمذی جلد اصفحہ ۸۱، مسلم جلد اصفحہ ۱۳۸)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن غیر مقلدین کہہ رہے ہیں کہ نماز کے صحیح ہونے کیلئے جگہ کا پاک ہونا شرط نہیں ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ناپاک جگہ پر بھی نماز پڑھ لی تو نماز صحیح ہو جائے گی۔ (بدور الاھلہ صفحہ ۴۰، عرف الجادی صفحہ ۲۱)۔

احناف کی دلیل: وعهدنا الى ابراهيم واسماعيل ان طهرا بيتى للطائفين والعكفين والركع السجود پ۲: ۱۲۵

عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ نهی ان يصلی فی سبعة مواطن فی المزبلة والمزجرة والمقبرة وقارعة وفی الحمام ومعاطن الابل وفوق ظهر بيت الله (ترمذی جلد ۱ صفحه ۸۱).

عن انس بن مالكؓ قال بينما نحن فی المسجد مع رسول الله ﷺ اذ جاء اعرابی فقام يبول فی المسجد فقال اصحاب رسول الله ﷺ مه مه قال قال رسول الله ﷺ لاتزرموه دعوه فتركوه حتى بال ثم ان رسول الله ﷺ دعاه فقال له ان هذه المساجد لاتصلح لشئ من هذا البول والقذر انما هی لذكر الله والصلوٰة وقرأة القرآن اوكما قال رسول الله ﷺ قال فامر رجلا من القوم فجاء بدلو من ماء فشنه عليه (مسلم جلد ۱ صفحه ۱۳۸).

غیر مقلدین کی دلیل: (۲) چنانچہ نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں وطہارت مکان نماز واجب ست شرط صحت نماز نیست (بدور الاہلہ صفحہ ۴۰)۔

نواب نور الحسن خاں لکھتے ہیں: وطہارت مکان نماز واجب ست نہ شرط صحت نماز (عرف الجادی صفحہ ۲۱)۔

نوٹ: قارئین حضرات فیصلہ فرمائیں کہ غیر مقلدین کیسے عامل بالحدیث ہیں جبکہ مذکورہ صحیح صریح احادیث کے خلاف نماز کیلئے طہارت مکان شرط نہیں قرار دیتے۔

مسلک حنفی: (۲۳) آیت کریمہ اور احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کے

لئے ستر ڈھانپنا بھی شرط ہے، اگر دوران نماز بلا عذر ستر کھلا رہا تو نماز نہیں ہوگی، اسی پر اجماع امت بھی ہے (القرآن، ترمذی جلد ا صفحہ ۸۶، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۹۴ طبرانی)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن آیت کریمہ، احادیث مبارکہ، اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ بلا ستر ڈھانپے نماز کے صحیح نہ ہونے کو ہم نہیں مانتے، ستر کھلا رہنے کے باوجود نماز ہو جاتی ہے۔ (بدور الاھلۃ صفحہ ۳۹، عرف الجادی صفحہ ۲۲)۔

احناف کی دلیل: یبنی أدم خذوا زینتکم عند کل مسجد (پ ۷: ۳۱)۔

عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ لا تقبل صلوٰۃ الحائض الا بخمار (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۸٦، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۹٤)۔

عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ عن ابیہؓ رفعہ لایقبل اللہ من امرأۃ صلاۃ حتی تواری زینتھا ولا جاریۃ بلغت المحیض حتی تختمر (اخرجہ الطبرانی فی الاوسط بحوالۃ الدرایۃ جلد ۱ صفحہ ۱۲۲)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں: واما آنکہ نماز زن اگرچہ تنہا یا باز ناں یا باشوہر یا دیگر محارم باشد بے ستر تمام عورت صحیح نیست پس غیر مسلم ست (بدور الاھلۃ صفحہ ۳۹)۔

نواب نور الحسن خاں لکھتے ہیں واز ینجا دریافتہ باشی کہ ہر کہ چیزی از عورتش در نماز نمازیاں شد یا در جامۂ ناپاک نماز گزارد نمازش صحیح ست (عرف الجادی صفحہ ۲۲)۔

نوٹ: ناظرین حضرات فیصلہ فرمائیں کہ غیر مقلدین کیسے عامل بالحدیث ہیں جبکہ آیت قرانی اور صحیح صریح احادیث کے مخالف ہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۲۴) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ فجر کی نماز اسفار میں پڑھنا

افضل ہے، حضور علیہ السلام کا معمول فجر کی نماز اسفار ہی میں پڑھنے کا تھا، اور آپؐ نے فجر کی نماز اسفار ہی میں پڑھنے کی تاکید بھی فرمائی ہے۔ اور فجر کی نماز اسفار میں پڑھنے کو بڑے اجر کا باعث بھی بتلایا ہے (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۰، نسائی جلد ۱ صفحہ ۶۵، مسند ابی یعلی جلد ۷ صفحہ ۷۶، نصب الرایہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۹)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا ہی افضل ہے (دستور المتقی صفحہ ۸۰، فتاوی علمائے حدیث جلد ۱ صفحہ ۱۵۵)۔

احناف کی دلیل: عن برزة اسلمیؓ ان النبی ﷺ کان یتنفل من صلوٰة الغداة حین یعرف الرجل جلیسه–

عن رافع بن خدیجؓ قال سمعت رسول الله ﷺ یقول اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر– (ترمذی جلد ۱ صفحه ٤٠).

معجم طبرانی، کامل بن عدی، مصنف عبدالرزاق، مستدرک حاکم میں حضرت بلالؓ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا نور بصلوٰة الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلهم من الاسفار (تلخیص الحبیر جلد:۱، صفحہ:۱۸۳)

عن محمد بن لبیدؓ عن رجال من قومه من الانصار ان رسول الله ﷺ قال مااسفرتم بالصبح فانه اعظم للاجر (نسائی جلد ۱ صفحه ٦٥).

عن بیانؓ قال قلت لانسؓ حدثنی بوقت رسول الله ﷺ فی الصلوٰة قال کان یصلی الظهر عند دلوك الشمس ویصلی العصر بین صلوٰتیکم الاولی والعصر وکان یصلی المغرب عند غروب الشمس ویصلی العشاء عند غروب الشفق ویصلی الغداة عند الفجر حین یفتتح البصر کل مابین ذلك

وقت او قال صلوٰۃ – وروی ابن حبان اصبحوا بالصبح فانکم کلما اصبحتم بالصبح کان اعظم لاجورکم موارد الظمأن صفحه: ٢٦٣، مسند ابی یعلی جلد ٧ صفحه ٧٦.

حدثنا المعتمر سمعت بیانا اباسعید قال سمعت انسا یقول کان رسول الله ﷺ یصلی الصبح حین یفسخ البصر رواه الامام ابومحمد القاسم ثابت السرقسطی فی کتاب غریب الحدیث وقال یقال فسخ البصر وانفسخ اذا رأی الشئ من بعد یعنی به اسفار الصبح – نصب الرایه جلد ١ صفحه ٢٣٩).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں: فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے (دستور المتقی صفحہ ۸۰)۔

غیر مقلدین کا ایک فتویٰ ملاحظہ فرمائیں آنحضور ﷺ اور خلفائے راشدین ہمیشہ غلس (اندھیرے) میں فجر کی نماز پڑھتے رہے (فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۲ صفحہ ۱۵۵)۔

نوٹ: توجہ فرمائیں، کہ مسئلہ ہذا میں غیر مقلدین امام شافعیؒ، امام احمد اور اسحاق ابن راہویہ کی تقلید کرتے ہوئے تغلیس والی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور حنفی حضرات عامل بالحدیث ہونے کی وجہ سے حدیث تغلیس اور حدیث اسفار دونوں پر عمل کرتے ہیں، لہذا امام محمدؒ فرماتا ہے کہ فجر کی نماز غلس میں شروع کرے اور اسفار میں ختم کرے لہذا دونوں حدیث پر عمل ہوجائے گا، البتہ حدیث اسفار حدیث تغلیس پر چند وجوہ سے ترجیح پاتی ہے، کیونکہ حدیث تغلیس کان رسول الله ﷺ یصلی الصبح فینصرف النساء متلفعات دوسری حدیث میں ہے متلفعات بمروطهن ثم یرجعن الی اهلهن ومایعرفهن احد ایاای مایعرفن من

الـغلس تو حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ عورتیں چادریں لپٹی ہوئی آتی تھیں لہذا انہیں کوئی پہنچانتا نہیں تھا، کسی راوی نے یہ سمجھا تھا کہ یہ پہنچانا غلس کیوجہ سے تھا، لہذا مـا یـعـرفن من الـغلس یہ حدیث کا لفظ نہیں، بلکہ راوی کا لفظ اور اس پر امام طحاوی کی روایت بھی دلالت کرتی، کیونکہ اس روایت میں وما یعرفہن احد ہے، من الغلس لفظ نہیں۔

اور ابن ماجہ کی روایت میں تعنی من الغلس سے یہ بالکل صاف ہوگیا ہے کہ "من الغلس" لفظ راوی کیطرف سے مندرج ہے نہ لفظ حدیث، تو سمجھا گیا کہ نہ پہنچانا جانے کی وجہ چادر ہے نہ کہ غلس۔

(ب) اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ اصل حدیث میں من الغلس موجود ہے تب بھی اس سے استدلال تام نہیں ہوتا، کیونکہ اس صورت میں بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ دراصل اس زمانہ میں مسجد نبوی کی دیواریں چھوٹی تھیں چھت نیچی تھی، اور اس میں کھڑکیاں بھی نہیں تھیں، اسلئے اسفار کے بعد بھی وہاں پر اندھیرا رہتا تھا جس کی وجہ سے عورتیں نہ پہنچانی جاتی تھیں۔

شوافع نے حضرت ابو مسعود انصاری والی روایت جس کو امام ابوداؤد اور امام طحاویؒ نے روایت کی ہے "ان رسـول الـلـه ﷺ صلی الغداة فغلس بها ثم صلاها فاسفر ثـم لم يعد الى الاسفار حتى قبضه الله عزوجل وفي رواية ابى داؤد وصلى الـصبـح مـرة بغلس ثم صلى مرة اخرى فاسفر بها ثم كانت صلوٰة بعد ذلك التغليس حتى مات لم يعد الى ان يسفر" سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

احناف اور مالکیہ اسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ دراصل یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے اور اس کے مواقیت والے حصہ کو خود امام ابوداؤدؒ نے معلول قرار دیا ہے، اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس حدیث کو امام زہریؒ سے اسامہ بن زید کے علاوہ معمر، امام مالک، سفیان بن عیینہ، شعیب بن ابی حمزہ، لیث بن سعد اور دوسرے حفاظ نے بھی روایت کیا ہے، لیکن اس میں سوائے

اسامہ بن زید لیثی کے کسی نے بھی مواقیت والا حصہ روایت نہیں کیا یہ صرف اسامہ بن زید لیثی کا تفرد ہے، لہذا ان کی یہ روایت دوسرے ائمہ کی روایات کے مقابلہ میں معلول ہے، کیونکہ اسامہ بن زید کو ثقہ بھی مان لیا جائے تب بھی دوسرے رواۃ ان سے زیادہ اوثق ہیں، اسکے علاوہ اسی حدیث میں ظہر کی نماز کے بارے میں یہ وارد ہے ربما اخرها الظهر اذا اشتد الحر حالانکہ امام شافعیؒ اسے تسلیم نہیں کرتے، لہذا حنفیہ کے صریح اور صحیح مستدلات کے مقابلہ میں یہ روایت حجت نہیں ہو سکی۔

شوافع یہ بھی استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ غلس میں نماز پڑھا کرتے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ شافعیہ کا استدلال اس وقت تمام ہو سکتا ہے جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ حضرات غلس میں شروع کر کے غلس ہی میں ختم کرتے تھے، اور یہ ثابت نہیں، بلکہ اس کے برعکس ثابت ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبۃ میں روایت ہے، "عن انسؓ ان ابابکر قرأ فی صلوٰة الصبح بالبقرة فقال له عمر حین فرغ کربت الشمس ان تطلع قال لو اطلعت لم تجدنا غافلین. نسائی باب الاسفار۔

☆ **مسلک حنفی:** (۲۵) احادیث سے ثابت ہے کہ ظہر کی نماز گرمیوں میں تاخیر سے پڑھنی چاہئے، اور سردیوں میں جلدی، حضور ﷺ کا یہی معمول تھا اور اسی کا آپ نے حکم دیا ہے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۷۷، مسلم صفحہ ۲۲۴، نسائی جلد ۱ صفحہ ۵۸)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن حضور ﷺ کے اس معمول کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ نماز ہر حالت میں (گرمی سردی کے فرق کئے بغیر) اول وقت میں پڑھنی افضل ہے۔ (فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۵۵۲)۔

احناف کی دلیل: عن انس بن مالکؓ قال کان رسول الله ﷺ اذا کان

الحر ابرد بالصلوٰة واذا کان البرد عجل (نسائی جلد ۱ صفحہ ۵۸)۔

عن ابی سعیدؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فیح جهنم – (بخاری جلد ۱ صفحہ ۷۷)۔

وعن انس بن مالکؓ قال کان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بکر بالصلوٰة واذا اشتد الحر ابرد بالصلوٰة۔ (بخاری جلد:۱، صفحہ: ۱۲۴)

عن ابی ذر الغفاریؓ قال کنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فاراد المؤذن ان یؤذن الظهر فقال النبی ﷺ ابرد حتی رأینا فیئ التلول فقال النبی ﷺ ان شدة الحر من فیح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوٰة ۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۷۷، مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۲۴)۔

غیر مقلدین کی دلیل: ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں: نماز ہر حالت میں اول وقت پڑھنی افضل ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱، صفحہ ۵۵۳)۔

نوٹ: مسئلہ ھذا میں غیر مقلدین شوافع کی تقلید کرتے ہیں، اور شوافع حضرات حدیث ترمذی کان اشد تعجیلا بالظهر سے استحباب تعجیل ظہر کے قائل ہیں، جبکہ حنفیہ اور حنابلہ نے بخاری وغیرہ کی روایت سے تعجیل والی حدیث پر تطبیق دی ہے کہ سردی میں تعجیل اور گرمی میں تاخیر مستحب ہے، لہٰذا احناف دونوں حدیث پر عمل کرنے والے ہیں جبکہ غیر مقلدین ایک حدیث پر عمل کرتے ہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۲۶) حضور علیہ السلام کے فرمان سے ثابت ہے کہ تین اوقات میں کوئی بھی نماز نہ پڑھنا، ان اوقات میں نماز جائز نہیں (مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۷۶)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن نام نہاد اہل حدیث کہہ رہے ہیں کہ ان تینوں اوقات میں اور

مطلق نوافل جمعہ کے دن زوال کے وقت پڑھنے جائز ہیں۔ (نزل الابرار جلد ا صفحہ ۱۲۷، فتاوی ثنائیہ جلد ا صفحہ ۵۴۴)۔

احناف کی دلیل: عن عقبة بن عامر الجهنیؓ یقول ثلث ساعات کان رسول الله ﷺ ینهانا ان نصلی فیهن او ان نقبر فیهن موتانا حین تطلع الشمس بازغة حتی ترتفع وحین یقوم قائم الظهیرة حتی تمیل الشمس وحین تضیف الشمس للغروب حتی تغرب (مسلم جلد اول صفحہ ۲۷۶)۔

وفی الترمذی نهی عن الصلوٰة بعد العصر متی تغرب الشمس وبعد الصبح حتی تطلع الشمس —

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: ومنها تحية المسجد وهی مشروعة فی جمیع الاوقات حتی فی الاوقات المنهی عن الصلوٰة فیها الخ (نزل الابرار جلد ا صفحہ ۱۲۷)۔

ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں: مگر زوال کے وقت جمعہ کے روز نفل وغیرہ پڑھنی جائز ہے۔ (فتاوی ثنائیہ جلد ا صفحہ ۵۴۴)۔

نوٹ: غیر مقلدین اس مسئلہ میں بھی شوافع کی تقلید کرتے ہیں، کیونکہ شوافع ان اوقات ثلاثہ میں فرائض اور نوافل سب کو جائز کہتے ہیں مذکورہ صریح صحیح احادیث کے خلاف، جبکہ احناف احادیث کے درمیان تطبیق دیکر سب حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۲۷) آیات کریمہ اور احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ حج کے موقعہ پر مزدلفہ اور عرفات کے علاوہ بغیر کسی عذر شرعی کے دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا جائز نہیں۔ (القرآن، مسلم جلد ا صفحہ ۲۱۷، ۲۳۰، ۲۳۹، طحاوی صفحہ ۱۱۴، ترمذی جلد ا صفحہ ۴۸ مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۴۵۹)۔

مسلک غیر مقلدین: اور نام نہاد اہل حدیث کے نزدیک بغیر کسی عذر، بغیر کسی سفر اور بغیر بارش کے بھی دو نمازوں کو اکٹھے پڑھنا جائز ہے، تفریق افضل ہے۔ اور عذر کی ضرورت تو دور ہے بلکہ کھیل کود اور دنیاوی نوکری کی وجہ سے بھی جمع بین الصلوتین جائز ہے۔ (فتاوی ثنائیہ صفحہ ۶۳۱، ہدیۃ المہدی جلد اصفحہ ۱۰۹، نزل الابرار جلد اصفحہ ۵۷)۔

احناف کی دلیل: ان الصلوٰة كانت على المؤمنين كتبا موقوتا: پ ٤: ١٠٣۔ (سورہ نساء)

فويل للمصلين الذين هم عَن صلاتهم ساهون، (سورہ ماعون)

حافظوا على الصلوات والصلوٰة الوسطى — (سورۂ بقره :٢٣٨)

عن عبد اللهؓ قال كان رسول الله ﷺ يصلى الصلوٰة لوقتها الا بجمع وعرفات (نسائى جلد ٢ صفحه ٣٦)۔

عن عبد اللهؓ قال ماراَيت رسول الله ﷺ صلى صلاة الا لميقاتها الا صلاتين صلوٰة المغرب والعشاء بجمع وصلى الفجر يومئذ قبل ميقاتها (مسلم جلد ١ صفحه ٤١٧)۔

عن ابى قتادةؓ (فى حديث طويل) ان رسول الله ﷺ قال اما انه ليس فى النوم تفريط انما التفريط على من لم يصل الصلوٰة حتى يجئ وقت الصلوٰة الاخرىٰ الحديث (مسلم جلد ١ صفحه ٢٣٩)۔

عن ابى ذرؓ قال قال لى رسول الله ﷺ كيف انت اذا كانت عليك امراء يؤخرون الصلوٰة عن وقتها او يميتون الصلوٰة عن وقتها قال قلت فماتأمرنى قال صلى الصلوة لوقتها فان ادركتها معهم فصلى فانها لك نافلة — (مسلم جلد ١ صفحه ٢٣٠)۔

عن ابی موسی انه قال الجمع بین الصلوٰتین من غیر عذر من الکبائر (مصنف ابن ابی شیبة جلد ۲ صفحه ٤٥٩).

عن طاؤس عن ابن عباسؓ قال لایفوت صلوٰة حتی یجئ وقت الاخری– (طحاوی جلد ۱ صفحه ١١٤).

عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ قال من جمع بین الصلوٰتین من غیر عذر فقد اتی بابا من الکبائر – (ترمذی جلد ۱ صفحه ٤٨، مستدرک حاکم جلد ۱ صفحه ۲۷۵).

قال محمد بلغنا عمرؓ بن الخطاب انه کتب فی الافاق ینهاهم ان یجمعوا بین الصلوٰتین ویخبرهم ان الجمع بین الصلوٰتین فی وقت واحد کبیرة من الکبائر– (مؤطا امام محمد صفحه ۱۲۹).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: ویجوز الجمع بین صلوٰتی الظهر والعصر وکذلک بین المغرب والعشاء جمع تقدیم او تاخیر بسفر او عذر او مرض اوحاجة من حوائج الدنیا والاٰخرة (نزل الابرار جلد ا صفحہ ۵۷)۔ مزید لکھتے ہیں: الجمع بین الصلوٰتین من غیر عذر ولاسفر ولا مطر جائز عند اهل الحدیث، والتفریق افضل واشترط بعضهم ان لا یتخذوه عادة ورواه الامامیة فی کتبهم عن العترة الطاهرة–(ھدیۃ المہدی جلد ا صفحہ ۱۰۹)۔

نوٹ: جمع بین الصلوتین کے مسئلہ میں غیر مقلدین بنام اہل حدیث قرآن اور صحیح صریح احادیث اور تمام ائمہ کے خلاف کہتے ہیں کہ بغیر کسی عذر کے جب بھی چاہے جہاں بھی چاہے دو نماز کو جمع کر سکتا ہے۔

حالانکہ اس پر ائمہ کا اتفاق ہے کہ بغیر کسی عذر کے جمع بین الصلوتین جائز نہیں ہے پھر عذر کی تفصیل میں یہ اختلاف ہے کہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک کہ سفر اور مطر عذر ہے، اور امام احمدؒ کے نزدیک مرض بھی عذر ہے، پھر سفر میں بھی امام شافعیؒ پوری مقدار سفر کو عذر قرار دیتے ہیں جبکہ امام مالکؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مطلق حالت سیر بھی کافی نہیں، بلکہ جب کسی وجہ سے تیز رفتاری ضروری ہو تب جمع بین الصلوتین جائز ہوگی ورنہ نہیں، اب جن روایات سے جمع بین الصلوتین پر استدلال کرتا ہے ان روایات کے الفاظ بھی دلالت کرتے ہیں، کہ سیر سفر وغیرہ جو کہ عذر جمع بین الصلوتین ہے، یہ کون سی جمع ہے؟ (یعنی کیا جمع حقیقی یا جمع صوری؟) جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

عن عبد الله بن عمرؓ قال رأيت النبي ﷺ اذا اعجله السير في السفر يؤخر صلوٰة المغرب حتى يجمع بينها وبين العشاء قال سالم وكان عبد الله بن عمرؓ يفعله اذا اعجله السير يقيم المغرب فيصليها ثلاثا ثم يسلم ثم قلما يلبث حتى يقيم العشاء اور ابوداؤد کی روایت ان ابن عمرؓ قال الصلوٰة سر سر حتى اذا كان قبل غيوب الشفق نزل فصلى المغرب ثم انتظر حتى غاب الشفق فصلى العشاء ثم قال ان رسول الله كان اذا اعجل به امر صنع مثل الذي صنعت...... عبد الله بن العلاء عن نافع قال حتى اذا كان عند ذهاب الشفق نزل فجمع بينهما وروى مسلم عن ابن عباسؓ قال صليت مع النبي ﷺ ثمانيا جميعا وسبعا جميعا قلت يا ابا الشعثاء اظنه اخر الظهر وعجل العصر واخر المغرب وعجل العشاء قال وانا اظن ذلك۔

احناف پر قربان ہو اور اللہ تعالیٰ ائمہ احناف کے قبروں کو اپنی رحمت سے بھرپور کرے جمع صوری اور جمع حقیقی سے تقسیم فرما کر تمام احادیث پر عمل کر رہے ہیں، جس جمع صوری کو دیگر ائمہ نے بھی بعض صورتوں میں ماننے پر مجبور ہو گیا عن ابن عباسؓ قال جمع

رسول الله ﷺ بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء بالمدینة من غیر خوف ولا مطر اس میں دوسرے ائمہ بھی جمع صوری مراد لینے پر مجبور ہیں، صرف احمد بن حنبلؒ نے اسے حالت مرض پر محمول فرمایا ہے، البتہ اس سے مراد جمع صوری ہونے پر یہ دلیل بھی ہے کہ جب ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ یہاں جمع بین الصلوٰتین کا مقصد کیا تھا تو انہوں نے فرمایا ان لاتحرج امته اگر اس کا سبب مرض ہوتا تو حضرت ابن عباسؓ اسے ضرور بیان فرماتے اسی لئے حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اعتراف کیا ہے کہ اس روایت میں جمع صوری ہی مراد لینا بہتر ہے، اور حقیقت بھی یہ ہے کہ حدیث مذکور کی توجیہ کا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں اور جب اس روایت میں جمع صوری مراد لی جائیگی تو دوسری روایات کو بھی لامحالہ جمع صوری پر محمول کیا جائیگا۔ (والتطویل فی شروح الحدیث)

☆ **مسلک حنفی:** (۲۸) (احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ اقامت کے کلمات اذان کی طرح دو دو ہی ہیں، اس سے زیادہ کیا صراحت ہوگی کہ صحابی رسول اللہ انہیں اقامت میں سترہ کلمات ہی سکھائے ہیں ظاہر ہے اقامت میں سترہ کلمات اسی صورت میں ہو سکتے ہیں کہ شروع ۴ تکبیرات کے علاوہ باقی تمام کلمات کو دو دو دفعہ کہا جائے، دور رسالت وخلافت میں اقامت اذان کی طرح ہی کہی جاتی رہی۔ صحابہ وتابعین اسی پر عمل کرتے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۳، صحیح ابی عوانہ جلد ۱ صفحہ ۳۳۱، ابن ماجہ صفحہ ۵۲، ابوداؤد صفحہ ۷۳، طحاوی جلد ۱ صفحہ ۷۳-۹۵، خلافیات بیہقی جلد ۱ صفحہ ۱۱۵)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن اس سب کے باجود غیر مقلدین دور رسالت وخلافت کے اس عمل کو پسند نہیں کرتے، البتہ جس فعل کو بقول حضرت مجاہدؒ بعض امراء نے ایجاد کیا تھا، یعنی کلمات اقامت کو ایک ایک دفعہ کہنا اسے افضل قرار دیتے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ اس بات کا

دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ اذان بلا ترجیع اور دوہری اقامت کا احادیث میں نام ونشان نہیں ملتا۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۵۲۸، حاشیہ صلوٰۃ النبی صفحہ ۱۰۶)۔

احناف کی دلیل: عن عبد الرحمان بن ابی لیلیٰؒ قال حدثنا اصحاب رسول الله ﷺ ان عبد الله بن زيد الانصاری جاء الى النبی ﷺ فقال يا رسول الله رأيت فی المنام كأن رجلا قام وعليه بردان اخضران علی جِذْمَةِ حائط فاذن مثنی واقام مثنی وقعد قعدة قال فسمع ذلك بلال فقام فاذن مثنی واقام مثنی وقعدقعدة– (مصنف ابن ابی شيبة جلد ۱ صفحه ۲۰۳).

عن عبد الرحمان بن ابی ليلی قال حدثنی اصحاب محمد ﷺ ان عبد الله بن زيد الانصاری رأى فی المنام الاذان، فاتی النبی ﷺ فاخبره فقال علمه بلالا فاذن مثنی واقام مثنی مثنی وقعد قعدة–(طحاوی جلد ۱ صفحه ۹۳).

عن ابی العميس قال سمعت عبد الله بن محمد بن عبد الله بن زيد الانصاریؒ يحدث عن ابيه عن جده انه اری الاذان مثنی مثنی والاقامة مثنی مثنی قال فاتيت النبی ﷺ فاخبرته فقال علمهن بلالا قال فتقدمت فامرنی ان اقيم (خلافيات بيهقی بحواله دراية جلد ۱ صفحه ۱۱۵).

عن الشعبی عن عبد الله بن زيد الانصاری قال سمعت اذان رسول الله ﷺ فكان اذانه واقامته مثنی مثنی – (صحيح ابی عوانه جلد ۱ صفحه ۳۳۱).

عن ابی محذورة قال علمنی رسول الله ﷺ الاذان تسع عشرة کلمة والاقامة سبع عشرة کلمة الاذان ” الله اکبر، الله اکبر – والاقامة سبع عشرة کلمة ” الله اکبر، الله اکبر، الله اکبر، الله اکبر، اشهد ان لااله الا الله، اشهد ان لااله الا الله، اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله، حی علی الصلوٰة، حی علی الصلوٰة، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، قد قامت الصلوٰة، قد قامت الصلوة، الله اکبر الله اکبر، لااله الاالله – (ابن ماجه صفحه ۵۲، ابوداؤد صفحه ۷۳).

عن عبد العزیز بن رفیع قال سمعت ابا محذورة یؤذن مثنی مثنی ویقیم مثنی مثنی (طحاوی جلد ۱ صفحه ۹۵).

عن الاسود بن یزید ان بلالا کان یثنی الاذان ویثنی الاقامة وکان یبدأ بالتکبیر ویختم بالتکبیر – (مصنف عبد الرزاق جلد ۱، صفحه ۴۲۲، طحاوی جلد ۱ صفحه ۹۴، دار قطني جلد ۱ صفحه ۲۴۲).

عن سوید بن غفلة قال سمعت بلالا یؤذن مثنی ویقیم مثنی – (طحاوی جلد ۱ صفحه ۹۴).

غیر مقلدین کی دلیل: ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں: تکبیر کے ہر ایک کلمہ کو ایک ایک مرتبہ کہنا سوائے قد قامت الصلوٰۃ کے افضل ہے، زید بن عبد کے تلقین شدہ کلمات ایسے ہی منقول ہیں۔ (فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۵۳۸)۔

محمد سلیمان گیلانی صاحب لکھتے ہیں: باقی رہی یہ تیسری صورت کہ اذان بغیر ترجیع کے ہو اور اقامت دوہری ہو تو حدیث سے اس کا نام ونشان نہیں ملتا۔ معلوم نہیں دوستوں نے اسے کہاں سے ایجاد کر لیا (حاشیہ صلوٰۃ النبی مرتبہ خالد گرجاکھی صفحہ ۱۰۶)۔

نوٹ: کلمات اقامت کے بارے میں جو اختلاف ہے یہ اگرچہ جواز وعدم جواز کا نہیں، بلکہ محض راجح ومرجوح کا ہے تب بھی یہ ظاہر کہ نام نہاد اہل حدیث جو تقلید سے بالاتر کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس مسئلہ میں شافعیہ اور حنابلہ کی تقلید کرتے ہیں اور وہ ترمذی کی روایت "ویوتر الاقامۃ" سے استدلال کرتے ہیں اور حنفیہ سب تشفیع والی روایات (سترہ کلمات والا پر عمل کرتا ہے، تو دونوں حدیث پر عمل ہوگیا، کیونکہ سترہ میں گیارہ تو ہے ہی، یہ بھی واضح ہو کہ احناف نے سترہ کلمات والی روایت کو ترجیح دی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زیدؓ کی روایت جواز ان واقامت کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے اس میں تشفیع ثابت ہے کہ دوسرے حضرت بلالؓ کا آخری عمل شفیع اقامت تھا، پھر حضرت بلال کی اقامت کے بارے میں دونوں روایت میں تعارض واقع ہوتا ہے تو ہم نے حضرت ابومحذورہ کی اقامت کو دیکھا تو وہ سترہ کلمات پر مشتمل تھی اور حضرت ابومحذورہ کی جو روایت افراد اقامت کے سلسلہ میں مروی ہے وہ ضعیف ہے شروحات حدیث کو مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ ابتداء میں ایثار پر عمل پیرا تھے، بعد میں تشفیع پر عمل کرتے تھے جب شوید بن غفلہ کی روایت سمعت بلالا یؤذن مثنی ویقیم مثنی قرینہ ہے، دوسرا قرینہ ابومحذورہؓ کی روایت ہے، کیونکہ وہ ۹ھ میں اسلام لائے ہیں، اسلئے ظاہر ہے کہ حضرت بلال کا آخری عمل قابل ترجیح ہے۔

اوبراذان میں ترجیع کا اختلاف بھی افضلیت اور غیر افضلیت کی بناء پر ہے چنانچہ حنفیہ کے نزدیک بھی ترجیع جائز ہے، اور امام سرخسی اور بعض دوسرے فقہاء حنفیہ نے ترجیع کو جو مکروہ لکھا ہے اس سے مراد خلاف اولیٰ ہے، البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ غیر مقلدین اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کی تقلید کرتے ہیں، جبکہ وہ تقلید کے منکر ہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۲۹) احادیث وآثار اور اقوال ائمہ مجتہدین سے ثابت ہے کہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا مسنون ہے، خلفائے راشدین تمام صحابہؓ

کرام تابعین عظام اور تبع تابعین بھی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہی دونوں کانوں تک رفع یدین کرتے تھے۔ (صحیح ابی عوانہ جلد۲ صفحہ ۹۰، مسند حمیدی جلد۲ صفحہ ۲۷۷، نصب الرایہ جلد۱ صفحہ ۴۰۴، ترمذی جلد۱ صفحہ ۵۹، ابوداؤد جلد۱ صفحہ ۱۰۹، نسائی جلد۱ صفحہ ۱۱۷، مسند احمد جلد۱ صفحہ ۳۸۸، شرح معانی الاثار للطحاوی جلد۱ صفحہ ۱۵۶)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار اور اقوال ائمہ مجتہدین اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ ہاتھ کندھوں تک اٹھانا چاہئیں۔ (صلاۃ النبی صفحہ ۱۵۲، اہل حدیث کے دس مسئلے صفحہ ۲۸)۔

احناف کی دلیل: عن البراء بن عازب قال كان النبی ﷺ اذا كبر رفع يديه حتى نرى ابهاميه قريبا من اذنيه (مسند احمد ج ٤، ص ٣٠٣).

عن البراء بن عازبؓ قال رأيت رسول الله ﷺ حين قام الى الصلوٰة فكبر ورفع يديه حتى ساوى بهما اذنيه ثم لم يعد — (دار قطنى جلد ١ صفحه ٢٩٤).

وفى ابى داؤد جلد: ١، صفحه: ١٠٩ عن البراء بن عازبؓ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا افتتح الصلوة رفع يديه الى قريب من اذنيه ثم لايعود.

عن البراء بن عازبؓ قال كان النبى ﷺ اذا كبر لافتتاح الصلوة رفع يديه حتى يكون ابهاماه قريبا من شحمتى اذنيه — (طحاوى جلد ١ صفحه ١٣٥).

عن انس قال رأيت رسول الله ﷺ كبر فحاذى بابهاميه اذنيه ثم

رکع حتی استقر کل مفصل منه وانحط بالتکبیر حتی سبقت رکبتاہ یدیه، ھذا اسناد صحیح علی شرط الشیخین ولااعرف له علة ولم یخرجاہ – (مستدرک حاکم جلد ۱ صفحه ۲۲٦، دارقطنی جلد ۱ صفحه ۳٤٥، سنن کبری بیهقی جلد ۲ صفحه ۹۹).

عن عبد الجبار بن وائل عن ابیهٖ انه ابصر النبی ﷺ حین قام الی الصلوٰۃ رفع یدیه حتی کانتا بحیال منکبیه وحاذی بابهامیه اذنیه ثم کبر – (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱۰۵).

عن عبد الجبار بن وائل عن ابیهٖ انه رأی النبی ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه حتی تکاد ابهاماہ تحاذی شحمة اذنیه – (نسائی جلد ۱ صفحه ۱۰۲).

عن وائل بن حجرؓ انه رأ النبی ﷺ رفع یدیه حین دخل فی الصلوۃ کبر وصف ابهاماہ حیال اذنیه الحدیث–(مسلم جلد۱ صفحه ۱۷۳).

غیر مقلدین کی دلیل: (۲) چنانچہ خالد گرجاکھی صاحب لکھتے ہیں اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھایئے (صلاۃ النبی صفحہ ۱۵۲)۔

امام خان نوشہروی لکھتے ہیں: تکبیر کے وقت دونوں ہاتھ کندھوں تک یا ذرا اور اوپر اٹھانا (اہل حدیث کے دس مسئلے صفحہ ۲۸)۔

☆ **مسلک حنفی:** (۳۰) احادیث سے ثابت ہے کہ دوران نماز ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا مسنون ہے، کیونکہ حضرت وائل رضی اللہ نے حضور ﷺ کو ناف کے نیچے ہی ہاتھ باندھے ہوئے دیکھا ہے حضرت علیؓ ناف کے نیچے ہی ہاتھ باندھنے کو سنت قرار دے رہے ہیں۔

حضرت انسؓ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کو اخلاق نبوت میں سے شمار کرتے ہیں، حضرت ابو ہریرہؓ اور جلیل القدر تابعین حضرت ابومجلبہ اور ابراھیم نخعیؒ اسی پر فتویٰ دے رہیں، حضرت سفیان ثوریؒ اور اسحٰق بن راہویہ اور ان جیسے دیگر بہت سے اکابر اسی کو اپناتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ جلد ا صفحہ ۳۹۱، کتاب الآثار للامام ابی حنیفہ صفحہ ۲۸ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۱، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۸۰، مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۵۰ محلی لابن حزم جلد ۳ صفحہ ۳۰)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کہتے ہیں کہ ہاتھ سینے پر باندھنے چاہئیں اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا نامناسب ہے، اور ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی دلیل بھی کوئی نہیں ہے۔ (دستور المتقی صفحہ ۹۷، نزل الابرار جلد ا صفحہ ۷۳، صلاۃ النبی صفحہ ۱۵۷)۔

احناف کی دلیل: عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابیہ قال رأیت النبی ﷺ وضع یمینه علی شماله فی الصلوٰة تحت السرة– (مصنف ابن ابی شیبه جلد ۱ صفحه ۳۹۰)۔

عن ابی جحیفة ان علیا قال من السنة وضع الکف علی الکف فی الصلوٰة تحت السرة– (ابوداؤد ونسخه ابن العربی جلد ۱ صفحه ۲۸۰، بیهقی جلد ۲ صفحه ۳۱، مسند احمد جلد ۱ صفحه ۱۱۰، مصنف ابن ابی شیبه جلد ۱ صفحه ۳۹۱، دار قطني جلد ۱ صفحه ۲۸۶)۔

عن ابی وائل قال قال ابوهریرة رضی الله عنه اخذ الاکف علی الاکف فی الصلوٰة تحت السرة– (ابوداؤد نسخه ابن العربی جلد۱ صفحه ۲۸۰، محلی ابن حزم جلد۳ صفحه ۳۰)۔

عن انس قال ثلث من اخلاق النبوة تعجيل الافطار وتاخير السحور ووضع اليد اليمنى على اليسرى فى الصلوٰة تحت السرة— (محلی ابن حزم جلد ۱ صفحه ۳۰)۔

ذكر الاثر: قال حدثنا ابوالوليد الطيالسي قال حدثنا حماد بن مسلمة عن عاصم الجحدرى عن عقبة بن صهبان سمع عليا يقول فى قول الله عزوجل فصل لربكِ وانحر قال وضع اليمنى على اليسرى تحت السرة (التمهيد جلد ۲ صفحه ۷۸)۔

قال ابن قدامة الحنبلي: وروى ذلك عن على وابى هريرة وابى مجلز والنخعى والثورى واسحٰق لماروى عن على انه قال من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة رواه الامام احمد وابوداؤد وهذا ينصرف الى سنة النبى ﷺ (المغنى جلد ۱ صفحه ۴۷۲)۔

لطیفہ: حکیم فیض عالم صاحب اس عمل پر استہزاء کرتے ہوئے یوں گوہرافشانی کرتے ہیں۔ یہاں ایک لطیفہ یاد آیا ہے کہ خلفاء بنی عباسی میں سے ہارون الرشید کا ایک نماز میں ازار بند کھل گیا اور اس نے سینے سے ہاتھ نیچے کرکے ازار بند سنبھال لیا، نماز سے فراغت کے بعد مقتدیوں نے حیرانی سے ہارون الرشید کے اس فعل کو دیکھا، قاضی ابویوسف صاحب نے فتویٰ دیا کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی صحیح ہے۔ (اختلاف امت کا المیہ صفحہ ۷۸)۔

محمد بن عبدالرحمٰن الشافعیؒ رقمطراز ہیں: واجمعوا على انه يسن وضع اليمين على الشمال فى الصلوٰة الا فى رواية عن مالك وهى المشهور انه يرسل يديه ارسالا وقال الاوزاعى التخيير واختلفوا فى محل وضع اليدين فقال ابوحنيفةؒ تحت السرة وقال مالك والشافعىؒ تحت صدره وفوق سرته وعن

احمد روایتان اشهرهما وهی التی اختارها الخرقی کمذهب ابی حنیفة.
(رحمة الامة فی اختلاف الائمة صفحه ۳۲).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ یونس دہلویؒ صاحب لکھتے ہیں دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے پہونچے پر رکھ کر سینہ پر ہاتھ باندھے (دستور المتقی صفحہ ۹۷)۔

نواب وحید الزماں لکھتے ہیں: ویضع الیمنی علی الیسری ثم یضعهما علی صدره وهو المختار (نزل الابرار جلد ۱ صفحه ۷۳).

مولوی خالد گرجاکھی لکھتے ہیں: مذکورہ طریقہ کے مطابق سینہ پر ہاتھ باندھنا ہی صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ویسے ہی نامناسب معلوم ہوتا ہے۔ نیز زیر ناف ہاتھ باندھنے کی دلیل بھی کوئی نہیں (صلاۃ النبی صفحہ ۱۵۷)۔

نوٹ: اس مسئلہ میں غیر مقلدین امام شافعی کی تقلید کرتے ہیں، جبکہ حنفیہ اور سفیان ثوری اسحٰق ابن راہویہ اور ابو اسحٰق شافعی اور امام احمدؒ کی ایک روایت کے مطابق ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے اور شوافع کی سب سے بڑی دلیل وائل بن حجر والی روایت ہے جس میں شدید اضطراب ہے جو مسند بزار میں نقل کیا ہے عند صدرہ صحیح ابن خزیمہ میں نقل کیا ہے علی صدرہ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت کیا ہے تحت السرۃ، اب حنفیہ مذکورہ تمام احادیث اور آثار کے ساتھ ساتھ اس روایت کے آخری قول کو اختیار کیا، جبکہ شافعی پہلے دونوں کو اختیار کیا۔ (فافہم)

☆ **مسلک حنفی:** (۳۱) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ نماز میں تکبیر تحریمہ کے بعد سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالی جدك الخ پڑھنا مسنون اور افضل ہے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود یہی دعا پڑھتے تھے۔ اور صحابہ کو بھی اسی کی تعلیم فرماتے

تھے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے ظاہر ہے۔ چنانچہ خلفاء راشدین حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ سب یہی پڑھتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ اس کو اونچی آواز سے پڑھتا تھا، تاکہ لوگ سیکھ لیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہی ثنا پڑھنا افضل ہے۔ (طبرانی، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۰۷، نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۰۴، مستدرک حاکم جلد ۱ صفحہ ۲۳۵، ابوداؤد جلد اصفحہ ۱۱۳، دارقطنی صفحہ ۲۹۹)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث و آثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد اللھم باعد بینی الخ پڑھنا چاہئے، یہی راجح ہے، یہی افضل ہے (دستور المتقی صفحہ ۹۷، نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۷۴، صلاۃ الرسل صفحہ ۱۹۳)۔

احناف کی دلیل: عن انس (رضی الله عنه) عن النبی ﷺ انه كان اذا كبر رفع يديه حتى يحاذی اذنيه يقول سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولااله غيرك۔ رواه الطبرانی فی الاوسط ورجاله موثقون، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحه ۱۰۷)۔

عن حميدی الطويل عن انس بن مالك رضی الله عنه قال كان رسول الله ﷺ اذا استفتح الصلوٰة قال سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولااله غيرك (كتاب الدعاء للطبرانی جلد ۲ صفحه ۱۰۳٤، واسناده جيد، آثار السنن صفحه ۹۲)۔

عن ابی سعيدؓ ان النبی ﷺ كان اذاافتتح الصلوٰة قال سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولااله غيرك (نسائی جلد ۱ صفحه ۱۰٤)۔

عن ابی سعیدؓ قال کان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة قال سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالی جدك ولااله غیرك (نسائی جلد ۱ صفحه ۱۰٤).

عن ابن جریجؒ قال حدثنی من اصدق عن ابی بکر وعمرو عثمان وعن ابن مسعود رضی الله عنهم انهم کانوا اذا استفتحوا قالوا سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالی جدك ولااله غیرك قبل القرأة (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحه ۱۰٦).

عن عمر (رضی الله عنه) انه کان اذاکبر للصلوٰة قال سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالی جدك ولااله غیرك (دارقطنی جلد ۱ صفحه ۲۹۹).

غیر مقلدین کی دلیل: نواب وحید الزماں لکھتے ہیں: ویکفی فی دعاء الاستفتاح کل دعاء روی عن النبی والارجح فیه ان یقول اللهم باعد بینی الخ (نزل الابرار جلد ۱ صفحه ۷٤).

صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں: اس دعا (سبحانك اللهم) کی سند منقطع ہے، اس لئے بہ نسبت اس دعاء کے اوپر والی صحیحین کی دعا (اللهم باعد بینی) افضل ہے (صلاۃ الرسول صفحہ ۱۹۳)۔

یونس قریشی لکھتے ہیں: تکبیر تحریمہ کے بعد آہستہ سے یہ دعا پڑھیں، جو سب سے زیادہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔ اللهم باعد بینی الخ (دستور المتقی صفحہ ۹۷)۔

نوٹ: ذکر عند افتتاح الصلوٰۃ کے متعلق امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ تکبیر اور سورۂ فاتحہ کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں، بلکہ تکبیر کے بعد نماز کی ابتداء براہ راست سورۂ فاتحہ سے ہوتی ہے،

ان کا استدلال ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت سے ہے" کان رسول اللہ ﷺ وابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ یفتتحون القرأۃ بالحمد للہ رب العالمین" لیکن جمہور کے نزدیک تکبیر اور فاتحہ کے درمیان کوئی نہ کوئی ذکر مسنون ہے، امام مالکؒ کی دلیل کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آپ کی مستدل حدیث میں افتتاح سے مراد افتتاح قرأۃ جہریہ ہے، لہذا قرأۃ سریہ اس کے منافی نہیں۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ تکبیر اور سورۂ فاتحہ کے درمیان کون سا ذکر افضل ہے؟ شافعیہ کے نزدیک توجیہ افضل ہے یعنی انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض الخ پڑھنا افضل ہے اور حنفیہ کے نزدیک ثناء سبحانک اللھم افضل ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے اپنے مسلک پر قرآن کریم کی اس آیت سے استیناس کیا ہے جو سورۂ انعام میں آئی ہے، اور اس میں "وھذا اکبر بعد انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض" الخ مذکور ہے، اور امام ابوحنیفہؒ نے سورۂ طور کی اس ایت سے استیناس کیا ہے، جس میں ارشاد ہے "وسبح بحمد ربك حين تقوم الخ۔"

☆ **مسلک حنفی:** (۳۲) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نماز میں قرأۃ شروع کرتے وقت بسم اللہ آہستہ آواز سے ہی پڑھتے تھے، یہی معمول حضرات خلفاء راشدین، اور عامۂ صحابۂ کرام کا بھی تھا، یہ حضرات بسم اللہ آہستہ آواز ہی سے پڑھتے تھے، اور اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھنے کو صحیح نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کو گنوار قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے گنواروں کا فعل قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے صاحبزادے نے ایک مرتبہ اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھی تو آپ نے اس سے روکا اور فرمایا کہ بدعت ہے، اور بدعت سے بچو، اسی طرح حضرت ابراھیم نخعیؒ اور حضرت امام وکیعؒ نے بھی

اسے بدعت قرار دیا۔ حضرت سفیان ثوریؒ آہستہ آواز سے بسم اللہ پڑھنے کو خود بھی افضل سمجھتے تھے، اور دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے تھے۔ آج بھی حرمین شریفین میں بسم اللہ آہستہ آواز ہی سے پڑھی جاتی ہے (مسلم جلد ا صفحہ ۱۷۲، نسائی جلد ا صفحہ ۱۰۵، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۰۸، بخاری جلد ا صفحہ ۱۰۳، معجم طبرانی جلد ۹ صفحہ ۲۶۳، طحاوی جلد ا صفحہ ۱۴۰، ترمذی جلد ا صفحہ ۵۷)

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث و آثار کے خلاف عمل صحابہ و تابعین کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ جہری نماز میں بسم اللہ جہر کر کے پڑھنا بہتر ہے۔ (الروضۃ الندیہ جلد ا صفحہ ۱۰۱، عرف الجادی صفحہ ۳۶، دستور المتقی صفحہ ۹۲)۔

احناف کی دلیل: عن انس (رضی الله عنه) ان رسول الله ﷺ كان يسر بسم الله الرحمٰن الرحيم وابوبكرؓ وعمرؓ (رواه الطبرانی فی الكبير والاوسط ورجاله موثقون مجمع الزوائد جلد ۲ صفحه ۱۰۸).

عن انسؓ قال صليت خلف رسول الله ﷺ وابی بكر وعمر وعثمان رضی الله عنهم فلم اسمع احدا منهم يجهر بسم الله الرحمٰن الرحيم (نسائی جلد ۱ صفحه ۱۰۵).

عن انسؓ قال صليت مع رسول الله ﷺ وابی بكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فلم اسمع احدامنهم يقرأ بسم الله الرحمٰن الرحيم- (مسلم جلد۱ صفحه ۱۷۲).

عن انسؓ ان النبی ﷺ وابابكرؓ وعمرؓ كانوا يفتتحون الصلوة بالحمد لله رب العٰلمين (بخاری جلد ۱ صفحه ۱۰۳).

عن ابی وائل قال كان علیؓ وابن مسعودؓ لايجهران بسم الله الرحمٰن الرحيم ولا بالتعوذ ولا بأمين (معجم طبرانی كبير جلد ۹ صفحه ۲٦۳).

عن ابن عبد الله بن مغفلؓ قال سمعنی ابی وانا فی الصلوٰۃ اقول بسم الله الرحمٰن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاك والحدث قال ولم اری احدا من اصحاب رسول الله ﷺ کان ابغض الیه والحدث فی الاسلام یعنی منه وقال قد صلیت مع النبی ﷺ ومع ابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ فلم اسمع احدا منهم یقولها فلا تقبلها اذاانت صلیت فقل الحمد لله رب العٰلمین قال ابوعیسی حدیث عبد الله بن مغفل حدیث حسن والعمل علیه عند اکثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ منهم ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ وغیرهم ومن بعدهم من التابعین وبه یقول سفیان الثوری وابن المبارک واحمد واسحٰق لایرون ان یجهر بسم الله الرحمٰن الرحیم قالوا ویقولها فی نفسه (ترمذی جلد ۱ صفحه ۵۷).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں: والحاصل ان الحق ثبوت قراء تهاوانها آیة من کل سورة وانها تقرأ فی الصلوٰۃ جهرا فی الجهریة وسرا فی السریة— (الروضة الندیه جلد ۱ صفحه ۱۰۱).

نواب نورالحسن لکھتے ہیں: ودرنماز جہریہ بجہر ودر سریہ بسر باید خواند (عرف الجادی صفحہ ۳۶)۔

یونس دہلوی صاحب لکھتے ہیں: جہری نماز میں پکار کر اور سری نماز میں آہستہ سے پڑھنا بہتر ہے۔ (دستور المتقی صفحہ ۹۲)۔

نوٹ: اس مسئلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف یہ ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک تسمیہ سرے سے مشروع ہی نہیں، نہ جہرا نہ سرا، امام شافعیؒ کے نزیک تسمیہ مسنون ہے، اور صلوات جہریہ میں جہر کے ساتھ اور سریہ میں سر کے ساتھ پڑھا جائیگا، امام ابوحنیفہؒ امام احمدؒ اور امام اسحٰق کے نزدیک بھی

نسبہ مسنون ہے، البتہ اسے ہر حال میں سراً پڑھنا افضل ہے، خواہ صلوات جہری ہو یا سری اس مسئلہ میں بعض اہل ظاہر مثلاً ابن تیمیہ اور ابن قیمؒ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں، اور بعض محققین شافعیہ نے بھی اس مسئلہ میں حنفیہ کا مسلک اختیار کیا ہے، امام شافعیؒ کی سب سے مضبوط دلیل حضرت نعیم المجمر کی روایت جو امام نسائی نے سنن نسائی میں روایت کیا، صلیت وراء ابی ھریرۃؓ فقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم الخ حافظ زیلعیؒ نے اس روایت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اولاً تو یہ روایت شاذ اور معلول ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کے کئی شاگردوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے، لیکن سوائے نعیم المجمر کے کوئی بھی قرأۃ تسمیہ کا یہ جملہ نقل نہیں کرتا، اور اگر بالفرض اس کو معتبر بھی لیا جائے تب بھی یہ روایت شافعیہ کے مسلک پر صریح نہیں، کیونکہ قرأۃ کے لفظ سے بسم اللہ کی نفس قرأت ثابت ہوتی ہے نہ کہ اس کے جہر، اس لئے کہ قرأۃ کے لفظ میں قرأۃ بالسر بھی احتمال ہے، لہٰذا اس روایت سے شافعیہ کا استدلال تام نہیں۔

شافعیہ کی دوسری دلیل سنن دارقطنی میں حضرت معاویہؓ کا واقعہ ہے کما ان روی انس بن مالکؓ قال صلی بن معاویۃؓ بالمدینۃ صلوۃ............ فلم یصل بعد ذلک الاقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم الخ امام زیلعیؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اول تو یہ حدیث سنداً و متناً مضطرب ہے، اور ثانیاً یہ روایت کئی وجوہ سے معلول ہے، ایک تو اسلئے کہ حضرت انسؓ بصرہ میں رہتے تھے اور حضرت معاویہ کے قدوم مدینہ کے وقت ان کا مدینہ آنا ثابت نہیں دوسرے اسلئے کہ جس علماء مدینہ نے حضرت معاویہؓ پر اعتراض کیا وہ خود اخفاء تسمیہ کے قائل تھے، اور ان میں سے کوئی بھی ایسا معلوم نہ ہوسکا جو جہر کا قائل ہو، پھر وہ جہر کا مطالبہ کیسے کر سکتے تھے۔

شافعیہ کی تیسری دلیل مستدرک حاکم میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے قال کان رسول اللہ ﷺ یجھر ببسم اللہ الرحمن الرحیم حافظ زیلعی نصب الرایہ میں اس

روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں، قال الحاکم اسنادہ صحیح ولیس له علة اس روایت کا حافظ زیلعی نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ حدیث ضعیف بلکہ قریب موضوع ہے، اور حاکم کا اسے صحیح قرار دینا ان کے تساہل معروف کی بناء پر ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے بھی اس روایت کی تضعیف کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے ان کا یہ قول ثابت ہے، "الجهر ببسم الله الرحمٰن الرحیم قرأة الاعراب"۔

☆ **مسلک حنفی: (۳۳)** احادیث وآثار سے ثابت ہوتا ہے کہ نابالغ کا بالغوں کیلئے امام بننا جائز نہیں۔ اور نابالغ کے پیچھے بالغ کی نماز صحیح نہیں۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام آثار صحابہ وتابعین کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ نابالغ کی امامت جائز ہے، اور وہ بالغوں کی موجودگی میں امام بن سکتا ہے۔ اور بلوغیت کے اعتبار کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ (عرف الجادی صفحہ ۳۷، دستور المتقی صفحہ ۱۲۷)۔

احناف کی دلیل: عن ابن مسعودؓ قال لایؤم الغلام حتی تجب علیه الحدود– عن النبی علیه السلام قال "لاتقدموا صبیانکم اخرجه الدیلمی (کنزالعمال جلد ۷ صفحه ۵۸۸)

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب نور الحسن صاحب لکھتے ہیں: وصحیح است امامت طفل نابالغ نیست دلیل بر اعتبار بلوغ- عرف الجادی صفحہ ۳۷)۔

یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں: جوان اور بڑی عمر والے لوگوں کے ہوتے نابالغ لڑکا امام بنے تو جائز ہے، بشرطیکہ سب سے اچھا قرآن پڑھتا ہو۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۲۷)۔

نوٹ: حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ کے نزدیک امامۃ الصبی جائز نہیں، صبی کی نماز نفل ہے اور بالغ

کی نماز فرض ہے، اور فرض کی بناء نفل پر جائز نہیں، اگر دونوں نفل پڑھنے والا ہو تو بالغ کا نفل قوی اور نابالغ کا نفل ضعیف بناء القوی علی الضعیف درست نہیں۔ اور شوافع حضرات جواز امامۃ الصبی کیلئے استدلالاً عمرو بن سلمہ کی حدیث پیش کرتے ہیں "فکنت أومهم وانا ابن ثمان سنين" اس کا جواب یہ ہے شاید ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی وہ حدیث جن میں امامۃ الصبی کے متعلق منع کیا گیا نہیں پہونچی ہوگی۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ عمرو بن سلمہ والی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں، اور حدیث کا جزء "وكانت علی بردة كنت اذا سجدت تقلصت عنى الخ" سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں کشف عورت ہوتا تھا اور نماز میں کشف عورت جائز نہیں ہے باتفاق ائمہ وفقہاء حتی کہ امام شافعیؒ بھی اس کا قائل ہے تو شوافع حضرات حدیث کے اس جزء کا جو جواب دینگے ہم بھی وہی جواب دینگے، اور عمرو بن سلمہ کو امام بنانا صحابۂ کرام کے اجتہاد سے تھا، حضور ﷺ کا قول نہیں۔ پس یہ حدیث قابل حجت نہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۳۴) احادیث مبارکہ اور اقوال ائمہ مجتہدین سے ثابت ہے کہ نماز پڑھانے کے لئے امام بہتر سے بہتر شخص کو بنانا چاہئے، جسکے عقائد بھی صحیح ہوں۔ اور اعمال بھی درست ہوں۔ (معجم طبرانی جلد ۲۰ صفحہ ۲۲۹، سنن بیہقی جلد ۳ صفحہ ۹۰، ابن ماجہ صفحہ ۷۷)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن اس کے خلاف غیر مقلدین کے نزدیک بدعقیدہ، بدعمل، بد کردار رافضی، خارجی، معتزلی مرزائی سب کے پیچھے نماز جائز ہے۔ (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۹۷، کتاب الحدیث کتاب وال صفحہ ۸۹)۔

احناف کی دلیل: عن مرثدؓ بن ابی مرثد الغنوی وکان بدریا قال قال

رسول الله ﷺ ان سرکم ان تقبل صلوٰتکم فلیؤمکم خیارکم فانهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم (معجم طبرانی کبیر جلد ۲۰ صفحه ۲٦۹).

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ اجعلوا ائمتکم خیارکم فانهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم (سنن کبری بیهقی جلد ۳ صفحه ۹۰).

عن جابر بن عبد اللهؓ فی حدیث طویل قال قال رسول الله ﷺ الا لاتؤمن امرأة رجلا ولا یؤم اعرابی مهاجرا ولا یؤم فاجرمومنا الا ان یقهره بسلطان یخاف سیفه وسوطه (ابن ماجه صفحه ۷۷).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: فتجوز امامة الرافضی والخارجی والمعتزلی والمقلد (نزل الابرار جلد ۱ صفحه ۹۷).

نوٹ: علماء وفقہاء کا اتفاق ہے کہ امامت کیلئے متقی واعلم واقرأ مقدم ہوگا، اور نبی علیہ السلام کا عمل بھی اس پر دال ہے، کیونکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیمار بڑھ گیا تو اعلم واتقی وغیرہ کے اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امام بنایا جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں "وکان ابوبکر اعلم منا" (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۶)۔

☆ **مسلک حنفی: (۳۵)** احادیث وآثار اور اجماع امت اور فقہائے کرام کے اقوال سے ثابت ہے کہ مرد وعورت کی نماز ایک جیسی نہیں دونوں میں فرق ہے (۱) جیسے مرد تکبیر تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائینگے اور عورتیں کندھوں تک، جیسا کہ احادیث میں ہے مراکز اسلام مدینہ طیبہ میں امام زہری، مکۂ مکرمہ میں حضرت عطاء، اور کوفہ میں حضرت حمادؒ یہی فتویٰ دیتے تھے کہ عورت اپنے کندھوں تک ہاتھ اٹھائے، (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۹)۔

(۲) مردوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھیں گے اور عورتیں سینہ پر (۳) مرد سجدے میں

پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے جدا رکھیں گے اور عورتیں ملا کر۔(۴) مرد سجدے میں اپنے دونوں پاؤں پنجوں کے بل کھڑے اور دونوں پاؤں زمین سے جدا رکھیں گے، اور عورتیں دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر، اور بازو میں سے لگا کر سجدہ کریں گی۔(۵) مرد دونوں سجدوں کے درمیان نیز دونوں قعدوں میں دایاں پاؤں کھڑا کر کے اور بائیں پاؤں دائیں طرف نکال کر کولہوں پر بیٹھیں گے۔(۶) اگر عورتیں مردوں کے ساتھ جماعت مین شریک ہوں اور امام کو غلطی پر متنبہ کرنا پڑے تو مرد سبحان اللہ کہیں گے، اور عورتیں ہاتھ کی پشت پر مار کر متنبہ کریں گی، جیسا کہ حدیث شریف میں واضح ہے۔(۷) مرد کی نماز ننگے سر بھی ہو جائیگی، لیکن عورت کی نماز ننگے سر ہرگز نہیں ہوگی۔ (معجم طبرانی کبیر جلد ۲۲ صفحہ ۱۸، جزء رفع الیدین للامام البخاری صفحہ ۷، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۹، بیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۲۲، جامع المسانید جلد ۱ صفحہ ۴۰۰، بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۶۰، مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۸۰، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۸۵، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۹۴)

مسلک غیر مقلدین: لیکن احادیث وآثار، اجماع امت اور اقوال فقہاء کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں، یہ فرق کرنا مداخلت فی الدین ہے العیاذ باللہ۔(دستور المتقی صفحہ ۱۵۱، صلاۃ الرسول صفحہ ۱۹۰-۱۹۱)۔

سوال: حضرات غیر مقلدین سے ایک سوال ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں، تو پھر مندرجہ ذیل چیزوں کی عورتوں کو اجازت ملنی چاہئے۔ (۱) وہ اگر اپنی مسجد الگ بنانا چاہیے تو بنالیں۔(۲) اس میں وہ مؤذن، امام وخطیب بھی بننا چاہیں، تو بنیں۔(۳) انہیں اذان دینے کی اجازت ہونی چاہئے۔(۴) اقامت کی اجازت ہونی چاہئے۔(۵) مردوں کی امامت کی اجازت ہونی چاہئے (۶) مردوں کی طرح عورت کو بھی آگے آ کر امامت کرانی چاہئے درمیان میں کھڑے ہونے کی پابندی نہیں ہونی چاہئے۔(۷)

رسول الله ﷺ ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم خیارکم فانهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم (معجم طبرانی کبیر جلد ۲۰ صفحه ۲٦۹).

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ اجعلوا ائمتکم خیارکم فانهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم (سنن کبری بیهقی جلد ۳ صفحه ۹۰).

عن جابر بن عبد اللهؓ فی حدیث طویل قال قال رسول الله ﷺ الا لاتؤمن امرأة رجلا ولا یؤم اعرابی مهاجرا ولا یؤم فاجر مومنا الا ان یقهره بسلطان یخاف سیفه وسوطه (ابن ماجه صفحه ۷۷).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: فتجوز امامة الرافضی والخارجی والمعتزلی والمقلد (نزل الابرار جلد ۱ صفحه ۹۷).

نوٹ: علماء وفقہاء کا اتفاق ہے کہ امامت کیلئے متقی واعلم واقرأ مقدم ہوگا، اور نبی علیہ السلام کا عمل بھی اس پر دال ہے، کیونکہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بیمار بڑھ گیا تو اعلم واتقی وغیرہ کے اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امام بنایا جیسا کہ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں "وکان ابوبکر اعلم منا" (بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۶)۔

☆ **مسلک حنفی: (۳۵)** احادیث وآثار اور اجماع امت اور فقہائے کرام کے اقوال سے ثابت ہے کہ مرد وعورت کی نماز ایک جیسی نہیں دونوں میں فرق ہے (۱) جیسے مرد تکبیر تحریمہ کہتے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائینگے اور عورتیں کندھوں تک، جیسا کہ احادیث میں ہے مراکز اسلام مدینہ طیبہ میں امام زہری، مکۂ مکرمہ میں حضرت عطاء، اور کوفہ میں حضرت حمادؒ یہی فتویٰ دیتے تھے کہ عورت اپنے کندھوں تک ہاتھ اٹھائے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۹)۔

(۲) مرد دوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھیں گے اور عورتیں سینہ پر (۳) مرد سجدے میں

پیٹ رانوں سے اور بازو بغل سے جدا رکھیں گے اور عورتیں ملا کر۔(۴) مرد سجدے میں اپنے دونوں پاؤں پنجوں کے بل کھڑے اور دونوں پاؤں زمین سے جدا رکھیں گے، اور عورتیں دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر، اور بازو میں سے لگا کر سجدہ کریں گی۔(۵) مرد دونوں سجدوں کے درمیان نیز دونوں قعدوں میں دایاں پاؤں کھڑا کر کے اور بائیں پاؤں دائیں طرف نکال کر کولہوں پر بیٹھیں گے۔(۶) اگر عورتیں مردوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہوں اور امام کو غلطی پر متنبہ کرنا پڑے تو مرد سبحان اللہ کہیں گے، اور عورتیں ہاتھ کی پشت پر مار کر متنبہ کریں گی، جیسا کہ حدیث شریف میں واضح ہے۔(۷) مرد کی نماز ننگے سر بھی ہو جائیگی، لیکن عورت کی نماز ننگے سر ہرگز نہیں ہوگی۔ (معجم طبرانی کبیر جلد ۲۲ صفحہ ۱۸، جزء رفع الیدین للامام البخاری صفحہ ۷، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۲۳۹، بیہقی جلد ۲ صفحہ ۲۲۳، جامع المسانید جلد ۱ صفحہ ۴۰۰، بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۶۰، مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۸۰، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۸۵، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۹۴)

مسلک غیر مقلدین: لیکن احادیث و آثار، اجماع امت اور اقوال فقہاء کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں، یہ فرق کرنا مداخلت فی الدین ہے العیاذ باللہ۔(دستور المتقی صفحہ ۱۵۱، صلاۃ الرسول صفحہ ۱۹۰-۱۹۱)۔

سوال: حضرات غیر مقلدین سے ایک سوال ہے کہ غیر مقلدین کے نزدیک مرد و عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں، تو پھر مندرجہ ذیل چیزوں کی عورتوں کو اجازت ملنی چاہئے۔

(۱) وہ اگر اپنی مسجد الگ بنانا چاہیے تو بنالیں۔(۲) اس میں وہ مؤذن، امام و خطیب بھی بننا چاہیں، تو بنیں۔(۳) انہیں اذان دینے کی اجازت ہونی چاہئے۔(۴) اقامت کی اجازت ہونی چاہئے۔(۵) مردوں کی امامت کی اجازت ہونی چاہئے (۶) مردوں کی طرح عورت کو بھی آگے آ کر امامت کرانی چاہئے درمیان میں کھڑے ہونے کی پابندی نہیں ہونی چاہئے۔(۷)

مردوں کے ساتھ کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہئے ، اور سب سے پیچھے صف باندھنے کی کوئی پابندی نہیں ہونی چاہئے (۸) اونچی آواز سے قرأت اور اونچی آواز سے آمین کہنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ (۹) انہیں بھی ننگے سر نماز پڑھنے اور نیز کہنیاں اور ٹخنے کھول کر نماز پڑھنے کی اجازت ہونی چاہئے۔ (۱۰) ان کے لئے بھی جماعت میں شرکت کی ضرورت ہونی چاہئے (۱۱) ان پر بھی جمعہ وعیدین کی نماز واجب ہونی چاہئے، لیکن غیر مقلدین حضرات عورتوں کو ان امور کی اجازت نہیں دیتے، بلکہ مرد اور عورت میں فرق کرتے ہیں ہمیں بتلائے کہ ان امور میں فرق کرنا مداخلت فی الدین نہیں ہے؟ تو فقہائے کرام نے جن امور میں فرق بیان کیا ہے، ان میں فرق مداخلت فی الدین کیوں ہے، یاد رہے کہ اس مسئلہ میں غیر مقلدین نے ابن حزم ظاہری کی تقلید کی ہے۔

احناف کی دلیل: عن وائل بن حجرؓ قال قال لی رسول الله ﷺ یاوائل بن حجراذا صلیت فاجعل یدیك حذاء اذنیك والمرأة تجعل یدیها حذاء ثدییها – (معجم طبرانی کبیر جلد ۲۲ صفحه ۱۸)۔

عن ابن جریج قال قلت لعطاء تشیر المرأة بیدیها بالتکبیر کالرجل قال لا ترفع بذالك یدیها کالرجل واشار فخفض یدیه جدا وجمعهما الیه جدا وقال ان للمرأة هیئة لیست للرجل، الحدیث – مصنف ابن ابی شیبه جلد ۱ صفحه ۲۳۹)۔

عن یزید بن ابی حبیب انه ﷺ مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المرأة فی ذلك لیست کالرجل۔ (مراسیل ابی داؤد صفحه ۸، سنن کبری بیهقی جلد ۲ صفحه ۲۲۳)۔

عن ابن عمر رضی الله عنه مرفوعا اذا جلست المرأة فی الصلوٰة

وضعت فخذها على فخذها الاخرى فاذا سجدت الصقت بطنها فى بطنها فى فخذيها كاسترما يكون لها وان الله تعالى ينظر اليها ويقول يا ملائكتى اشهدكم انى قد غفرت لها– (كنز العمال جلد ۷ صفحه ۵۴۹).

عن ابى اسحق عن الحارث عن على رضى الله عنه وارضاه قال اذا سجدت المرأة فلتحتفز ولتضم فخذيها– (مصنف ابن ابى شيبه جلد۱ صفحه ۲۷۹، سنن كبرى، بيهقى، جلد ۲ صفحه ۲۲۲).

عن ابراهيم قال اذا سجدت المرأة فلتزق بطنها بفخذيها ولاترفع عجيزتها ولاتجافى كما يجافى الرجل – (مصنف ابن ابى شيبه جلد ۱ صفحه ۲۷۰، بيهقى جلد ۲ صفحه ۲۲۲).

عن مجاهد انه كان يكره ان يضع الرجل بطنه على فخذيه اذا سجد كما تضع المرأة – (مصنف ابن ابى شيبه جلد ۱ صفحه ۲۷۰).

عن ابن عمرؓ انه سئل كيف كان النساء يصلين على عهد رسول الله قال كن يتربعن ثم امرن ان يحتفزن (يعنى يستوين جالسات على اوراكهن) – جامع المسانيد جلد۱ صفحه ۴۰۰).

عن ابى هريرةؓ عن النبى ﷺ قال التسبيح للرجال والتصفيق للنساء– (بخارى جلد ۱ صفحه ۱۶۰، مسلم جلد ۱ صفحه ۱۸۰، ترمذى جلد ۱ صفحه ۸۵).

عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ لاتقبل صلوة الحائض الا بخمار (ترمذى جلد ۱ صفحه ۸۶ ابوداؤد ج–۱ صفحه ۹۴).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں: شریعت محمدی میں مرد و

عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں، بلکہ جس طرح مرد نماز پڑھتا ہے اسیطرح عورت کو بھی پڑھنا چاہئے (دستور المتقی صفحہ ۱۵۱)۔

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: عورتوں اور مردوں کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں، پھر اپنی طرف سے یہ حکم لگانا کہ عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں، اور مرد زیر ناف، اور عورتیں سجدہ کرتے وقت زمین پر کوئی اور ہیئت اختیار کریں۔ اور مرد کوئی اور یہ دین میں مداخلت ہے یاد رکھیں کہ تکبیر تحریمہ سے شروع کر کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے تک عورتوں اور مردوں کے لئے ایک ہیئت اور شکل کی نماز ہے سب کا قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسۂ استراحت، قعدہ اور ہر ہر مقام پر پڑھنے کی دعائیں یکساں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ذکور واناث کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں بتایا۔ (صلوٰۃ الرسول صفحہ ۱۹۰-۱۹۱)۔

☆ **مسلک حنفی: (۳۶)** احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ اگر فرائض واجبات اور سنن مؤکدہ تین یا چار رکعت والی ہوں تو پہلے قعدہ میں فقط تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جانا چاہئے، آگے کچھ نہیں پڑھنا چاہئے حضور کا معمول مبارک یہی تھا۔ آپ تین یا چار رکعت والی نماز میں پہلے قعدہ میں تشہد پڑھتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے، اور پہلا قعدہ دوسرے قعدہ کی نسبت بہت ہی معمولی سا کرتے تھے، حتی کہ صحابۂ کرام کہتے ہیں ایسے لگتا تھا جیسا کہ آپ جلتے توے یا گرم پتھر پر بیٹھے ہوں، یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ تشہد سے آگے کچھ نہ پڑھا جائے خلیفہ راشد صدیق اکبرؓ کا عمل بھی یہی ہے۔ اور امام ترمذیؒ کے بقول عام اہل علم کا عمل بھی اسی پر ہے۔ (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۸۵، مسند امام احمد جلد ۱ صفحہ ۴۵۹، مسند ابی یعلی جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ قعدۂ اولی میں تشہد کے بعد آگے درود وغیرہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ (عرف الجادی صفحہ ۲۸، نزل

الابرار جلد ۱ صفحہ ۸۱، صلاۃ النبی صفحہ ۲۳۳)۔

احناف کی دلیل: حدثنا سعد بن ابراهيم قال سمعت ابا عبيدة بن عبد الله ابن مسعودؓ يحدث عن ابيه قال كان رسول الله ﷺ اذا جلس فى الركعتين الاوليين كانه على الرضف قال شعبة ثم حرك سعد شفتيه بشئ فاقول حتى يقوم فيقول حتى يقوم قال ابوعيسى هذا حديث حسن الا ان اباعبيدة لم يسمع من ابيه والعمل على هذا عند اهل العلم يختارون ان لايطيل الرجل القعود فى الركعتين الاوليين ولايزيد على التشهد شيئا فى الركعتين الاوليين وقالوا ان زاد على التشهد فعليه سجدتا السهو هكذا روى عن الشعبى وغيره (ترمذى جلد ۱ صفحه ۸۵)۔

عن عبد الله بن مسعودؓ قال علمنى رسول الله ﷺ التشهد فى وسط الصلوٰة وفى آخرها قال فكان يقول اذا جلس فى وسط الصلوٰة وفى آخرها على وركه اليسرى التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباده الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله قال ثم ان كان فى وسط الصلوٰة نهض حين يفرغ من تشهده وان كان فى آخرها دعا بعد تشهده بما شاء الله ان يدعو ثم يسلم — (مسند امام احمد جلد ۱ صفحه ۴۵۹، صحيح ابن خزيمه جلد ۱ صفحه ۳۵۰)۔

عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ كان لايزيد فى الركعتين على التشهد (مسند ابى يعلى جلد ۷ صفحه ۳۳۷)۔

غیر مقلدین کی دلیل: نواب نور الحسن خاں صاحب لکھتے ہیں: وظاہر ادعیۂ واردہ در تشہد شامل ہر دو تشہد ست مگر آنکہ در تشہد اوسط تخفیف خوب ست (عرف الجادی صفحہ ۲۸)۔

نواب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں: ثم یجلس للتشهد ویستحب عملا فیه الصلوٰة الکاملة علی النبی ﷺ ثم لیتخیر من الدعاء اعجبه لیدع به ربه ولیخففه فی اتمام بان یختصر فی الادعیة بعد التشهد والصلوة علی النبی ﷺ ثم ینهض مکبرا- (نزل الابرار صفحه ۸۱-۸۲)۔

مولوی خالد گھرجاکھی صاحب لکھتے ہیں: اسی طرح تشہد میں پڑھ لیا جائے یا نہ پڑھا جائے ایک ہی بات ہے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ درود شریف پڑھنے کی وجہ سے ثواب میں اضافہ ہو۔(صلاۃ النبی صفحہ ۲۳۲)۔

غیر مقلدین کے مفتی ثناء اللہ مدنی صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: کہ پہلے تشہد میں درود پڑھا جاسکتا ہے۔ اور اگر رہ جائے تو سجدہ سہو لازم نہیں (ہفت روزہ الاعتصام جلد ۴۴ ش ۸ صفحہ ۵)۔

☆ **مسلک حنفی:** (۳۷) احادیث سے ثابت ہے کہ نماز میں دونوں قعدوں میں بیٹھنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ دایاں پاؤں کھڑا کرکے بائیں پاؤں پر بیٹھیں، حضور ﷺ کے دونوں قعدوں میں بیٹھنے کا عام معمول یہی تھا، چنانچہ حضرت عائشہؓ اور حضرت وائل بن حجر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں قعدوں میں بیٹھنے کا یہی طریقہ بتلاتے ہیں۔ اور پہلے دوسرے قعدہ کا کوئی فرق ذکر نہیں کرتے (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۶۵، طحاوی جلد ۱ صفحہ ۱۷۸، مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۹۴، نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۳۰، سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۲۰، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۸۶، بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۱۴)۔

مسلک غیر مقلدین: مگر ان تمام احادیث وتصریحات کے خلاف غیر مقلدین پہلے اور دوسرے قعدہ میں فرق کرتے ہیں اور کہتے ہیں قعدۂ اولی میں تو دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پر ہی بیٹھا جائے البتہ دوسرے قعدہ میں تورک کیا جائے، عذر ہو یا نہ ہو اور تورک ضرور کیا جائے (دستور المتقی صفحہ ۱۰۲، رسول اکرم کی نماز صفحہ ۸۵ صلوٰۃ الرسول صفحہ ۲۷۴)۔

احناف کی دلیل: عن وائل بن حجر قال قدمت المدينة قلت لا نظرن الى صلوٰة رسول الله ﷺ فلما جلس يعنى للتشهد افترش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى يعنى على فخذه اليسرى ونصب رجله اليمنى قال ابو عيسى هذا حديث حسن صحيح والعمل عليه عند اكثر اهل العلم (ترمذى جلد ۱ صفحه ٦٥)۔

عن وائل بن حجر قال صليت خلف رسول الله ﷺ فلما قعد وتشهد فرش قدمه اليسرى على الارض وجلس عليها— (سنن سعيد بن منصور، طحاوى جلد ۱ صفحه ۱۷۸)۔

عن عبد الله وهوا بن عبد الله بن عمر عن ابيه قال من سنة الصلوٰة ان تنصب القدم اليمنى واستقباله باصابعها القبلة والجلوس على اليسرى (نسائى جلد ۱ صفحه ۱۳۰)۔

عن عائشة (رضى الله عنها) قال كان رسول الله ﷺ يستفتح الصلوٰة بالتكبير والقرأة بالحمد لله رب العلمين وكان اذا ركع لم يشخص رأسه ولم يصوبه وكان بين ذلك وكان اذا رفع رأسه من الركوع لم يسجد حتى يستوى قائما وكان اذا رفع رأسه من السجدة لم يسجد حتى يستوى

جالسا وكان يقول فى كل ركعتين التحية وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى وكان ينهى عن عقبة الشيطان وينهى ان يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع وكان يختم الصلوٰة بالتسليم — (مسلم جلد ۱ صفحه ۱۹٤).

عن انسؓ ان النبى ﷺ نهى عن الاقعاء والتورك فى الصلوٰة - (سنن كبرى بيهقى جلد۲ صفحه ۱۲۰).

عن عبد الله بن عبد اللهؓ انه اخبره انه كان يرى عبد الله بن عمر يتربع فى الصلوٰة اذاجلس ففعلت وانا يومئذ حديث السن فنهانى عبد الله بن عمرو قال انما سنة الصلوٰة ان تنصب رجلك اليمنى وتثنى اليسرى فقلت انك تفعل ذلك فقال ان رجلاى لاتحملانى — (بخارى جلد ۱ صفحه ۱۱٤).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں: جب اخیر کی رکعت میں بیٹھیں تو بایاں پاؤں نکال کر بائیں جانب کے کولھے پر بیٹھیں، (اس کو تورک کہتے ہیں) (دستور المتقی صفحہ ۱۰۲)۔

اسماعیل سلفی صاحب لکھتے ہیں: آخری تشہد میں دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور بایاں پاؤں دائیں طرف نکال کر کولھے پر بیٹھ جائے یا دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر بائیں کولہے پر بیٹھے (رسول اکرم کی نماز صفحہ ۸۵)۔

صادق سیالکوٹی صاحب تحریر کرتے ہیں: ''نوٹ: بائیں جانب کولھے پر بیٹھنا تورک کہلاتا ہے''، یہ سنت ہے ہر مسلمان کو آخری قعدہ میں ضرور تورک کرنا چاہئے۔ (صلوٰۃ

الرسول صفحہ ۴۲۷)۔

نـوٹ: اس مسئلہ میں غیر مقلدین مالکیہ کی تقلید کئے ہیں، وہ ترمذی کی روایت ابوحمید ساعدی کی روایت سے مستدل ہیں، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں "حتی کانت الرکعة التی تنقضی فیها صلوته اخر رجله الیسری وقعد علی شقه متورکا ثم سلم" امام طحاوی نے اس روایت کو سند کے اعتبار سے ضعیف کہا ہے البتہ صحیح جواب یہ ہے کہ یا تو حالت عذر پر محمول ہے، یا بیان جواز پر اور اختلاف چونکہ محض افضلیت میں ہے، اس لئے بیان جواز کچھ بعید نہیں، البتہ عورت کیلئے تورک اسلئے افضل قرار دیا گیا ہے، کہ اس میں ستر زیادہ ہے۔

مسلک حنفی: (۳۸) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ نماز میں پہلی رکعت کے سجدوں سے فارغ ہوکر دوسری رکعت کیلئے اٹھتے وقت سنت یہ ہے کہ زمین سے پہلے چہرہ اٹھائے پھر دونوں ہاتھ زانوں پر رکھ کر گھٹنے اٹھا کر سیدھا کھڑا ہو جائے اور کھڑے ہوتے ہوئے دونوں ہاتھ زمین پر نہ ٹیکے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا عام معمول یہی تھا، کہ آپ ﷺ کا زمین پر ٹیکے بغیر کھڑے ہوتے تھے، صرف یہی نہیں، بلکہ آپ نے نماز میں زمین پر ہاتھ ٹیک کر کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۴۲، جلد ا صفحہ ۱۳۲، جلد ا صفحہ ۱۲۲، زاد المعاد جلد ا صفحہ ۶۱)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ نماز میں دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکتے ہوئے ہی اٹھنا چاہئے ان کے ہاں عذر وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۰۱)۔

احناف کی دلیل: عـن نـافع عن ابن عمرؓ قال نهی رسول الله ﷺ ان یعتمد الرجل علی یدیه اذا نهض فی الصلوة ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱۲۲)۔

عـن وائـل بـن حـجرؓ قال رأیت النبی ﷺ اذا سجد وضع رکبتیه

قبل یدیه واذا نهض رفع یدیه قبل رکبتیه (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱۲۲).

عن عبد الجبار بن وائل عن ابیهؓ ان النبی ﷺ فذکر حدیث الصلوٰۃ قال فلما سجد وقعتا رکبتاه الی الارض قبل ان یقعا کفاه قال همام نا شقیق حدثنی عاصم بن کلیب عن ابیه عن النبی ﷺ بمثل هذا وفی حدیث احدهما واکبر علی انه فی حدیث محمد بن جحادة واذا نهض نهض علی رکبتیه واعتمد علی فخذه – (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱۳۲).

عن ابی جحیفة عن علی رضی الله عنه قال ان من السنة فی الصلوٰۃ المکتوبة اذا نهض الرجل فی الرکعتین الاولیین ان لا یعتمد بیدیه علی الارض الا ان یکون شیخا کبیرا لا یستطیع – (مصنف ابن ابی شیبه جلد۱ صفحه ۳۹۵).

علامہ ابن قیم حنبلی کی تحقیق: ثم کان ﷺ ینهض علی صدور قدمیه ورکبتیه معتمدا علی فخذیه کما ذکر عنه وائلؓ وابوهریرةؓ ولا یعتمد علی الارض بیدیه الخ – (زاد المعاد فی هدی خیر العباد جلد ۱ صفحه ۶۱).

غیر مقلدین کی دلیل: یونس دہلوی صاحب لکھتے ہیں: پھر زمین پر دونوں ہاتھ ٹیک کر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوں (دستور المتقی صفحہ۱۰۱)۔

نوٹ: مسئلہ ھذا میں غیر مقلدین دلائل میں مذکورہ احادیث اور تعامل صحابہ کے خلاف صرف امام احمدؒ کی ایک روایت کی تقلید کرتے ہیں جس کی بنیاد ایوب السختیانی عن ابی قلابہؒ کی روایت "فاذا رفع رأسه من السجدة الثانیة جلس واعتمد علی الارض ثم قام" جو بوڑھاپائی کی حالت یا بیان جواز پر محمول ہے۔

مسلک حنفی: (۳۹) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے فارغ ہوکر بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو جانا مسنون ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول مبارک یہ تھا۔ خلفائے راشدین اور عام صحابہؓ کرام کا معمول بھی یہی تھا۔ تابعین تبع تابعین بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے۔ اور امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی جلسۂ استراحت کے قائل نہیں ہیں، بلکہ خیر القرون میں جلسۂ استراحت کا رواج نہیں تھا۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۰۷، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۶۵، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۹۴، معجم طبرانی جلد ۹ صفحہ ۲۶۶، بیہقی جلد ۲ صفحہ ۱۲۵)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار وعمل صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے خلاف عذر وغیرہ کی تفریق کئے بغیر غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ جلسۂ استراحت مستحب، بلکہ سنت ہے۔ (عرف الجادی صفحہ ۳۰، رسول اکرم کی نماز صفحہ ۸۳، نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۸۱)۔

احناف کی دلیل: عن ابن عباسؓ او عباس بن سهل الساعديؓ انه كان فى مجلس فيه ابوه وكان من اصحاب النبى ﷺ وفى المجلس ابوهريرةؓ وابوحميدى الساعدى وابواسيد فذكر الحديث وفيه ثم كبر فسجد ثم كبر فقام ولم يتورك (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱۰۷).

عن ابى هريرةؓ قال كان النبى ﷺ ينهض فى الصلوٰة على صدور قدميه قال ابوعيسى حديث ابى هريرةؓ عليه العمل عند اهل العلم يختارون ان ينهض الرجل على صدور قدميه الخ – ترمذى جلد ۱ صفحه ٦٥).

عن عبد الرحمٰن ابن غنم ان ابامالك الاشعرى جمع قومه فقال يا معشر الاشعريين اجتمعوا واجمعوا نساءكم وابنائكم اعلمكم صلاة النبى

ﷺ صلی لنا بالمدینة (فذکر الحدیث بطوله وفیه) ثم قال سمع الله لمن حمده واستوی قائما ثم کبر وخر ساجدا ثم کبر فرفع رأسه ثم کبر فسجد ثم کبر فانتهض قائما الحدیث (مسند احمد جلد ۵ صفحه ۳۴۳)۔

عن ایوب عن ابی قلابةؓ ان مالك بن الحویرث قال لاصحابه الا انبئکم صلوٰة رسول الله ﷺ قال وذاك فی غیر حین صلوٰة فقام ثم رکع فکبر ثم رفع رأسه فقام هنیة ثم سجد ثم رفع رأسه هنیة ثم فصلی صلوٰة عمرو بن سلمة شیخنا هذا قال ایوب کان یفعل شیئا لم ارهم یفعلونه کان یقعد فی الثالثة او الرابعة الحدیث- (بخاری جلد ۱ صفحه ۱۱۳)۔

عن ابی هریرةؓ ان رجلا دخل المسجد یصلی ورسول الله ﷺ فی ناحیة المسجد فجاء فسلم علیه فقال له ارجع فصل فانك لم تصل فرجع فصلی ثم سلم فقال وعلیك ارجع فصل فانك لم تصل قال فی الثالثة فاعلمنی قال اذا قمت الی الصلوٰة فاسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فکبر واقرأ بما تیسر معك من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع رأسك حتی تعتدل قائما ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تستوی وتطمئن جالسا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تستوفی قائما ثم افعل ذلك فی صلوٰتك کلها - (بخاری جلد ۲ صفحه ۹۸۶)۔

غیر مقلدین کی دلیل: نواب نور الحسن لکھتے ہیں: وجلسۂ استراحت سنت است (عرف الجادی صفحہ ۳۰)۔

اسماعیل سلفی صاحب لکھتے ہیں: یہ جلسہ واجب نہیں سنت ہے۔ (رسول اکرم کی نماز صفحہ ۸۳)۔

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: ویستحب ان یجلس جلسة خفیفة بعد السجدة الثانیة (نزل الابرار جلد ۱ صفحه ۸۱).

نوٹ: مسئلہ ھذا میں غیر مقلدین شوافع کا اقتدا کرتے ہیں، کیونکہ امام شافعیؒ پہلی اور تیسری رکعت میں سجدہ سے فراغت کے بعد جلسہ استراحت کو مسنون قرار دیتے ہیں، اسکے برخلاف امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی اصح روایت کے مطابق جلسہ استراحت مسنون نہیں، اس کے بجائے سیدھا کھڑا ہونا افضل ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی اور تیسری رکعت میں جلسہ استراحت کی مقدار بیٹھ جائے تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں۔

اور شوافع ترمذی کی روایت فکان اذا کان فی وتر من صلوته لم ینهض حتی یستوی جالسا سے استدلال کرتے ہیں، جمہور اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ وہ بیان جواز یا حالت عذر پر محمول ہے، یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ آخری عمر میں متبدن ہو گئے تھے، ہوسکتا ہے کہ اسی زمانہ کا واقعہ ہو ورنہ اگر یہ سنت صلوۃ ہوتی تو ہرگز صحابہ کرام اُسے نہ چھوڑتے۔

اور بعض نے بخاری کی روایت ثم ارفع حتی تستوی قائما ثم افعل ذلك فی صلوتك كلها کو بعض نسخہ حتی تستوی قائما کے بجائے حتی تطمئن جالسا کے الفاظ لائے ہیں، خود حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اقرار کیا ہے کہ یہ کسی راوی کا وہم ہے، اور صحیح روایت "حتی تستوی قائما" ہی ہے، نیز امام بخاریؒ کا صنیع اسی کی تائید کرتا ہے۔ اور جمہور کی مستدل حضرت ابوھریرہؓ کی روایت کان النبی ﷺ ینهض فی الصلوة علی صدور قدمیه راوی خالد بن ولید کے متعلق علامہ ترمذی لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث

ضعیف ہونے کے باوجود تعامل صحابۂ کرامؓ سے مؤید ہے، اسلئے قابل قبول ہے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ابن مسعودؓ کے بارے میں مروی ہے کہ عن عبد الرحمن بن یزید قال کان عبد اللہ ینھض فی الصلوۃ علی صدور قدمیه اور یہی مضمون ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن الزبیر کے بارے میں بھی نقل کیا ہے، اور امام شعبیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے، ان عمرؓ و علیاؓ واصحاب رسول اللہ ﷺ کانوا ینھضون فی الصلوۃ علی صدور اقدامھم" نیز حضرت نعمان بن عیاش کا یہ قول بھی ابن ابی شیبہ ہی نے نقل کیا ہے، "ادرکت غیر واحد من اصحاب النبی ﷺ فکان اذا رفع رأسه من السجدۃ فی اول رکعة والثالثة قام کماھو لم یجلس" اور یہی مضمون مصنف عبد الرزاق میں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔

مسلک حنفی: (۴۰) نماز میں تکبیر تحریمہ کے بغیر دوسرے موقع پر رفع یدین کرنا نہ حضور ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابۂ کرام سے نہ تابعین نہ تبع تابعین سے اسکا ثبوت ملتا ہے۔ البتہ ابتدائے اسلام میں تکبیر تحریمہ کے علاوہ بھی رفع یدین ہوا ہے، لیکن بعد میں یہ رفع یدین باقی نہیں رہا، اس کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ (صحیح ابی عوانہ جلد۲ صفحہ۹۰، مسند حمیدی جلد۲ صفحہ۲۷۷ خلافیات بیہقی صفحہ۴۰۴، المدونۃ الکبری جلد۱ صفحہ۶۹، کشف الاستار جلد۱ صفحہ۲۵۱)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث و آثار اور اقوال مجتہدین اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ رکوع والا رفع یدین سنت مؤکدہ ہے، سنت متواترہ، بلکہ واجب بلکہ فرض ہے، نہ کرنے سے نماز ناقص ہوتی ہے، بلکہ باطل ہو جاتی ہے۔ اور جو رفع یدین نہ کرے وہ سخت گنہگار ہے اور سعادت سے محروم ہے۔ (العیاذ باللہ) (فتاوی ستاریہ صفحہ

۵۱، قرۃ العینین صفحہ ۶۹)۔

احناف کی دلیل: وفی الترمذی فی باب رفع الیدین عند الرکوع جلد:۱، صفحہ: ۵۸ والنسائی، جلد:۱، صفحہ: ۱۶۱ وابی داؤد جلد:۱، صفحہ: ۱۰۶ عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعودؓ الااصلی بکم صلوٰۃ رسول الله ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة–

وفی النسائی اخبرنا سوید بن نصر حدثنا عبد الله بن المبارك عن سفیان عن عاصم بن كلیب عن عبد الرحمٰن بن الاسود عن علقمة عن عبد اللهؓ قال الا اخبركم بصلوٰة رسول الله ﷺ قال فقام فرفع یدیه اول مرة ثم لم یعد–

عن عباد بن زبیرؓ ان رسول الله ﷺ كان اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه فی اول صلوٰة ثم لم یرفعها فی شئ حتی یفرغ. (اخرجه البیهقی فی الخلافیات)

وروی مسلم عن جابر بن سمرةؓ فقال مالی اراكم رافعی ایدیكم كانها اذناب خیل شمس اسكنوا فی الصلوٰة. (مسلم جلد:۱، صفحه: ۱۸۱، باب الامر بالسكون فی الصلوٰة)

وعن الاسود قال رأیت عمربن الخطابؓ یرفع یدیه فی اول تكبیرة ثم لایرفع بعد. وعن ابراهیم قال كان عبد الله لایرفع یدیه فی شئ من الصلوٰة الاالافتتاح، وعن مجاهد قال صلیت خلف ابن عمرؓ فلم یكن یرفع یدیه الا فی التكبیرة الاولی فی الصلوٰة.

حدثنا عبد الله بن ايوب المخرمي وسعد ان بن نصر وشعيب بن عمرو فی آخرین قالوا حدثنا سفيان بن عيينة عن الزهری عن سالم عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه حتى يحاذی بهما وقال بعضهم حذو منكبيه واذا اراد ان يركع وبعدما يرفع رأسه من الركوع لايرفعهما وقال بعضهم ولا يرفع بين السجدتين والمعنى واحد — (صحيح ابی عوانه جلد ۲ صفحه ۹۰).

حدثنا الحميدی قال حدثنا سفيان قال حدثنا الزهری قال اخبرنی سالم بن عبد الله عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوٰة رفع يديه حذو منكبيه واذا اراد ان يركع وبعد مايرفع رأسه من الركوع فلا يرفع ولا بين السجدتين— (مسند حميدی جلد ۲ صفحه ۲۷۷).

عن عبد الله بن عون الخراز ثنا مالك عن الزهری عن سالم عن ابن عمر ان النبی ﷺ كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوٰة ثم لا يعود— (خلافيات بيهقی بحواله نصب الرايه جلد ۱ صفحه ٤٠٤).

حدثنا ابو كريب محمد بن العلاء ثنا محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد المحاربی ثنا ابن ابی ليلى عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس وعن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال لاترفع الايدی الافی سبعة مواطن افتتاح الصلوٰة واستقبال البيت والصفا والمروة والموقفين وعند الحجر— (كشف الاستار جلد ۱ صفحه ۲۵۱ شرح معانی الاثار جلد ۱ صفحه ٥٤).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ جماعت غرباء اہل حدیث کے امام مفتی عبدالستار

صاحب لکھتے ہیں: رفع یدین فی الصلوٰۃ ایسی سنت مؤکدہ ہے جس کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آخر دم تک کیا ہے (فتاوی ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۵۱)۔

مولوی نور حسین صاحب گرجاکھی مولوی خالد گرجاکھی صاحب کے والد لکھتے ہیں: امام سبکی نے رفع الیدین کے متعلق (۴۳) صحابہ سے روایات نقل کی ہیں۔ اور تابعین تبع تابعین وائمہ مجتہدین ومحدثین کے نام لکھ کر ازروئے دلائل ثابت کیا ہے کہ رفع یدین سنت مؤکدہ ہے، بلکہ واجب ہے، اور اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (قرۃ العینین صفحہ ۶۹)۔

نوٹ: ترک رفع یدین کی روایات (۱) اوفق بالقرآن ہیں، کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے وقوموا للہ قانتین جس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز میں حرکت کم سے کم ہو، لہذا جن احادیث میں حرکتیں کم ہوں گی وہ اس ایت کے زیادہ مطابق ہوں گی۔

(۲) حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں کوئی اختلاف یا اضطراب نہیں، نہ ان کا عمل اس کے خلاف منقول ہے، بلکہ ان سے صرف ترک رفع ہی ثابت ہے جبکہ حضرت ابن عمرؓ کی روایتوں میں اختلاف بھی ہے اور خود ان سے ترک رفع بھی ثابت ہے۔

(۳) احادیث کے تعارض کے وقت صحابۂ کرام کے تعامل کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے، جب ہم اس پہلو سے دیکھتے ہیں تو حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا عمل ترک رفع یدین پاتے ہیں، جیسا کہ ان حضرات کے آثار پیچھے ذکر کئے جا چکے ہیں۔ اور یہ تینوں حضرات صحابۂ کرام کے علوم کا خلاصہ ہیں، ان کے مقابلہ میں جن سے رفع منقول ہے وہ زیادہ تر کمسن صحابہ ہیں، جیسے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن زبیرؓ۔

(۴) اہل مدینہ اور اہل کوفہ کا تعامل ترک رفع رہا ہے جبکہ دوسرے شہروں میں رافعین اور تارکین دونوں موجود تھے۔

(۵) نماز کی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے افعال حرکت سے سکون کی طرف منتقل ہوئے ہیں، یہ امر بھی ترک رفع کی ترجیح کو مقتضی ہے۔

(۶) رسول اللہ ﷺ نے جابر بن سمرہؓ والی روایت میں لفظ اسکنوا فی الصلوۃ سے رفع الیدین کو سکون فی الصلوٰۃ کے منافی قرار دیا ہے۔

(۷) حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے تمام رواۃ فقیہ ہیں، اور خود ابن مسعودؓ رفع یدین کے تمام راویوں کے مقابلہ میں افقہ ہیں، اور حدیث مسلسل بالفقہاء دوسری احادیث کے مقابلہ میں راجح ہوتی ہے۔

☆ **مسلک حنفی:** (۴۱) آیات کریمہ، احادیث وآثار واقوال مجتہدین سے ثابت ہے کہ جس وقت امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے اس وقت امام اور مقتدی دونوں کیلئے امین کہنا سنت ہے، امین آہستہ آواز سے کہنی سنت ہے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آہستہ آواز سے امین کہتے تھے، جیسا کہ حضرت وائلؓ کی احادیث سے واضح ہے، خلفائے راشدین بھی آہستہ آواز سے امین کہتے تھے، جیسا کہ حضرت ابراھیم نخعی ابو معمر وغیرھا کے آثار سے واضح ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے تین امام حضرت امام ابو حنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ تینوں اس بات کے قائل ہیں کہ مقتدیوں کو آہستہ آواز سے امین کہنی چاہئے۔ (مسند احمد صفحہ ۳۱۶، دار قطنی جلد ۱ صفحہ ۳۳۴، مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۲۳۲، مسند ابی داؤد طیالسی صفحہ ۹۲، بیہقی جلد ۲ صفحہ ۵۷، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۵۸)۔

مسلک غیر مقلدین: مگر قرآن وسنت وآثار صحابہ وتابعین اور اقوال ائمہ مجتہدین کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ امین اونچی آواز سے کہنی چاہئے اور یہی سنت ہے۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۲۲، فتویٰ امین بالجہر صفحہ ۳۱، دلائل محمدی جلد ۲ صفحہ ۳۷)۔

احناف کی دلیل: (۳۶) عن أبی هریرةؓ قال کان رسول الله ﷺ یعلمنا یقول لاتبادروا الامام اذ کبر فکبروا واذا قال ولاالضالین فقولوا امین واذا رکع فارکعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد۔ (مسلم جلد ۱ صفحه ۱۷۷)

عن وائل بن حجرؓ قال صلی بنا رسول الله ﷺ فلما قرأ غیر المغضوب علیهم ولاالضالین قال آمین واخفی بها صوته الحدیث ۔ (مسند احمد جلد ٤ صفحه ۳۱٦).

عن وائل بن حجرؓ قال صلیت مع رسول الله ﷺ فسمعته حین قال غیر المغضوب علیهم ولاالضالین قال آمین واخفی بها صوته ۔ الحدیث (دار قطنی جلد ۱ صفحه ۳۳٤).

عن علقمة بن وائل عن ابیهؓ انه صلی مع النبی ﷺ حین قال غیر المغضوب علیهم ولاالضالین قال آمین یخفض بها صوته (مستدرك حاکم جلد ۲ صفحه ۲۳۲).

علقمة بن وائل یحدث عن وائل وقد سمعته من وائل انه صلی مع رسول الله ﷺ فلما قرأ غیر المغضوب علیهم ولاالضالین قال آمین حفض بها صوته۔ (بیهقی جلد ۲ صفحه ۵۷).

عن علقمة بن وائل عن ابیه ان النبی قرأ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال امین وخفض بها صوته . (ترمذی جلد ۱ صفحه ۵۸).

غیر مقلدین کی دلیل: یونس دہلوی صاحب لکھتے ہیں: مغرب وعشاء اور صبح کی نماز

میں جب امام اور مقتدی سورۂ فاتحہ کی پچھلی آیت کو ختم کر چکیں تو پہلے امام پھر مقتدی پکار کر امین کہیں الخ (دستور المتقی صفحہ ۱۱)۔

جماعت غرباء اہل حدیث کے سابق امام مفتی عبدالستار رقمطراز ہیں: پس آج کل بھی جو ناعاقبت اندیش وفتنہ انگیز اونچی آمین سے چڑے اور کہنے والوں سے حسد رکھے وہ یقیناً یہودی ہے۔ (فتوی آمین بالجہر صفحہ ۳۴ بحوالہ اظہار التحسین صفحہ ۱۶)۔

مولوی محمد صاحب جونا گڑھی یوں گوہر افشانی کرتے ہیں خیر میرا مقصد یہ تھا کہ یہ نری یہودیت ہے کہ اپنے امام کی رائے وقیاس پر بھروسہ کر بیٹھنا اور دینی امور میں شخصی تقلید کوئی چیز سمجھنا اور آمین آواز سے چڑنا (دلائل محمدی جلد ۲ صفحہ ۳۷، بحوالہ اظہار التحسین صفحہ ۱۶)۔

مولوی خالد گرجاکھی صاحب کے اباجان مولوی نور محمد گرجاکھی صاحب یوں زہر اگلتے ہیں اے منکرین آمین اور امین بالجہر سے روکنے والو سوچو کہ تم کس قدر بے نصیب اور نامراد ہو، بلکہ اوروں کو بھی اس نعمت سے نامراد اور بے نصیب کرتے ہو۔ (اثبات آمین بالجہر صفحہ ۱۳، مشمولہ استیصال التقلید)۔

نـــــوٹ: آمین بالجہر کے مسئلہ مین غیر مقلدین شافعیہ اور حنابلہ کی تقلید کرتے ہیں، جبکہ وہ حضرات تقلید کا انکار کرتے ہیں اور احناف اور مالکیہ دلائل میں مذکور احادیث وآثار کی بنیاد پر امین بالاخفاء افضل کہتے ہیں، شوافع اور حنابلہ کا اصل الاصول اس باب میں وائل ابن حجر کی روایت بطریق سفیان ثوریؒ جس میں ہے ''وقال امین ومد بھا صوتہ'' ہے، جبکہ حنفیہ مالکیہ کی ادلہ میں سے ایک دلیل وائل ابن حجرؓ کی روایت بطریق شعبہ جس میں ہے "فقال امین وخفض بھا صوتہ" شافعیہ حنابلہ سفیان کی روایت کو اختیار کرتے ہیں، اور شعبہ کی روایت کو ترک کرتے ہیں اور حنفیہ مالکیہ شعبہ کی روایت کو اصل قرار دیکر سفیان کی روایت میں یہ

تاویل کرتے ہیں کہ اس میں "و مد" سے مراد جہر نہیں، بلکہ امین کی "ی" کو کھینچنا ہے۔

شعبہ کی روایت کو احناف کیوں ترجیح دیتے ہیں: (۱) سفیان ثوریؒ اپنی جلالت قدر کے باوجود کبھی کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں اس کے برخلاف شعبہ تدلیس کو اشد من الزنا سمجھتے ہیں ان کا یہ مقولہ بھی مشہور ہے لان اخر من السماء احب الی من ان ادلس اس سے انکی نہایت احتیاط معلوم ہوتی ہے، (۲) سفیان ثوری اگرچہ جہر تامین کے راوی ہے لیکن خود انکا اپنا مسلک شعبہ کی روایت کے مطابق اخفاء تامین کا ہے (۳) شعبہ کی روایت اوفق بالقران ہے "ادعوا ربکم تضرعا وخفیة" اور امین بھی دعاء ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ ارشاد باری تعالی ہے "قد اجیب دعوتکما" حالانکہ ہارون علیہ السلام نے صرف امین کہی تھی۔

(۴) شعبہ کی روایت کی تائید دوسری صحیح احادیث سے بھی ہے۔

(۵) اگر سفیان کی روایت کو جہر پر محمول کر کے اختیار کیا جائے تو شعبہ کی روایت بالکلیہ چھوڑنا پڑتا ہے اس کے برخلاف اگر شعبہ کی روایت کو اختیار کیا جائے تو سفیان کی روایت کو بالکلیہ چھوڑنا لازم نہیں آتا۔

(۶) اسکے علاوہ اگر بالفرض آنحضرت ﷺ سے کسی وقت جہراً امین ثابت ہو تو اس میں یہ بھی امکان ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو تعلیم دینے میں بھی قرأت کا ایک آدھ کلمہ زور سے پڑھ دیتے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں، بالخصوص حضرت وائل بن حجر کا تعلق یمن سے تھا وہ صرف ایک دو مرتبہ مدینہ طیبہ آئے تھے اسلئے کچھ بعید نہیں کہ آپؐ نے اس کو سنانے کی غرض سے امین جہراً کہا ہو اس کی تائید وائل بن حجر کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، "قال رأیت رسول اللہ حین فرغ من الصلوٰة حتی رأیت خده من هذا الجانب وقرأ (فی الصلوٰة) غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال آمین یمد بها صوته ماأراه الا لیعلمنا الخ.

(۷) شعبہ کی روایت ترجیح ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تعارض روایات کے وقت صحابۂ کرام کا عمل بڑی حدتک فیصلہ کن ہوتا ہے، اور شعبہ کی روایت صحابہ کے تعامل سے بھی مؤید ہے، چنانچہ امام طحاویؒ ابو وائل کی روایت نقل کرتے ہیں "قال کان عمرؓ و علیؓ لا یجھر ان ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولا بالتعوذ ولا بالتامین الخ۔

شوافع حضرات سفیان ثوریؒ کی روایت کی تائید میں حضرت ابوھریرہؓ کی ایک روایت بھی پیش کرتے ہیں جو ابن ماجہ میں روایت ہے ترک الناس التامین وکان رسول اللہ ﷺ اذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال اٰمین حتی یسمعھا اھل الصف الاول فیرتج بھا المسجد لیکن اس حدیث کا مدار بشر بن رافع پر ہے جو متفق علیہ طور پر ضعیف ہے۔

شافعیہ بیہقی کی روایت حضرت عطاء کے اثر سے بھی استدلال کرتے ہیں جو فرماتے ہیں ادرکت مأتین من اصحاب النبی ﷺ فی ھذا المسجد اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین سمعت لھم رجۃ بامین، حضرت شاہ صاحبؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ اثر معلول ہے، کیونکہ حضرت عطاءؒ کا دو سو صحابہؓ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں، اور حضرت حسن بصریؒ ان سے عمر میں بڑے ہیں، پھر بھی ان کی ملاقات صرف ایک سو بیس صحابۂ کرام سے ہوئی تھی، اسکے علاوہ حضرت عطاءؒ کی مراسیل اضعف المراسیل ہیں کما صرح بہ السیوطی فی تدریب الراوی۔

توجہ فرمایئے، مسئلہ ھذا میں اختلاف صرف افضلیت کی بناء پر ہے، لہذا ایک دوسرے کو اس مسئلہ کے بارے میں تشدد کرنا، تشنیع کرنا اچھی بات نہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۴۲) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ تین یا چار رکعت والی فرض نماز میں پہلی

دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دوسری کوئی سورت پڑھنی چاہئے اور دوسری دو یا ایک رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے یہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل تھا۔ جیسا کہ حضرت ابو قتادہؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت علیؓ کی روایات سے واضح ہے۔ اور اسی پر صحابۂ کرام اور تابعین عظام کا عمل تھا۔ نیز ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر کسی نے فرض نماز کی دوسری دو یا ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی خاموش کھڑا رہا یا سورۂ فاتحہ کی جگہ تسبیح کہہ لی تو بھی اس کی نماز ہو جائیگی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کے قول و عمل سے یہ بات ظاہر ہے۔ اور دور صحابہ کے مفتی حضرت ابراھیم نخعی کا فتویٰ بھی اسی پر ہے (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۴-۱۰۷، طحاوی صفحہ ۱۴۲، طبرانی جلد ۹ صفحہ ۲۶۳، مصنف عبدالرزاق جلد ۲ صفحہ ۱۰۰، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۲)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان احادیث و آثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ چار رکعت والی نماز میں آخری دو رکعتوں کے اندر سورۂ فاتحہ کے علاوہ دوسری سورت پڑھنی بھی جائز ہے۔ نیز اگر کسی نے دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوگی، اور فاتحہ کی جگہ تسبیح پڑھنے کے جواز کا کوئی وجود نہیں۔ (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۷۸، فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۳ صفحہ ۲۲۴)۔

احناف کی دلیل: عن عبد الله بن ابی قتادةؓ عن ابیهؓ ان النبی ﷺ کان یقرأ فی الظهر فی الاولیین بام الکتاب وسورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب – الحدیث (بخاری جلد ۱ صفحه ۱۰۷).

عن عبید الله ابن ابی رافع عن علی رضی الله عنه انه کان یقرأ فی الرکعتین الاولیین مع الظهر بام القرآن وفی الثالثة بام القرآن قال عبید الله واراه قد رفعه الی النبی ﷺ – طحاوی جلد ۱ صفحه ۱۴۲).

عن جابر بن سمرةؓ قال شکی اهل الکوفة سعدا الی عمرؓ فعزله واستعمل علیهم عمارا فشکوا حتی ذکروا انه لا یحسن یصلی فارسل الیه فقال یااباءاسحق ان هولاء یزعمون انك لاتحسن تصلی قال اما انا والله فانی کنت اصلی بهم صلاة رسول الله ﷺ مااخزم عنها اصلی صلاة العشاء فارکد فی الاولیین واخف فی الاخریین قال ذك الظن بك یااباءاسحق، الحدیث– (بخاری جلد ۱ صفحه ۱۰۴).

عن ابراهیمؒ ان ابن مسعودؓ کان لایقرأ خلف الامام وکان ابراهیم یاخذ به وکان ابن مسعودؓ اذا کان اماما قرأ فی الرکعتین الاولیین ولایقرأ فی الاخریین بشئ (معجم طبرانی کبیر جلد ۹ صفحه ۲۶۳).

عن عبید اللهؒ بن ابی رافع قال کان یعنی علیاؓ یقرأ فی الاولیین من الظهر والعصر بام القرآن وسورة ولایقرأ فی الاخریین– (مصنف عبد الرزاق جلد ۲ صفحه ۱۰۰).

عن ابی اسحق عن علیؓ وعبد اللهؓ انهما قالا اقرأ فی الاولیین وسبح فی الاخریین– (مصنف ابن ابی شیبه جلد ۱ صفحه ۳۷۲).

عن علیؓ قال یسبح ویکبر فی الاخریین تسبیحتین – (مصنف ابن ابی شیبه جلد ۱ صفحه ۳۷۲).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب وحید الزمان رقمطراز ہیں یجوز للرجل ان یقرأ بعد الفاتحة السورة فی الاخریین ایضا من الصلوة الرباعیة – (نزل الابرار جلد ۱ صفحه ۷۸).

نیز نواب صاحب رقمطراز ہیں: ولوترك قراءة الفاتحة فی الاخریین من الرباعیة فسدت صلوته– (نزل الابرار جلد ۱ صفحه ۷۵).

نواب صدیق حسن خان صاحب کے نزدیک جو شخص سورہ فاتحہ یا اس کے ساتھ مزید کوئی سورت پڑھ سکتا ہے، اسکے لئے فاتحہ چھوڑ کر تسبیح پڑھنے کے جواز کا وجود نہیں۔ (فتاوی علمائے حدیث جلد ۳ صفحہ ۲۲۴، بحوالہ دلیل الطالب صفحہ ۲۹۰)۔

☆**مسلک حنفی:** (۴۳) احادیث وآثار واقوال فقہاء سے ثابت ہے کہ جس نے امام کو رکوع میں پایا اور وہ تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا گیا، اور دونوں گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ امام کے اٹھنے سے پہلے پہلے تو اس نے وہ رکعت پالی، اور جس نے امام کو رکوع میں نہ پایا اس سے رکوع فوت ہو گیا۔ اور جس سے رکوع فوت ہو گیا اس سے سجدہ فوت ہو گیا، یعنی اس کا سجدہ بھی معتبر نہیں ہے، یہی مذہب ہے حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب وسفیان ثوریؒ امام اوزاعی، امام ابوثور امام احمد اسحٰق بن راھویہ کا اور یہی حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۸، طبرانی جلد ۹ صفحہ ۲۷۱، ابوداؤد جلد ۸ صفحہ ۱۲۹، موطا مالک صفحہ ۷ موطا محمد صفحہ ۱۰۱)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن غیر مقلدین حضرات نے ان تمام احادیث وآثار اور اجماع امت کے خلاف بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہدیا کہ جو شخص امام کو رکوع میں پائے، اس کی وہ رکعت نہیں ہوئی، سلام پھیرنے کے بعد اس رکعت کو ادا کرے۔ (فتاوی نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۴۹۶، عرف الجادی صفحہ ۲۶، نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۳۳، دستور المتقی صفحہ ۱۱۱)۔

احناف کی دلیل: عن الحسن عن ابی بکرۃؓ انہ انتھی الی النبی ﷺ ھو راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف فقال زادك الله حرصا ولا تعد- (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۸).

عن زیدبن وھبؒ قال دخلت انا وابن مسعود المسجد والامام راکع

فرکعنا ثم مضینا حتی استوینا بالصف فلما فرغ الامام قمت اقضی فقال فقد ادرکته - (معجم طبرانی جلد ۹ صفحه ۲۷۱).

عن علیؓ وابن مسعودؓ قالا من لم یدرک الرکعة فلایعتد بالسجدة- (معجم طبرانی کبیر جلد ۹ صفحه ۲۷۰).

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ اذا جئتم الی الصلوٰة ونحن سجود فاسجدوا ولاتعتدوها شیئا ومن ادرک الرکعة فقد ادرک الصلوٰة (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱۲۹،
مستدرک حاکم جلد ۱ صفحه ۲۱۶).

مالک انه بلغه ان عبد الله بن عمرو زید بن ثابت کانا یقولان من ادرک الرکعة فقدادرک السجدة (مؤطا امام مالک صفحه ۷).

عن ابن عمرؓ انه کان یقول اذا فاتتک الرکعة فاتتک السجدة- (مؤطا امام محمد صفحه ۱۰۱).

قال جمهور الفقهاء من ادرک الامام راکعا فکبروركع وامکن یدیه من رکبتیه قبل ان یرفع الامام رأسه فقد ادرک الرکعة ومن لم یدرک ذلک فقد فاتته الرکعة ومن فاتته الرکعة فاتته السجدة ای لایعتد بها هذا مذهب مالکؒ والشافعیؒ وابی حنیفةؒ واصحابه والثوریؒ والاوزاعیؒ وابی ثور واحمد واسحٰق وروی ذلک عن علیؓ وابن مسعودؓ وزیدؓ وابن عمرؓ وقد ذکرنا الاسانید عنهم فی التمهید۔ (الاستذکار بحواله اعلاء السنن جلد ٤ صفحه ۳۰۵.

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ مولوی عبدالرحمٰن گورکھپوی لکھتے ہیں: مدرک رکوع کی رکعت نہیں ہوتی، اسلئے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے (فتاویٰ نذیریہ جلد ا صفحہ ۴۹۶)۔

نواب نورالحسن لکھتے ہیں: بے فاتحہ نہ نماز صحیح ست ونہ ادراک رکعت معتد بہ (عرف الجادی صفحہ ۲۶)۔

نواب وحیدالزماں لکھتے ہیں: ولو وجد الامام فی الرکوع لایعتد بتلک الرکعة لان قرأة الفاتحة فرض عندنا (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۳۳)۔

مولوی یونس دہلوی لکھتے ہیں: مدرک رکوع کی رکعت ہرگز نہیں ہوتی۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۱۱)۔

نوٹ: مسئلہ ھذا میں بھی غیر مقلدین احادیث صحیحہ وآثار مرفوعہ کے خلاف کرتے ہیں اگر اسکی تفصیل دیکھنا ہو اعلاء السنن جلد: ۴، صفحہ: ۲۹۷ "باب ادراك الركعة بادراك الركوع" کو مطالعہ کیجئے۔

مسلک حنفی: (۴۴) آیت کریمہ احادیث وآثار اور ائمہ مجتہدین کے اقوال سے مندرجۂ ذیل امور ثابت ہوئے (۱) امام کا کام قرأت کرنا ہے اور مقتدی کا کام امام کی قرأت کی طرف کان لگانا اور خاموش رہنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور حضور علیہ السلام کا حکم ہے، کہ جب امام قرات کرے تو تم اس طرف کان لگاؤ، اور خاموش رہو۔ (القرآن تفسیر طبری جلد ۹ صفحہ ۱۱۰، مسلم جلد ا صفحہ ۱۷۴، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۴۱۵، نسائی جلد ا صفحہ ۱۰۷، ابن ماجہ صفحہ ۶۱، کتاب القرأة للبیہقی صفحہ ۸۸، صحیح ابی عوانہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۳)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن قرآن وحدیث، آثار صحابہ وتابعین اور اقوال مجتہدین کے

خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ مقتدی پر امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، چاہے امام اونچی آواز سے قرأت کر رہا ہو یا آہستہ آواز سے، اور جو شخص امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا، اس کی نماز ناقص ہے، کالعدم ہے، بیکار ہے، باطل ہے۔ (فتاوی نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۳۹۸، عرف الجادی صفحہ ۲۶، نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۷۵، فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۵۵۵)۔

احناف کی دلیل: وا ذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (پ ۷:أیت ۲۰٤، سورة الاعراف)

عن یسیر بن جابرؓ قال صلی ابن مسعودؓ فسمع ناسا یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما ان لکم ان تفقهوا اما أن لکم ان تعقلوا واذا قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا کما امر کم الله۔ (تفسیر طبری جلد ۹ صفحه ۱۱۰)۔

عن ابن عباسؓ فی قوله تعالی واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا یعنی فی الصلوٰة المفروضة۔ (کتاب القرأة للبیهقی صفحه ۸۸)۔

عن ابی موسیؓ قال علمنا رسول الله ﷺ قال اذا قمتم الی الصلوٰة فلیؤمکم احدکم واذا قرأ الإمام فانصتوا (مسند احمد جلد ٤ صفحه ٤١٥)۔

عن حطان بن عبد الله ان ابا موسی قال خطبنا رسول الله ﷺ فعلمنا سنتنا وبین لنا صلوٰتنا فقال اذا کبر الامام فکبروا واذا قرأ فانصتوا۔ صحیح ابی عوانه جلد ۲ صفحه ۱۳۳)۔

وزاد مسلم فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤم احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقولوا آمین۔

عن ابی موسی الاشعریؓ قال قال رسول الله ﷺ اذا قرء الامام فانصتوا فاذاکان عند القعدة فلیکن اول ذکر احدکم التشهد۔ (ابن ماجه صفحه ٦١)۔

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لك الحمد۔ (نسائی جلد ١ صفحه ١٠٧)۔

وروی ابن ماجة قال رسول الله ﷺ من کان له امام فقرأة الامام له قرأة وروی الترمذی عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ انصرف من صلوٰة الجهر فیها بالقرأة فقال هل قرأ معی احد منکم أنفا فقال رجل نعم یارسول الله قال انی اقول مالی انازع القرأن قال فانتهی الناس عن القرأة مع رسول الله ﷺ فیما یجهر فیه رسول الله ﷺ من الصلوات بالقرأة حین سمعوا ذلك من رسول الله ﷺ۔

عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ قال انما الامام لیؤتم به فاذاکبر فکبروا واذاقرء فانصتوا، واذا قال ولا الضالین فقولوا آمین، الحدیث۔ (مسند احمد جلد ٢ صفحه ٣٧٦)۔

عبد الرزاق عن عبد الرحمن بن زید بن اسلم عن ابیه قال نهی رسول الله ﷺ عن القرأة خلف الامام قال واخبرنی اشیاخنا ان علیاًؓ قال من قرأ خلف الامام فلاصلاة له قال واخبرنی موسی بن عقبة ان رسول الله ﷺ وابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کانوا ینهون عن القرأة خلف الامام۔ (مصنف عبد الرزاق جلد ٢ صفحه ١٣٩)۔

عن شداد ابن الهاد الليثی قال صلى النبی ﷺ الظهر او العصر فجعل رجل يقرأ خلف النبی ﷺ ورجل ينهى فلما صلى قال يارسول الله كنت اقرأ وكان هذا ينهانی فقال له رسول الله ﷺ من كان له امام فان قرأة الامام له قرأة وروى الترمذی ان جابر بن عبد الله يقول من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام الكتاب فلم يصل الا ان يكون وراء الامام هذا حديث حسن صحيح۔ وروى فی المؤطا عن ابن عمرؓ من صلى خلف الامام تفته قرأته۔

غیر مقلدین کی دلیل چنانچہ میاں نذیر حسین صاحب کے برادرزادے اور شاگرد مولوی عبد الحفیظ صاحب لکھتے ہیں: فاتحہ خلف الامام پڑھنا فرض ہے۔ بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے نماز نہیں ہوتی (فتاویٰ نذیریہ جلد ا صفحہ ۳۹۸)۔

نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں: ''بعدہ سورۃ فاتحہ بخواند اگر چہ در پس امام باشد زیرا کہ بے فاتحہ نماز صحیح نیست و نہ ادراک رکعت معتد بہ'' (عرف الجادی صفحہ ۲۶)۔

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں: ومن فرائضها قرأة الفاتحة لقادر عليها فی كل ركعة من الثنائيه والرباعية فی الفرائض والنوافل للامام والماموم والمنفرد والمسبوق (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۷۵)۔

مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں: ''میں سورۂ فاتحہ کو امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری جانتا ہوں از روئے قرآن وحدیث میری تحقیق ہے کہ فاتحہ کے بغیر منفرد ہو یا مقتدی کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ا صفحہ ۵۵۵)۔

نوٹ: غیر مقلدین حضرات قرأۃ خلف الامام کے بارے میں کس امام کی تقلید کرتے ہیں یہ آپ کو کالشمس فی نصف النہار معلوم ہو جائیگا اگر قرأۃ خلف الامام کے متعلق ائمہ کا اختلاف مختصر طور پر

زیر مطالعہ لائینگے جبکہ مرقومہ بالا سے معلوم ہوگیا ہے کہ قرأۃ خلف الامام کے متعلق احناف کس حد تک قرآن اور احادیث پر عمل کرتے ہیں۔

اختلاف مذاہب: حنفیہ کے نزدیک قرأت فاتحہ خلف الامام صلوات جہریہ اور صلوات سریہ دونوں میں مکروہ تحریمی ہے، چنانچہ حنفیہ کی ظاہری روایت یہی ہے، البتہ امام محمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ قرأۃ فاتحہ خلف الامام جہریہ میں مکروہ ہے اور سریہ میں مستحب یا کم از کم مباح ہے جس کو بعض متاخرین حنفیہ نے اختیار کیا ہے، لیکن محقق ابن الہمام نے اس روایت کی تردید کی ہے۔

دوسری طرف امام شافعیؒ کے نزدیک قرأت فاتحہ خلف الامام جہری اور سری دونوں نمازوں میں واجب ہے، جس کو غیر مقلدین نے اختیار کیا ہے۔

امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ اس بات پر متفق ہیں کہ جہری نمازوں میں قرأت فاتحہ خلف الامام واجب نہیں، لیکن پھر ان سے مختلف روایات ہیں، بعض روایات میں قرأت فاتحہ خلف الامام مکروہ ہے، بعض میں جائز اور بعض میں مستحب قرار دی گئی ہے، اور سری نماز کے بارے میں ان سے تین روایات ہیں ایک یہ کہ قرأت واجب ہے، دوسری یہ کہ مستحب ہے اور تیسری یہ کہ مباح ہے، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہری نمازوں میں وجوب قرأت کا قول صرف امام شافعیؒ کا ہے، بلکہ یہ بات بھی ان کے مشہور قول کے مطابق ہے، ورنہ تحقیق یہ ہے کہ امام شافعیؒ بھی جہری نمازوں میں وجوب قرأت کے قائل نہیں ہیں، "المغنی" میں ابن قدامہ کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، نیز "کتاب الام" میں خود امام شافعیؒ کے کلام سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے، اسلئے کہ اس میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں ونحن نقول کل صلوٰۃ صلیت خلف الامام والامام یقرأ قرأۃ لایسمع فیھا قرأفیھا، جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ میں اور علامہ سیوطیؒ نے حسن المحاضرہ میں اس کی تصریح کی ہے، کہ کتاب الام امام شافعیؒ نے مصر منتقل ہونے کے بعد تالیف کی، لہذا یہ ان کی

کتب جدیدہ میں سے ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ امام شافعیؒ کا قول جدید ہو نہ کہ قول قدیم، اس سے واضح ہوا کہ صلوات جہریہ میں وجوب قرأت کا مسلک صرف ہمارے زمانہ کے غیر مقلدین کا ہے، یہاں تک کہ داؤد ظاہری بھی اس کے قائل نہیں، نیز علامہ ابن تیمیہ بھی جہری نمازوں میں ترک قرأۃ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں، اور سری نمازوں میں بھی غالباً صرف استحبابا قرأت ہی کے قائل ہیں۔

قائلین قرأت خلف الامام کی سب سے قابل اعتماد اور قولی دلیل حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت قال صلی رسول الله الصبح فثقلت علیه القرأة .... لاتفعلوا الا بام القرآن فانه لاصلوٰة لمن لم یقرأ بها۔

یہ حدیث اگرچہ قائلین قرأت خلف الامام کے مسلک پر صریح ہے، لیکن صحیح نہیں، چنانچہ امام احمدؒ نے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے، کما حکاہ ابن تیمیہ فی فتاواہ نیز حافظ ابن عبد البر اور بعض دوسرے محدثین نے بھی اسے معلول کہا ہے، جس کی تفصیل شروحات حدیث میں ہے۔

(۲) قرأت فاتحہ خلف الامام کی دوسری دلیل ابوقلابہ کی روایت ان رسول الله ﷺ قال لاصحابه هل تقرأون خلف امامکم، فقال بعض نعم وقال بعض لافقال ان کنتم لابد فاعلین فلیقرأ احدکم فاتحة الکتاب فی نفسه۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترک قرأت خلف الامام کو آپ ﷺ نے افضل قرار دیا، لہذا یہ حدیث شافعیہ کے خلاف ہے، اس پر اگر یہ کہا جائے کہ اس سے بہر حال قرأت خلف الامام کا جواز ثابت ہوتا ہے، لہذا یہ حنفیہ کے خلاف ہے، اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے یہ حدیث صلوٰۃ سریہ سے متعلق ہو اور سری نمازوں کے بارے میں حنفیہ کا مسلک مختار جواز قرأت فاتحہ خلف الامام کا ہے۔

(۴) قائلین کی تیسری دلیل ابو قتادہؓ کی روایت بھی ہے..........فلا تفعلوا الا بفاتحة الکتاب اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس کی سند میں مالک بن یحیٰ راوی ضعیف ہے، نیز دوسرے دلائل کی موجودگی میں یہ بھی صلوٰۃ سریہ پر محمول ہو سکتی ہے، اس کے علاوہ بھی بعض روایت جو پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایسی کوئی روایت نہیں جو بیک وقت صریح بھی ہو اور صحیح بھی، یعنی اول تو ان کی مستدل اکثر احادیث ضعیف ہیں، اور جو روایات صحیح ہیں وہ غیر صریح ہیں، اور حالت انفراد اور حالت امامت پر محمول ہو سکتی ہے، اگر تفصیل مطلوب ہو تو شروحات احادیث کی طرف رجوع کریں۔

مسلک حنفی: (۴۵) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ امام کی نماز فاسد ہو جانے سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر کوئی بھولے سے بغیر وضوء کے یا بغیر غسل کے جنابت کی حالت میں نماز پڑھادے یا کسی اور وجہ سے اس کی نماز فاسد ہو جائے تو اسے چاہئے کہ خود بھی اپنی نماز لوٹائے اور جن لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھی ہے، انہیں بھی نماز لوٹانے کا حکم دے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے امام کو ضامن قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسکی نماز صحیح ہوگی، تو مقتدیوں کی بھی صحیح ہوگی۔ اور اگر اس کی نماز فاسد ہو تو مقتدیوں کی بھی فاسد ہوگی۔ (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۲۶۰، ۹۹، دار قطنی جلد ا صفحہ ۳۶۱، ابن ماجہ صفحہ ۸۷، مصنف عبد الرزاق جلد ۳ صفحہ ۳۵۱)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ اگر امام حالت جنابت یا بغیر وضوء کے نماز پڑھادے یا کسی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہو جائے تو فقط امام اپنی نماز لوٹائے مقتدیوں کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی امام کا ذمہ ہے کہ وہ مقتدیوں کو بتائے کہ میں نے اس حالت میں نماز پڑھادی ہے (نزل الابرار صفحہ ۱۰۱)۔

احناف کی دلیل: حدثنی ابوغالب انه سمع اباامامة يقول قال رسول الله ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن (مسند احمد جلد ۵ صفحه ۲٦۰).

عن علی بن ابی طالبؓ قال صلی بنا رسول الله ﷺ یوما فانصرف ثم جاء ورأسه یقطر ماء فصلی بنا ثم قال انی صلیت بکم آنفا وانا جنب فمن اصابه مثل الذی اصابنی او وجد رزاً فی بطنه فلیصنع مثل ماصنعت (مسند احمد صفحه ۹۹).

عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ جاء الی الصلوٰة فلما کبر انصرف واؤمأ الیهم ای کما انتم ثم خرج ثم جاء ورأسه یقطر فصلی بهم فلما انصرف قال انی کنت جنبا فنسیت ان اغتسل (دار قطني جلد ۱ صفحه ۳٦۱، هکذا فی ابن ماجه ۸۷).

عن ابی جعفر ان علیاًؓ صلی بالناس وهو جنب او علی غیر وضوء فاعادوامرهم ان یعیدوا (مصنف عبد الرزاق جلد ۲ صفحه ۳۵۱).

عن همام بن الحارث ان عمرؓ نسی القرأة فی صلوٰة المغرب فاعاد بهم الصلوٰة (طحاوی صفحه ۲۸۰).

غیر مقلدین کی دلیل: واذا ظهر حدث امام او مفسد آخر فی رأی المقتدی اعاد الامام صلوٰته ولا یعید المقتدی ولا یلزم علی الامام اخبار القوم اذا امهم وهو محدث او جنب او فاقد شرط (نزل الابرار جلد ۱ صفحه ۱۰۱).

نوٹ: امام اگر جنبی ہو تو امام کی نماز لوٹانے سے مقتدی کی نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں شوافع

اس پر دلیل پیش کرتے ہیں حضرت عطاء بن یسار کی روایت ان النبی ﷺ کبر فی صلوۃ من الصلوٰۃ ثم اشار ان امکثوا ثم رجع وعلی جلدہ اثر الماء ہے اور حنفیہ کی طرف سے اس کے جواب میں امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی کا لفظ کافی ہے، کماروی عن ابی ہریرۃؓ "اقیمت الصلوۃ وعدلت الصفوف قیاما فخرج الینا رسول اللہ ﷺ فلما قام فی الصلوٰۃ ذکر انہ جنب فقال لنامکانکم ثم رجع فاغتسل ثم خرج الینا ورأسہ یقطر، فکبر، وصلینا معہ ولفظ مسلم حتی اذا قام فی مصلاہ قبل ان یکبر، ذکر فانصرف کذا فی نصب الرایہ جلد: ۱ صفحہ: ۲۵۲ اس سے معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا نماز سے واپس ہونا تکبیر سے پہلے تھا یعنی نماز شروع کرنے سے پہلے۔

مسلک حنفی: (۴۶) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ جب نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے تو بہت احتیاط کے ساتھ صفوں کو درست کرنا چاہیے، اس طرح سے کہ سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ملکر کھڑے ہوں درمیان میں کوئی جگہ خالی نہ رہے، سب برابر کھڑے ہوں کوئی آگے پیچھے نہو، جسکی آسان صورت یہ ہے، کہ کندھے سے کندھا ملا لیا جائے یعنی ہر شخص اپنا بازو دوسرے شخص کے بازو سے ملالے۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کے نزدیک نماز باجماعت میں پاؤں سے پاؤں ملانا ضروری ہے، اور سنت ہے (حدیث نماز صفحہ ۵۲،۴۸)۔

احناف کی دلیل: عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اقیموا الصفوف وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا بایدی اخوانکم ولاتذروا اخرجات للشیطان ومن وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفا

قطعه الله (ابوداؤدجلد ۱ صفحه ۹۷)۔

عن ابی القاسم الجدلی قال سمعت النعمان بن بشیر یقول اقبل رسول الله ﷺ علی الناس بوجوههم فقال اقیموا صفوفکم او یخالفن الله بین قلوبکم قال فرأیت الرجل یلزق منکبه بمنکب صاحبه ورکبته برکبته صاحبه وکعبه بکعبه (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۹۷)۔

عن البراء بن عازبؓ قال کان رسول اله ﷺ یتخلل الصف من ناحیة الی ناحیة یمسح صدورنا ومناکبنا ویقول لاتختفلوا فتختلف قلوبکم وکان یقول ان الله عزوجل وملائکته یصلون علی الصفوف الاول (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۹۷)۔

عن انس بن مالکؓ قال اقیمت الصلوٰة فاقبل علینا رسول الله ﷺ بوجهه فقال اقیموا صفوفکم وتراصوا فانی اراکم من وراء ظهری وفی روایة عنه وکان احدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه ۔ جلد ۱ صفحه ۱۰۰)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ حافظ عبدالمتین صاحب میمن رقمطراز ہیں: غیر مقلدین یعنی اہل حدیث حضرات باجماعت نماز میں ایک دوسرے کے پاؤں سے پاؤں ملانا ضروری سمجھتے ہیں، اور یہ سنت ہے۔ (حدیث نماز صفحہ ۴۸)۔

آگے چل کر لکھتے ہیں: زیادہ دکھ اور افسوس ان اہل حدیث حضرات پر ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ اپنی صفوں کو برباد کرتے جا رہے ہیں۔ اور ٹھیک سے پاؤں نہیں ملاتے، ہونا یہ چاہئے کہ التحیات کے بیٹھنے میں آدمی جتنی جگہ لیتا ہے اتنی ہی جگہ میں قیام کی حالت میں دونوں

پاؤں رکھے اس طرح سے صف خود بخود پوری ہوکرایک دیوار کی طرح بے خلل ہو جائیگی۔ عورتوں کو بھی اسی ہی صف بنانی چاہئے کہ ایک عورت کا پاؤں اور کاندھا دوسری عورت کے پاؤں اور کاندھے سے ملجائے"۔(حدیث نماز صفحہ ۵۲)۔

نـــوٹ: بعض روایت میں کعبہ بکعبہ ہےاور بعض روایت میں الصقوا الکعاب بالکعاب ہے، علامہ بنوریؒ فتاوی سمرقند کے حوالہ سے معارف السنن میں لکھتے ہیں: اس سے مراد جماعت ہے، یعنی ایک دوسرے کے جانب کھڑے ہو اور محاذات بین المناکب اورالزاق الکعبین سے مراد تسویۃ الصفوف اور اعتدال کو اختیار کرنا تا کہ ایک دوسرے سے متأخر اور متقدم نہو۔ (معارف السنن جلد:۹،صفحہ:۲۹۸)

☆ **مسلک حنفی:** (۴۷) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ محلہ کی مسجد میں پہلی جماعت ہوجانے کے بعد دوسری جماعت کروانا بایں طور کہ امام اور مقتدی دونوں فرض نماز ادا کریں یہ مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ اگر بلا کراہت دوسری جماعت جائز ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضرورت کے موقع پر محلہ کی مسجد میں جماعت کروالیتے۔لیکن کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ نے محلہ کی مسجد میں کبھی بھی دوسری جماعت کرائی ہو، بلکہ ایک دفعہ آپ کسی جگہ سے واپس تشریف لائے، تو مسجد میں جماعت ہوچکی تھی، آپ چاہئے تو مسجد میں دوسری جماعت کرالیتے۔لیکن اسکے باوجود آپ گھر تشریف لے گئے۔اور گھر والوں کو اکٹھا کر کے گھر میں جماعت کرائی۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین بغیر کسی تفریق کے اس بات کے قائل ہیں کہ مسجد میں صرف جماعت ثانیہ ہی نہیں، بلکہ ثالثہ رابعہ یعنی دوسری تیسری چوتھی سب جائز ہیں۔(فتاوی ثنائیہ جلد اصفحہ ۶۳۷)۔

احناف کی دلیل: عن ابی بکرةؓ ان رسول اللہ ﷺ اقبل من نواحی المدینة یرید الصلوة فوجد الناس قد صلوا فمال الی منزله فجمع اهله فصلی بهم (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحه ۴۵).

عن سلیمان مولی میمونةؓ قال أتیت ابن عمرؓ علی البلاط وهم یصلون فقلت الا تصلی معهم قال قد صلیت انی سمعت رسول الله ﷺ یقول لاتصلوا صلوٰة فی یوم مرتین (ابوداؤدد جلد ۱ صفحه ۸۵، نسائی جلد ۱ صفحه ۹۹).

عن ابراهیم النخعی قال قال عمرؓ لایصلی بعد صلوٰة مثلها (مصنف ابن ابی شیبه).

عن خرشة بن الحر أنّ عمرؓ کان یکره ان یصلی بعد صلوة الجمعة مثلها.(طحاوی جلد ۱ صفحه ۲۳۳).

عن ابراهیم ان علقمة والاسودؓ اقبلا مع ابن مسعودؓ الی مسجد فاستقبلهم الناس قد صلوا فرفع بهما الی البیت فجعل احدهما عن یمینه والاخر عن شماله ثم صلی بهما (مصنف عبد الرزاق جلد ۲ صفحه ۴۹).

عن الحسن قال کان اصحاب محمد ﷺ اذا دخلوا المسجد وقد صلوافرادی. (مصنف ابن ابی شیبه جلد ۲ صفحه ۳۲۳).

عن ابی هریرةؓ عن النبی ﷺ قال لقد هممت ان أمر فتیتی ان یجمعوا حزم الحطب ثم امر بالصلوة فتقام ثم احرق علی اقوام لایشهدون الصلوة حدیث هذا سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر تکرار جماعت جائز ہوتی تو رسول ﷺ اتنی شدید سے نہیں فرماتے، کیونکہ پہلی جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کے پاس یہ عذر موجود تھا، کہ ہم

دوسری جماعت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: د جماعت ثانیہ بلکہ ثالثہ رابعہ بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ صفحہ ۶۳۷)۔

نوٹ: حنابلہ اور اہل ظاہر جماعت ثانیہ پر استدلال کرتے ہیں حضرت انسؓ کے اس واقعہ سے جو امام بخاریؒ نے تعلیقاً ذکر کیا "وجاء انس بن مالکؓ الی المسجد قد صلی فیه فاذن واقام وصلی جماعة"۔

حضرت انسؓ کے واقعہ کا جہاں تک تعلق ہے تو عین ممکن ہے کہ یہ مسجد طریق ہو، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مسند ابو یعلی میں یہ تصریح ہے کہ یہ مسجد بنی ثعلبہ تھی، اور اس نام سے مدینہ طیبہ میں کوئی مسجد معروف نہیں، اس سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہ مسجد طریق تھی، ورنہ مدینہ طیبہ کی چھوٹی سے چھوٹی مسجد کا تذکرہ بھی کتابوں میں موجود ہے۔

نیز اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ خود حضرت انسؓ سے مروی ہے ان اصحـــاب رسول الله کانوا اذا فاتتهم الجماعة صلوا فی المسجد فرادی یہ جماعت ثانیہ کی نفی پر بالکل صریح ہے۔

(۲) حنابلہ اور اہل ظاہر جماعت ثانیہ کیلئے دوسری دلیل پیش کرتے ہیں عن ابی سعیدؓ قال جاء رجل وقد صلی رسول اللہ ﷺ: فقال ایکم یتجر علی هذا فقام رجل وصلی معه۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جماعت دو آدمیوں پر مشتمل تھی، اور تداعی کے بغیر تھی، اور بغیر تداعی کے تکرار جماعت ہمارے نزدیک بھی جائز ہے، بشرطیکہ احیاناً ایسا کر لیا جائے، اور تداعی کی حد بعض فقہاء نے یہ مقرر کی ہے کہ امام کے علاوہ جماعت میں چار

آدمی ہو جائیں، نیز حدیث مذکور میں فقام رجل سے مراد حضرت ابوبکرؓ ہے، اور حضرت ابوبکرؓ متنفل تھے، اور مسئلہ محوث فیہا یہ ہے کہ امام اور مقتدی دونوں مفترض ہوں، نیز اباحت وکراہت کے تعارض کے وقت کراہت کو ترجیح ہوتی ہے، پھر یہ امر بھی غور طلب ہے کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ تکرار جماعت پر کار بند رہے، اگر حدیث مرقومہ کا واقعہ اگر اجازت عام کی حیثیت رکھتا تو یقیناً صحابہ کرام کا عمل اس کے مطابق ہوتا۔

★ **مسلک حنفی:** (۴۸) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ قرآن پاک میں دیکھ کر قرأت کرتے ہوئے نماز پڑھنا پڑھانا جائز نہیں، اس طرح کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ اگر قرآن پاک میں دیکھ کر قرأت کرتے ہوئے نماز پڑھنا پڑھانا جائز ہوتا تو حضور ﷺ اس شخص کو جس نے یہ کہا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے قرآن یاد کرنے کی استطاعت نہیں ہے، کوئی ایسی چیز فرمادیتے، جیسے پڑھ کر نماز ہو جائے ضرور فرمادیتے کہ اگر یاد کرنے کی استطاعت نہیں ہے، تو قرآن میں دیکھ کر نماز پڑھ لیا کرو، لیکن آپ نے یہ نہیں فرمایا، بلکہ سائل سے کہا کہ سبحان اللہ الحمد اللہ الخ، کہہ لیا کرو، اسی طرح آنحضرت ﷺ نے ایک صاحب کو نماز سکھلائی اور اس سے فرمایا کہ قرآن یاد ہو تو وہ پڑھو ورنہ الحمد اللہ، اللہ اکبر اور لاالٰہ الا اللہ کہہ لیا کرو، اگر قرآن پاک میں دیکھ کر قرأت کرتے ہوئے نماز پڑھنا پڑھانا صحیح ہوتا، تو آپ اس شخص سے کہہ دیتے کہ اگر قرآن زبانی یاد نہ ہو تو دیکھ کر پڑھ لیا کرو۔ لیکن آپ کا یہ نہ فرمانا اور دیگر اذکار کے پڑھنے کا حکم دینا اس بات کی کھلی دلیل ہے، کہ دوران نماز قرآن میں دیکھ کر قرأت صحیح نہیں۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے، کہ قرآن میں دیکھ کر قرأت کرتے ہوئے نماز پڑھنا پڑھانا صحیح ہے، بلکہ نماز کے دوران

اگر قرآن مجید ہاتھ میں اٹھائے رکھے اور ورقے بھی بدلتا رہے تب بھی نماز صحیح ہے۔ (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۱۰، جلد ۱ صفحہ ۱۳۱)۔

احناف کی دلیل: عن رفاعة بن رافعؓ ان رسول الله ﷺ...... توضأ كما امرك الله ثم تشهد فاقم ثم كبرفان كان معك قرآن فاقرأ به والا فاحمد الله عزوجل وكبره وهلله۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱۲۵، ترمذی جلد ۱ صفحه ٦٦)۔

عن عبد الله بن ابی اوفیؓ قال جاء رجل الی النبی ﷺ فقال انی لااستطيع أن آخذ من القرآن شيا فعلمنی مايجزئنی منه فقال قل سبحان الله والحمد لله ولااله الاالله والله اكبر ولاحول ولاقوة الا بالله۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱۲۱، نسائی جلد ۱ صفحه: ۱۰۷، مسند احمد جلد ٤ صفحه ۳٥۳)۔

عن ابن عباسؓ قال نهانا امير المؤمنين عمران نؤم الناس فی المصحف ونهانا ان يؤمنا الا المحتلم۔ (كنز العمال جلد ۸ صفحه ۲٦۳)۔

عن جابر عن عامر قال لايؤم فی المصحف (مصنف ابن ابی شيبه جلد ۳ صفحه ۳۳۹)۔

وروی عن ابن المسيب والحسن ومجاهد وابراهيم وسليمان بن حنظله وربيع كراهة ذلك وعن سعيد والحسن وقالاترددما معك من القرآن ولاتقرأ فی المصحف۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں: ولا بأس ان يقرأ من المصحف ولو حمله باليد اواليدين او قلب اوراقه سواء كان فی

الفرائض اوالنوافل، وكذالك لا بأس ان يفتح على امامه من المصحف.
(نزل الابرار جلد ۱ صفحه ۱۱۰).

وكذا لايكره ان يقرأ الامام فيها من المصحف ويقلب الاوراق باصبعه الخ. (نزل الابرار جلد ۱ صفحه ۱۳۱).

نوٹ: حنفیہ کے نزدیک نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنے سے مطلقاً نماز فاسد ہوجاتی ہے، اس کی دو وجہ ہے: (۱) قرآن مجید کو دیکھنے سے اور تقلیب الاوراق وغیرہ سے عمل کثیر ہوتا ہے، (۲) تلقین لینی قرآن مجید سے گویا کہ غیر سے تلقین لینی ہے جو مفسد صلوٰۃ ہے۔

مسلک حنفی: (۴۹ احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، جان بوجھ کر کلام کرے یا بھولے سے۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ نماز کے دوران بھولے سے یا نماز کی بھول کے متعلق بات چیت کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، نماز صحیح رہتی ہے۔ (عرف الجادی صفحہ ۲۳، دستور المتقی صفحہ ۱۲۳، رسول اکرم کی نماز صفحہ ۱۰۳)۔

احناف کی دلیل: عن معاويةؓ ابن الحكم السلمى قال بينا انا اصلى مع رسول الله ﷺ اذ عطس رجل من القوم فقلت يرحمك الله فرمانى القوم بابصارهم فقلت واثكل امياه ماشانكم تنظرون الى فجعلوا يضربون بايديهم على افخاذهم فلما رأيتهم يصمتوننى لكنى سكت فلما صلى رسول الله فبابى وامى مارأيت معلما قبله ولا بعده احسن تعليما منه فوالله ماقهرنى ولاضربنى ولاشتمنى ثم قال ان هذه الصلوٰة لايصلح فيها شئ من كلام الناس انما هو التسبيح والتكبير

وقرأة القرآن (مسلم جلد ۱ صفحه ۲۰۳).

عن عبد الله قال كنا نسلم على رسول الله ﷺ وهو فى الصلوة فيرد علينا فلما رجعنا من عند النجاشى سلمنا عليه فلم يرد علينا فقلنا يارسول الله كنا نسلم عليك فى الصلوٰة فترد علينا فقال ان فى الصلوة شغلا (بخارى جلد ۱ صفحه ۱۶۰، مسلم جلد ۱ صفحه ۲۴ واللفظ لمسلم). وفى رواية ابى داؤد جلد-۱،ص-۱۳۳ ومسند حميدى جلد ۱ صفحه ۵۲، نسائى-۱۳۷). فقال ان الله قد يحدث من امره مايشاء وانه مما احدث ان لاتكلموا فى الصلوة.

عن زيد بن ارقمؓ قال كنا نتكلم فى الصلوٰة يكلم الرجل صاحبه وهو الى جنبه فى الصلوٰة حتى نزلت وقوموا لله قانتين فامرنا بالسكوت ونهيناعن الكلام. (بخارى جلد ۱ صفحه ۱۶۰، مسلم جلد ۱ صفحه ۲۰۴، واللفظ لمسلم.قال ابوعيسى حديث زيدبن ارقم حديث حسن صحيح والعمل عليه عند اكثر اهل العلم قالوا اذا تكلم الرجل عامدا فى الصلوٰة اوناسيا اعاد الصلوٰة وهو قول الثورى وابن المبارك (ترمذى جلد ۱ صفحه ۹۲).

عن سهل بن سعدؓ عن النبى ﷺ انه قال من نابه شئ فى صلوٰة فليقل سبحان الله انما التصفيق للنساء والتسبيح للرجال (طحاوى جلد ۱ صفحه ۳۰۲).

عن جابرؓ قال قال رسول الله ﷺ الكلام ينقض الصلوة ولاينقض الوضوء. (دار قطنى صفحه ۱۷۴).

غیر مقلدین کی دلیل: نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں: وکلام ساہی مفسد صلوٰۃ نیست (عرف الجادی صفحہ ۲۲)۔

یونس قریشی لکھتے ہیں: امام اور مقتدی اگر نماز کی بھول کی بابت کچھ گفتگو کر لیں تو بھی نماز میں کچھ نقصان واقع نہیں ہوتا (دستور المقتدی صفحہ ۱۲۳)۔

غیر مقلدین کے شیخ الحدیث اسماعیل سلفی صاحب لکھتے ہیں: ''اگر نماز میں بھول ہو جائے اور نماز میں اس کی اطلاع نہ ہو سکے نماز ختم ہونے کے بعد معلوم ہو کہ کوئی غلطی ہوئی، اس کے متعلق تحقیق کے طور پر گفتگو ہوتا نماز میں اس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا، نماز کی تکمیل کے بعد سجدہ سہو کر لیا جائے جیسا کہ ذوالیدین کے حدیث سے ظاہر ہے۔ (رسول اکرم کی نماز صفحہ ۱۰۳)۔

نوٹ: حدیث ذوالیدین ان النبی ﷺ انصرف من اثنتین فقال له ذو الیدین اقصرت الصلوٰۃ ام نسیت یارسول الله؟ فقال النبی ﷺ اصدق ذوالیدین؟ فقال الناس نعم فقال رسول الله ﷺ فصلی اثنتین اخریین ثم سلم ثم کبر فسجد الخ یہ مذکورہ بالا ایت قرانی واحادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ منسوخ ہو گیا، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں ذوالیدین کا یہ کلام جہلا عن الحکم تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام نسیانا تھا اور امام مالکؒ فرماتے ہیں یہ بات چیت اصلاح صلوٰۃ کیلئے تھی اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ بات چیت یہ سمجھ کر تھی کہ نماز پوری ہو چکی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہی سمجھکر حکم فرمایا تھا چار رکعت پوری ہو چکی، اور حضرت ذوالیدین بھی یہی سمجھ کر بولے تھے کہ نہ نماز پوری ہو چکی ہے، کیونکہ اس وقت یہ احتمال موجود تھا کہ نماز کی عداد رکعات میں کمی ہو گئی ہے، ان تمام باتوں سے ایت قران

وقوموا للہ الخ اور حدیث معاویہ بن الحکم السلمی اور حدیث ابن مسعودؓ وغیرہ سے نظر انداز ہوجاتا ہے، مگر احناف پر جان قربان ہو کہ وہ فرماتے ہیں حدیث ذوالیدین منسوخ ہے، اب باقی سب حدیث پر عمل ہوجاتا ہے۔

مسلک حنفی: (۵۰) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرمارہے ہیں کہ وتر واجب ہے، جیسا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث سے واضح ہے۔

دوسری متعدد احادیث سے معلوم ہورہا ہے کہ آپ نے صحابۂ کرام کو وتر پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور یہ قانون ہے کہ امر وجوب کیلئے ہوتا ہے جب تک کہ دوسرے معنی مراد لینے کا کوئی قرینہ نہو۔

تیسرے آپ نے وتر نہ پڑھنے پر وعید فرمائی ہے کہ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ یہ بھی وجوب کی علامت ہے۔

چوتھے آپ نے وتر رہجانیکی صورت میں قضا کرنے کا حکم دیا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہے، کیونکہ قضا فرض وواجب ہی کی جاتی ہے۔

پانچویں آپ نے وتر کی نماز مواظبت ومداومت سے بلاترک ادا فرمائی ہے، اس سے بھی وتر کا وجوب ثابت ہوتا ہے، نیز صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے فرمان سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وتر واجب ہے۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن اسکے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ وتر واجب نہیں (عرف الجادی صفحہ ۳۲)۔

احناف کی دلیل: عن عبد اللہ بن عمرؓ عن النبی ﷺ قال اجعلوا

آخر صلوٰتکم باللیل وترا (بخاری جلد ۱ صفحه ۱۳٦، مسلم جلد ۱ صفحه ۲۵۷).

عن عبد الله بن بریدةؓ عن ابیه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول الوتر حق فمن لم یؤتر فلیس منا۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۲۰۱، مستدرک حاکم جلد ۱ صفحه ۳۰۵).

عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قال بادروا الصبح بالوتر۔ (مسلم جلد ۱ صفحه ۱۵۷).

عن ابی سعیدؓ عن النبی ﷺ اوتروا قبل ان تصبحوا۔ (مسلم جلد ۱ صفحه ۲۵۷)

عن جابرؓ قال قال رسول الله ﷺ قال من خاف ان لایقوم من آخر اللیل فلیؤتر اوله ومن طمع ان یقوم آخره فلیؤتر آخر اللیل فان صلوة آخر اللیل مشهودة وذلك افضل۔ (مسلم جلد ۱ صفحه ۲۵۸).

عن ابی سعیدؓ قال قال رسول الله ﷺ من نام عن وتره او نسیه فلیصله اذا اصبح او ذکره۔ (مستدرک حاکم جلد ۱ صفحه ۳۰۲، دار قطنی جلد ۲ صفحه ۲۲).

قال عمرؓ الاشعث بن قیس احفظ عنی ثلاثا حفظتهن عن رسول الله ﷺ لاتسئل الرجل فیم یضرب امرأته ولاتسأله عمن یعتمد من اخوانه ولایعتمد هم، ولاتنم الاعلی وتر۔ (مستدرک حاکم جلد ٤ صفحه ۱۲۵).

عن عبد اللهؓ عن النبی ﷺ قال الوتر واجب علی کلم مسلم۔ (کشف

الاستار عن زوائد البزار جلد ۱ صفحہ ۳۵۲)۔

عن ابی ایوب الانصاریؓ قال قال رسول الله الوتر حق واجب علی کل مسلم ۔ (مسند احمد ، مسند ابن حبان دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۲۲)۔

غیر مقلدین کی دلیل: نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں: و وتر حق ست بر ہر مسلم لیکن واجب نیست مع ہذا اقتضاء آں ثابت ست (عرف الجادی صفحہ ۳۳)۔

نوٹ: حضرت علیؓ کی روایت "الوتر لیس بحتم کصلوٰتکم المکتوبۃ الخ یہ وجوب کی نفی نہیں، بلکہ مکتوبہ کی طرح فرض ہونے کا نفی ہے، کصلوٰتکم المکتوبۃ کے الفاظ اس پر دلالت کرر ہے ہیں ۔ (۲) وتر کی نماز کو سنت کہنے والوں نے یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ نمازوں کی تعداد پانچ بیان کی گئی ہے اگر وتر واجب ہوتے تو نمازوں کی تعداد چھ ہو جاتی ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نمازوں کی تعداد پانچ بیان کیا وتر کو عشاء کی تابع بیان کیا، لہذا مستقل بیان نہیں کیا اس سے وجوبیت کا نفی نہیں ۔

(۳) حضرت عبادہ بن صامت کا اثر کہ وجوبیت وتر کے مقابلہ میں کہا کذب" اس سے فرضیت کی نفی فرمائی ہے نہ کہ وجوب کی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف عملاً لفظی جیسا ہے اور اس کا منشاً یہ ہے کہ یہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سنت اور فرض کے درمیان مامور بہ کا کوئی اور مرتبہ نہیں ہے، اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان دونوں کے درمیان واجب کا مرتبہ ہے چنانچہ ائمہ ثلاثہ بھی وتر کو آکد السنن مانتے ہیں اور حنفیہ بھی اس کی فرضیت کے قائل نہیں ۔

☆ **مسلک حنفی:** (۵۱) احادیث وآثار سے ثابت کہ آنحضرتؐ وتر کی تین رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے۔ اور عموما پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلی دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکفرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ پڑھنے کا معمول تھا۔

(۲) خلفائے راشدین حضرت عمر فاروقؓ، اور حضرت علیؓ بھی وتر تین رکعتیں ایک ہی سلام سے پڑھتے تھے۔

(۳) عام صحابہ کرام مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، اور حضرت ابوامامہ باہلیؓ وغیرہ کا معمول بھی وتر تین رکعات ایک سلام کے ساتھ ہی پڑھنے کا تھا۔

(۴) سات فقہائے مدینہ منورہ اور ان کے علاوہ عام تابعین وتبع تابعین بھی وتر کی تین رکعات ہونے ہی کے قائل تھے۔

(۵) وتر کی تین رکعات ہونے پر اہل اسلام کا اجماع ہے۔

(۶) نماز وتر مغرب کی نماز کی طرح ہے یعنی جیسے مغرب کی تین رکعات ہیں ویسے ہی وتر کی بھی تین رکعات ہیں۔ اور جیسے مغرب کی نماز ایک سلام کے ساتھ پڑھی جاتی ہے، ایسے ہی وتر کی نماز بھی ایک سلام سے پڑھی جائیگی۔ اور جیسے مغرب کی نماز میں دوسری رکعت کے بعد قعدہ ہے ایسے ہی وتر کی دوسری رکعت میں بھی قعدہ ہے۔

(۷) وتر کی دوسری رکعت میں قعدہ واجب ہے، کیونکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وتر کی دوسری رکعت میں قعدہ کرنا ثابت ہے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۴، مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۵۴، نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۹۱، مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۱، نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۹۲، طحاوی جلد ۱ صفحہ ۱۹۲، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۰۶، نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۹۴، ابوداؤد جلد ۱، صفحہ ۲۰۱، ابن ماجہ صفحہ ۸۳، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۱۲۳)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ آپ جتنے چاہیں وتر پڑھیں دوسری رکعت پر قعدہ نہ کریں۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۴۴، نزل الابرار جلد ا صفحہ ۱۲۲، عرف الجادی صفحہ ۳۳)۔

احناف کی دلیل: عن ابی سلمة بن عبد الرحمٰنؓ انه اخبره انه سأل عائشة (رضی الله عنها) كيف كانت صلوٰة رسول الله ﷺ فی رمضان فقالت ماكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد فی رمضان ولا فی غيره على احدى عشرة ركعة يصلى اربعا فلاتسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلٰثا الحديث۔ (بخاری جلد ۱ صفحه ١٥٤، مسلم جلد ۱ صفحه ٢٥٤، نسائی جلد ۱ صفحه ١٩١)۔

عن عبد الله بن عباسؓ انه رقد عند رسول الله ﷺ فاستيقظ فتسوك وتوضأ وهو يقول ان فی خلق السموٰت والارض واختلاف الليل والنهار لأيات حتى ختم السورة ثم قام فصلى ركعتين فاطال فيهما القيام والركوع والسجود ثم انصرف فنام حتى نفخ ثم فعل ذٰلك ثلٰث مرات ست ركعات كل ذالك يستاك ويتوضأ ويقرأ هؤلاء الأيات ثم اوتر بثلث. الحديث(مسلم جلد ۱ صفحه ٢٦١)۔

عن ابن عباس (رضی الله عنهما) قال كان رسول الله ﷺ يصلى من الليل ثمان ركعات ويوتر بثلث ويصلى ركعتين قبل صلوة الفجر (نسائی جلد ۱ صفحه ١٩٢)۔

عن عامر الشعبي قال سألت ابن عباسؓ وابن عمرؓ كيف كان صلوٰة رسول الله ﷺ بالليل فقال ثلٰث عشرة ركعة ثمان ويوتر بثلٰث وركعتين بعد الفجر. (طحاوى جلد ۱ صفحه ۱۹۲).

عن عليؓ قال كان رسول الله ﷺ يوتر بثلث يقرأ فيهن بتسع سور من المفصل يقرأ في كل ركعة بثلث سور آخرهن قل هو الله احد. (ترمذى جلد۱ صفحه ۱۰٦).

عن ابى بن كعبؓ قال كان رسول الله ﷺ يوتر بسبح اسم ربك الاعلى وقل ياايها الكٰفرون وقل هو الله احد. (نسائى جلد ۱ صفحه ۱۹٤، ابوداؤد جلد۱ صفحه ۲۰۱، ابن ماجه صفحه ۸۳، مسند احمد جلد ۵ صفحه ۱۲۳).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ مولوی یونس دہلوی صاحب لکھتے ہیں الغرض نماز وتر خواہ ایک رکعت پڑھیں خواہ تین خواہ پانچ خواہ سات بیچ میں کوئی قعدہ نہ کریں، بلکہ آخر رکعت میں بیٹھیں اور صرف ایک تشہد سے وتر پڑھ کر سلام پھیریں، کیونکہ آنحضرت ﷺ سے وتر میں بیچ کا تشہد ثابت نہیں ہے، بلکہ بیچ کا تشہد کرنے میں نماز مغرب سے مشابہت ہوجاتی ہے، اسلئے جناب نبی عربی ﷺ نے تین رکعات وتر پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۴۴)۔

نواب وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں: وادنى الكمال ثلث ركعات بسلامين وهو افضل ولوزاد على احدى عشرة ركعة يجوز وكذالك لو صلى ثلث ركعات بسلام واحد غير انه لايجلس بعد الثانية بل يسردها سردا اما الوتر بثلث ركعات مع تشهدين وسلام واحد كما هو مذهب الاحناف منهى عنه لئلا يتشبه النفل بالفرض اى صلوة المغرب (نزل الابرار جلد ۱ صفحه ۱۲۲).

نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں: وحدیث ایتار بسہ رکعت ضعیف بلکہ غیر ثابت ست بلکہ ازاں نہی آمدہ پس احتیاط در ترک ایتار بسہ رکعت باشد۔ (عرف الجادی صفحہ ۳۳)۔

نوٹ: وتر کی تین رکعت کے انکار کرنے والے حضرت عائشہؓ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، قالت كانت صلوٰة رسول الله ﷺ من الليل ثلاث عشرة ركعة، يوتر من ذٰلك بخمس لا يجلس في شئ منهن الا في آخرهن. (رواه الترمذی)

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ دراصل ان میں تین رکعت وتر کے ساتھ دو رکعتیں نفل کی شامل ہیں، اور ولا یجلس سے جلوس طویل کی نفی ہے، جو دعاء وذکر کیلئے ہو نفس قعدہ کی نہیں، چنانچہ معمول یہی ہے کہ دعاء وتر کے بعد نہیں کی جاتی، بلکہ نفلوں کے بعد کی جاتی ہے۔

دوسرا جواب: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ''ما كان يصلي شيئا من هذه الصلوٰة جالسا الا الركعتين الأخيرتين فانه كان يصليهما جالسا'' یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے۔

اس حدیث کی ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ یہاں جلوس سے مراد جلوس تسلیم ہے اور مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلوس تو فرماتے تھے، لیکن سلام صرف پانچویں رکعت میں پھیرتے تھے۔

اس توجیہات کے بغیر بھی حضرت عائشہؓ سے بکثرت ایسی روایات منقول ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ ہر دو رکعات پر بیٹھتے اور سلام پھیرتے اور آخر میں تین رکعات بطور وتر ادا فرماتے تھے۔

اب یہ بات جیسے ثابت ہوتی ہے کہ وتر تین رکعات ہیں ایسا ہی تینوں رکعات ایک ہی سلام کے ساتھ تھیں جنکی دلیل یہ ہے کہ تثلیث وتر کی جو روایات اوپر ذکر کی گئی ہیں ان میں کہیں دو سلاموں کا ذکر نہیں، اگر آنحضرت ﷺ کا معمول دو سلاموں کے ساتھ تین رکعتیں پڑھنے کا ہوتا تو یہ ایک غیر معمولی بات ہوتی، اور حضرت صحابہ کرام اس کی تفصیل ضرور بیان فرماتے، لہٰذا

چونکہ روایات میں دو سلاموں کا ذکر نہیں، اسلئے یہی کہا جائے گا کہ آپؐ یہ تین رکعتیں معمول کے مطابق نماز مغرب کیطرح ایک ہی سلام کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔

البتہ صحابۂ کرامؓ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ وتر کی تین رکعات دو سلاموں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، اور اس عمل کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب فرماتے تھے، لیکن تحقیق سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو خود اس طرح نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا، چنانچہ یہ کہیں ثابت نہیں، انہوں نے یہ عمل آنحضرت ﷺ سے سیکھا ہو، یا آپؐ نے ان کو اس کی تلقین فرمائی ہو، بلکہ وہ صحیح مسلم میں آں حضرت ﷺ کے اس ارشاد کے راوی ہیں "الوتر رکعۃ من اخر اللیل"، لہذا ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اس ارشاد کا مطلب یہ سمجھا کہ ایک رکعت منفردا پڑھی جائیگی، اور چونکہ تین رکعات وتر بھی آنحضرت ﷺ سے ثابت تھیں، لہذا دونوں میں انہوں نے تطبیق اس طرح دی کہ یہ تین رکعتیں دو سلاموں کے ساتھ پڑھی جائیں، لہذا یہ ان کا اجتہاد ہے، اسکے برخلاف حنفیہ الوتر رکعۃ من اخر اللیل کا مطلب بیان کرتے ہیں کہ تہجد کے شفع کے ساتھ ایک رکعت کا اضافہ کر کے اسے تین رکعات بنادیا جائے، نہ یہ کہ ایک رکعت منفردا پڑھی جائے، حنفیہ کے بیان کردہ مطلب و توجیہ اور مسلک کی تائید مندرجۂ ذیل دلائل سے ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی "الوتر رکعة من أخر الليل" والی حدیث کے راوی ہیں، اس کے باوجود وہ وتر کی تین رکعات کو ایک سلام کے ساتھ پڑھنے کے قائل ہیں، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ "الوتر رکعة من أخر الليل" کا مطلب وہی سمجھتا ہے، جو حنفیہ نے بیان کیا ہے، والتفصيل فی شروحات الحديث فاطلب ههنا.

☆ **مسلک حنفی:** (۵۲) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ وتر کی نماز میں دعائے قنوت واجب ہے، وتر میں دعائے قنوت پورے سال پڑھنی واجب ہے، کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام

نے اسی پر مواظبت فرمائی ہے، دعائے قنوت کیلئے تکبیر کہنا مسنون ہے۔ (اخرجہ السراج صفحہ ۲۰۷، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۳۹، کتاب الآثار صفحہ ۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۲)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین نہ تو دعائے قنوت کے وجوب کے قائل ہیں، نہ دعائے قنوت پڑھتے وقت تکبیر کہنے کو صحیح سمجھتے ہیں، نہ تکبیر کہتے وقت رفع یدین کرنے کو صحیح قرار دیتے ہیں، نیز ان کا کہنا ہے کہ دعائے قنوت رکوع کے بعد مستحب ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث جلد ۱ صفحہ ۶۳۲، تحفۃ الاحوذی جلد ۱ صفحہ ۲۴۳)۔

احناف کی دلیل: عن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰؒ انه سئل عن القنوت فقال حدثنا البراء بن عازب قال سنة ماضية (اخرجه السراج بحواله آثار السنن صفحه ۲۰۷).

عن انس ان رسول الله ﷺ قنت حتى مات وابوبكرؓ قنت حتى مات وعمرؓ حتى مات . (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحه ۱۳۹).

عن ابراهيم ان ابن مسعودؓ كان يقنت السنة كلها فى الوتر قبل الركوع (كتاب الاثار للامام ابى حنيفة برواية الامام محمد صفحه ٤٢).

عن ابراهيم قال عبد الله لا يقنت السنة كلها فى الفجر ويقنت فى الوتر كل ليلة. (مصنف ابن ابى شيبه جلد ۲ صفحه ۳۰۲).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ غیر مقلدین کے مجتہد العصر عبداللہ روپڑی صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں قنوت سے پہلے تکبیر کہنے کی بابت حدیث میں کچھ تصریح نہیں آئی اور سلف کا اس میں اختلاف ہے بہتر ہے کہ ایسا کام نہ کرے، جس کی بابت دلیل کی رو سے پوری تشفی نہ ہو، ہاں ہاتھ اٹھانا دعا میں بیشک ثابت ہے، اور دعاء قنوت بھی ایک دعاء

ہے تو اس وجہ سے اس میں بھی ہاتھ اٹھا سکتا ہے، خصوصا جب کہ بہت سے سلف کا عمل بھی اس پر ہے (قیام اللیل) البتہ جس طریق سے حنفیہ ہاتھ اٹھاتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کی طرح رفع یدین کر کے ہاتھ باندھ لیتے ہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا، اور اسی طرح رکوع سے پہلے دعاء قنوت کا ثابت کرنا اور اسی پر حصر کرنا یہ بھی ٹھیک نہیں، کیونکہ پہلے پیچھے دونوں طرح ثابت ہے۔ پس دونوں پر عمل چاہئے۔ (فتاوی اہل حدیث جلد ا صفحہ ۶۳۲)۔

عبدالرحمن مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں: یجوز القنوت فی الوتر قبل الرکوع وبعدہ والمختار عندی کونہ بعد الرکوع۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۱ صفحہ ۲۴۳):

نوٹ: حنفیہ کے نزدیک قنوت وتر پورے سال مشروع ہے، امام مالکؒ کے نزدیک صرف رمضان میں واجب ہے، جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک رمضان کے بھی نصف اخیر میں مشروع ہے، باقی دنوں میں نہیں (جبکہ بعض حضرات اسکے قائل ہیں کہ قنوت رمضان۔ کے صرف نصف اول میں مشروع ہے)۔

شافعیہ وغیرہ کا استدلال حضرت علیؓ کے اثر سے ہے جو امام ترمذیؒ نے تعلیقا نقل کیا ہے، انہ کان لایقنت الا فی النصف الآخر من رمضان جبکہ حنفیہ کا استدلال حضرت حسن بن علیؓ کی حدیث علمنی رسول اللہ ﷺ کلمات اقولھن فی الوتر الخ اس میں رمضان اور غیر رمضان کی کوئی تخصیص نہیں، نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی تمام سال قنوت وتر ثابت ہے، جہاں تک حضرت علیؓ کی روایت کا تعلق ہے وہ ان کا اجتہاد ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں قنوت سے مراد قیام طویل ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علیؓ رمضان کے نصف آخر میں جس قدر طویل قیام فرماتے تھے اتنا عام دنوں میں نہ فرماتے تھے۔

شافعیہ اور حنابلہ قنوت کو بعد الرکوع مسنون مانتے ہیں ایک قول کے مطابق امام احمدؒ قنوت قبل الرکوع و بعدہ میں تخییر کے قائل ہیں ان حضرات کا استدلال حضرت علیؓ ہی کے اثر سے ہے انہ کان لایقنت الا فی النصف الآخر من رمضان وکان یقنت بعد الرکوع.

حنفیہ کا استدلال ابن ماجہ میں حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت سے ہے، ان رسول اللہ ﷺ کان یوتر فیقنت قبل الرکوع ۔ نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علقمہ سے مروی ہے ان ابن مسعودؓ واصحاب النبی ﷺ کانوا یقنتون فی الوتر قبل الرکوع.

جس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے پاس اس مسئلہ میں مرفوع حدیث بھی ہے، اور تعامل صحابہ بھی، جبکہ مخالفین کے پاس صرف حضرت علیؓ کا اثر ہے، اور اس کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے جس کا یہ منشأ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے آں حضرت ﷺ کو قنوت نازلہ رکوع کے بعد پڑھتے دیکھا ہوگا، اور اسی پر قنوت وتر کو قیاس کر لیا، اور قنوت نازلہ میں ہم بھی قنوت بعد الرکوع کے قائل ہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۵۳) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ اگر کسی نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں، اور فجر کی جماعت کھڑی ہو جائے، تو اسے چاہئے کہ اگر اسے دوسری رکعت ملنے کا یقین ہو تو وہ مسجد سے باہر کسی جگہ، ورنہ مسجد کے دروازے کے پاس یا مسجد کے کسی گوشے یا ستون کی آڑ میں جماعت کی صفوں سے ہٹ کر ان سنتوں کو ادا کرے، پھر جماعت میں شریک ہو۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۵۱، بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۶، مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۵۱، طحاوی جلد ۱ صفحہ ۲۵۷، معجم طبرانی جلد ۹ صفحہ ۲۷۷)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ

فجر کی جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد سنتیں ادا کرنا ناجائز ہے، رسول خدا کی نافرمانی ہے، اور نافرمانی کی سزا جہنم ہے۔ (صلوٰۃ الرسول صفحہ ۳۴۲، فتاوی ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۴۰، نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)۔

احناف کی دلیل: عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ ركعتاالفجر خير من الدنيا ومافيها. (مسلم جلد ۱ صفحه ۲۵۱).

عن عائشةؓ قالت لم يكن النبى ﷺ على شيئ من النوافل اشد تعاهدا منه على ركعتى الفجر (بخارى جلد ۱ صفحه ۱۵۶، مسلم جلد ۱ صفحه ۲۵۱).

عن ابى هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ لاتدعوهما وان طردتكم الخيل. (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱۷۸).

عن ابى اسحٰق قال حدثنى عبد الله بن ابى موسىٰ عن ابيهٖ حين دعاهم سعيد ابن العاص دعا اباموسى وحذيفة وعبد الله بن مسعود قبل ان يصلى الغداة ثم خرجوا من عنده وقد اقيمت الصلوٰة فجلس عبد الله الى اسطوانة من المسجد فصلى الركعتين ثم دخل فى الصلوٰة. (طحاوى جلد ۱ صفحه ۲۵۷).

عن عبد الله بن ابى موسىؓ قال جاء ابن مسعودؓ والامام يصلى الصبح فصلى ركعتين الى سارية ولم يكن صلى ركعتى الفجر. (معجم طبرانى كبير جلد ۹ صفحه ۲۷۷).

عن مالك بن مغول قال سمعت نافعا يقول ايقظت ابن عمر لصلوٰة الفجر وقد اقيمت الصلوٰة فقام فصلى ركعتين (طحاوى جلد ۱ صفحه ۲۵۸).

عن محمد بن کعب قال خرج عبد الله بن عمر من بیته فاقیمت صلوٰۃ الصبح فرکع رکعتین قبل ان یدخل المسجد وھو فی الطریق ثم دخل المسجد فصلی الصبح مع الناس ۔ (طحاوی جلد ۱ صفحہ ۲۵۸)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: اور کیا ان لوگوں کا جماعت کی موجودگی میں سنتیں پڑھنا رسول خدا کی نافرمانی نہیں ہے، جب کہ حضور انورؐ نے لاصلوٰۃ فرما کر ہر نماز کی نفی فرمادی ہے۔ (صلوٰۃ الرسول صفحہ ۴۲)۔

جماعت غرباء اہل حدیث کے مفتی عبد الستار ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: سوال وجواب دونوں ملاحظہ فرمائیں:

سوال: زید کہتا ہے جب صبح کی نماز ہو رہی ہو تو کوئی نماز نہیں، بکر کہتا ہے کہ جو شخص مسجد میں صبح کے وقت آئے اور نماز ہو رہی ہے تو اس وقت چاہئے پہلے صبح کی سنتیں پڑھ لے، پھر نماز میں ملے کس کا قول صحیح ہے؟

جواب: زید کا قول صحیح ہے بکر کا غلط ہے، بلکہ اغلط ہے، حدیث شریف میں ہے اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ یعنی جس وقت فرض نماز کی تکبیر ہو جائے اس وقت کوئی نماز نہیں ہوتی، بموجب حدیث ہذا ہر وہ شخص جو صبح کے فرض ہوتے ہوئے سنتیں پڑھے خدا اور رسول کا نافرمان ہے، جیسا کہ آج کل احناف کی جملہ مساجد میں خصوصا فجر کے وقت یہی طریقہ رائج ہے، یہ سراسر نبی علیہ السلام کی نافرمانی ہے، اور نافرمانی کی سزا جہنم ہے ومن یعص اللہ ورسولہ ویتعد حدودہ یدخلہ نارا خالدا فیھا ولہ عذاب مھین۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۴۰)۔

نواب وحید الزمان صاحب تحریر فرماتے ہیں: ولا یجوز لہ الشروع فی ای صلوٰۃ اذا

اقیمت الصلوٰۃ المکتوبۃ ولافرق بین رکعتین الفجر وغیرھما فی ھذ الحکم ولا بین ان یؤدیھا فی المسجد ام خارجہ عند بابہ (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۳۲).

نوٹ: مسئلہ ہذا میں غیر مقلدین شافعیہ اور حنابلہ کی تقلید کرتے ہیں یہ حضرات حدیث اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ کو عام کہتے ہیں جبکہ حنفیہ اور مالکیہ اس حدیث کا مصداق ظہر، عصر، مغرب، عشاء ان چاروں کو مراد لیتے ہیں اور فجر کو اس سے استثناء کرتے ہیں دیگر صحیح صریح مرفوع احادیث اور صحابہ کرام کے عمل کی بنا پر جو احناف کی دلیل میں ذکر کیا گیا اور شافعیہ کے مستدل حدیث پر خود شافعیہ بھی پوری طرح عمل پیرا نہیں، کیونکہ اگر کوئی شخص جماعت کھڑی ہونے کے بعد اپنے گھر میں سنتیں پڑھ کر چلے، تو یہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے، حالانکہ مستدل حدیث کے حکم میں یہ بھی داخل ہے، اور اس میں گھر اور مسجد کی کوئی تفریق نہیں ہے، دوسرے "الا المکتوبۃ" کے الفاظ میں صلوٰۃ فائتہ بھی داخل ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اقامت صلوٰۃ کے بعد فائتہ کا پڑھنا جائز ہو، حالانکہ شافعیہ اس کو بھی جائز نہیں کہتے، گویا یہ حدیث عام خص عنہ البعض کے درجے میں ہے، لہٰذا اگر حنفیہ فقہاء صحابہؓ کے تعامل کی بناء پر اس میں مزید تخصیص پیدا کرلیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

غیر مقلدین بیہقی (باب کراھیۃ الاشتغال بھما بعد اقیمت الصلوٰۃ) کی روایت " قیل یا رسول اللہ ولا رکعتی الفجر قال ولا رکعتی الفجر سے بھی استدلال کرتے ہیں جو روایت انتہائی درجہ کے ضعیف ہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۵۴) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی تہجد کی نماز پڑھ کر اور کبھی فجر کی سنتیں پڑھ کر راحت کی غرض سے لیٹے جاتے تھے۔ اور کبھی نہیں بھی لیٹتے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، کہ آنحضرت ﷺ فجر کی سنتیں پڑھنے کے بعد اگر میں جاگ رہی

ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے رہتے ورنہ لیٹ جاتے۔

(۲) آپ کے یہ لیٹنا بطور عبادت کے نہیں تھا بطور استراحت اور عادت کے تھا۔

(۳) صحابہؓ کرامؓ اور تابعین عظام مسجد میں فجر کی سنتیں پڑھکر سنت سمجھ کر لیٹنے کو پسند نہیں کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس طرح کسی کو لیٹتا دیکھا تو منع کیا، تو اسے پتھر مار کر اٹھاتے تھے، کچھ لوگوں کو آپ نے اسی طرح لیٹے دیکھا تو منع کیا، انہوں نے کہا ہم تو ادائیگی سنت کی غرض سے لیٹے ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ سمجھ کر لیٹنا بدعت ہے، (نہ کہ سنت)۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس طرح سے لیٹنے کو گھوڑے گدھے کے لیٹنے کی طرح قرار دیتے تھے۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۵۳، بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۵، موطا امام محمد صفحہ ۱۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۸)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث و آثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ فجر کی سنتیں پڑھ کر دائیں کروٹ پر لیٹنا مسنون ہے، اور غیر مقلدین کے امام و مقتدی ابن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ فجر کی سنتیں پڑھ کر لیٹنا فرض ہے، فجر کی نماز کے صحیح ہونے کی شرط ہے، جس کا مطلب یہ ہے، اگر کوئی سنتیں پڑھ کر نہ لیٹا، تو اس کی فجر کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۲۵، صلاۃ الرسول صفحہ ۳۵۰، عرف الجاری صفحہ ۳۳)۔

احناف کی دلیل: عن عائشةؓ ان رسول الله ﷺ كان يصلي بالليل احد عشرة ركعة يوتر منها بواحدة فاذا فرغ منها اضطجع على شقه الايمن حتى ياتيه المؤذن فيصلي ركعتين خفيفتين. (مسلم جلد ۱ صفحه ۲۵۳).

عن عائشةؓ ان النبي ﷺ كان اذا صلى سنة الفجر فان كنت مستيقظة حدثني والا اضطجع حتى يؤذن بالصلوة. (بخاری جلد ۱ صفحه ۱۵۵).

عن عبد الله بن عمرؓ انه رأی رجلا رکع رکعتی الفجر ثم اضطجع فقال ابن عمر ماشانه فقال نافع فقلت یفصل بین صلوٰته قال ابن عمر وای فصل افضل من السلام۔ (موطا امام محمد صفحه ١٤٢)۔

عن مجاهد قال صحبت ابن عمرؓ فی السفر والحضر فمارأیته اضطجع بعد رکعتی الفجر۔ (مصنف ابن ابی شیبه جلد ٢ صفحه ٢٤٨)۔

غیر مقلدین کی دلیل: حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: فجر کی سنتیں پڑھ کر فرضوں سے پہلے دائیں کروٹ پر لیٹنا سنت ہے۔ (صلوٰۃ الرسول صفحہ ۳۵۰)۔

نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں: وبعد ازیں ہر دو اضطجاع بر شق ایمن سنت است وبدان امر وارد گشتہ (عرف الجادی صفحہ ۳۳)۔

نواب وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں: ویسن الاضطجاع علی جنب الایمن بعد رکعتی الفجر وقال ابن حزم من اصحابنا ان الاضطجاع بعد سنة الفجر فرض من شرائط صحة الصلوٰة وتفرد بهذا القول (نزل الابرار جلد ١ صفحه ١٢٥)۔

نوٹ: فجر کی دو رکعت سنتوں کے بعد تھوڑی دیر کیلئے لیٹ جانا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، لیکن حنفیہ اور جمہور کے نزدیک یہ لیٹنا آنحضرت ﷺ کی سنن عادیہ میں سے تھا، نہ کہ سنن تشریعیہ میں سے، یعنی صلوٰۃ اللیل سے تعب کی بناء پر آپ کچھ دیر آرام فرما لیتے تھے، لہٰذا اگر کوئی شخص اس سنت عادیہ پر عمل نہ کرتے تو کوئی گناہ نہیں، اور اگر سنت عادیہ کی اتباع کے پیش نظر لیٹ جایا کرے تو موجب ثواب ہے، بشرطیکہ وہ رات کے وقت تہجد میں مشغول رہا ہو، لیکن اس کو سنن تشریعیہ میں سے سمجھنا لوگوں کو اس کی دعوت دینا اور اسکے

ترک پر نکیر کرنا ہمارے نزدیک جائز نہیں، حنفیہ کے مقابلہ میں امام شافعیؒ اضطجاع بعد رکعتی الفجر کو سنت تشریعی قرار دیتے ہیں، ابن حزم اور بعض دوسرے اہل ظاہر نے تو اس میں اتنا غلو کیا کہ اس کو واجب قرار دیدیا، بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہدیا کہ اضطجاع صحت فرض کی شرط ہے، یعنی اگر اضطجاع نہ کیا تو فرض بھی صحیح نہو نگے۔

شوافع وغیرہ کا استدلال ترمذی کی روایت "اذا صلی احدکم رکعتی الفجر فلیضطجع علی یمینہ" اس حدیث میں صیغۂ امر واجب وارد ہوا ہے، حنفیہ اور جمہور کیطرف سے اس کا یہ جواب ہے کہ صیغۂ امر کی روایت شاذ ہے، اصل میں یہ روایت فعلی تھی اور اس میں صرف آپکا عمل بیان کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کے اس عمل کو اس طرح بیان فرماتی ہیں "ان النبی ﷺ کان اذا صلی رکعتی الفجر فی بیتہ اضطجع علی یمینہ" (رواہ الترمذی) چنانچہ تمام حفاظ اس اضطجاع کو آنحضرت ﷺ کے عمل کے طور پر روایت کرتے ہیں، اور صیغہ امر کوئی روایت نہیں کرتا، اس کو قولی حدیث کے طور پر صیغۂ امر کے ساتھ نقل کرنے میں عبدالواحد بن زیاد متفرد ہیں، اور عبدالواحد بن زیاد اگرچہ رواۃ حسان میں سے ہیں، لیکن اعمش سے ان کی روایات متکلم فیہ ہے، اور اگر انہیں مطلقاً ثقہ بھی مان لیا جائے تب بھی انہوں نے یہاں دوسرے ثقات کی مخالفت کی ہے، لہذا ان کی یہ روایت شاذ ہے۔

☆ **مسلک حنفی:** (۵۵) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ فجر کی نماز کے بعد سورج طلوع ہونے تک کوئی نماز جائز نہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان دونوں اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۸۲، مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۷۵، واللفظ لمسلم، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۲۰، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۲)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ اگر فجر کی سنتیں فرضوں سے پہلے پڑھنے سے رہ جائیں تو فرضوں کے فورا بعد ادا کر لی جائیں۔ دستور المتقی صفحہ ۱۰۴، صلاۃ الرسول صفحہ ۳۵۱)۔

احناف کی دلیل: عن ابی هريرةؓ ان رسول الله ﷺ نهى عن الصلوٰة بعد العصر حتى تغرب الشمس وعن الصلوٰة بعد الصبح حتى تطلع الشمس (بخاری جلد ۱ صفحه ۸۲، مسلم جلد ۱ صفحه ۲۷۵، واللفظ لمسلم)۔

عن ابن عباسؓ قال سمعت غير واحد من اصحاب رسول الله ﷺ منهم عمر بن الخطاب وكان احبهم الى ان رسول الله ﷺ نهى عن الصلوٰة بعد الفجر حتى تطلع الشمس وبعد العصر حتى تغرب الشمس (بخاری جلد ۱ صفحه ۸۲، ملسم جلد ۱ صفحه ۲۷۵، واللفظ لمسلم)۔

عن عطاء بن يزيد الليثى انه سمع اباسعيد الخدريؓ يقول قال رسول الله ﷺ لاصلوٰة بعد صلوٰة الفجر حتى تطلع الشمس۔ (بخاری جلد ۱ صفحه ۸۲، مسلم جلد ۱ صفحه ۲۷۵، واللفظ لمسلم)۔

عن زرارة بن اوفى ان المغيرة بن شعبة قال تخلف رسول الله ﷺ فذكر هذه القصة قال اتينا الناس وعبد الرحمن بن عوف يصلى بهم الصبح فلما رأى النبى ﷺ اراد ان يتاخر فأومأ اليه ان يمضى فصليت انا والنبى ﷺ خلفه ركعة فلما سلم قام النبى ﷺ فصلى الركعة التى سبق بها ولم يزد عليها شيئا۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۲۰)۔

عن ابى هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ من لم يصل ركعتى الفجر فليصلهما بعد ماتطلع الشمس (ترمذى جلد ۱ صفحه ۹۶)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں: اگر یہ سنتیں جماعت میں شریک ہونے کی وجہ سے رہ گئی ہوں تو فرضوں کے بعد پڑھ لیں۔(دستور المتقی صفحہ ۱۰۴)۔

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: اگر آپ ایسے وقت مسجد میں پہنچیں کہ جماعت کھڑی ہوگئی ہو، اور سنتیں آپ نے نہ پڑھی ہوں تو پھر جماعت کے پاس سنتیں مت پڑھنی شروع کردیں، کیونکہ جماعت کے ہوتے ہوئے پاس کوئی نماز نہیں ہوتی، آپ جماعت میں شامل ہوجائیں، اور فرض پڑھ کر سنتیں پڑھ لیں۔(صلاۃ الرسول صفحہ ۳۵۱)۔

نوٹ: مسئلہ ھذا میں غیر مقلدین شوافع کی تقلید کرتے ہیں، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر کوئی شخص فجر کی سنتیں فرض سے پہلے نہ پڑھ سکا، تو وہ ان کو فرض کے بعد طلوع شمس سے پہلے ادا کرسکتا ہے استدلالاً ترمذی کی روایت پیش کرتے ہیں، "خرج رسول الله ﷺ فاقیمت الصلوٰۃ ، فصلیت (ای صلی قیس) معه الصبح ثم انصرف النبی ﷺ فوجد نی اصلی فقال مهلا یاقیس اصلوتان معاً؟ قلت یارسول الله انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر فلااذن" حدیث مذکور میں فلااذن سے "فلا بأس اذن" مراد ہیں، یعنی اگر وہ دو رکعتیں رہ گئی تھیں، تو ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، نیز بعض روایات میں یہاں "فلااذن" کی جگہ فسکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اور بعض میں فسکت النبی ﷺ ولم یقل شیئاً" کے آئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ؐ نے حضرت قیس کی عذر کو قبول فرمایا تھا، ان تمام الفاظ حدیث سے شوافع استدلال کرتے ہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کی طرف سے اسکا جواب یہ ہے کہ اول تو امام ترمذی کی تصریح کے مطابق وہ منقطع ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں واسناد ھذا الحدیث لیس بمتصل، دوسرے فلااذن کے معنی ہمارے نزدیک فلابأس اذن نہیں، بلکہ فلاتصل اذن ہے حنفیہ اور مالکیہ کے

نزدیک فجر کے فرض کے بعد طلوع شمس سے پہلے سنتیں پڑھنا جائز نہیں، بلکہ ایسی صورت میں طلوع شمس کا انتظار کرنا چاہئے اور اس کے بعد سنتیں پڑھنی چاہئیں حنفیہ کی تائید میں احادیث کثیرہ دلائل میں مذکور ہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۵۶) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعت پڑھنا مسنون نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے خود انہی سنت سمجھ کر پڑھنے کو مکروہ جانا ہے۔ (ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۸۲، کتاب الآثار صفحہ ۳۲، مصنف عبد الرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۳۵، کشف الاستار جلد ۱ صفحہ ۳۳۴، طبرانی جلد ۲ صفحہ ۱۴۱، بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵۷)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان احادیث و آثار کے خلاف غیر مقلدین کے نزدیک مغرب کی نماز سے پہلے دو نفل پڑھنا سنت ہے، صرف یہی نہیں، بلکہ ان نفلوں کو سنت نہ سمجھنے والا ظالم اور بدعتی ہے۔ (فتاوی علمائے حدیث جلد ۴ صفحہ ۲۳۲)۔

احناف کی دلیل: (۱) عن طاؤس قال سئل بن عمر عن الركعتين قبل المغرب فقال مارأيت احدا على عهد رسول الله ﷺ يصليها ورخص في الركعتين بعد العصر. (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱۸۲).

عن حماد قال سألت ابراهيم عن الصلوٰة قبل المغرب فنهاني عنها وقال ان النبي ﷺ وابابكر وعمر لم يصلوها. (كتاب الاثار للامام ابی حنيفة برواية الامام محمد صفحه ۳۲).

عن ابراهيم قال لم يصل ابوبكرؓ ولا عمرؓ ولا عثمانؓ الركعتين قبل المغرب. (مصنف عبد الرزاق جلد ۳ صفحه ۴۳۵).

عن عبد الله بن بريدة عن ابيه ان النبي ﷺ قال بين كل اذا

نين صلوٰة الا المغرب. (کشف الاستار عن زوائد مسند البزار جلد ١ صفحه ٣٣٤).

عن جابر قال سألنا نساء رسول الله ﷺ هل رأيتن رسول الله ﷺ يصلى الركعتين قبل المغرب فقلن لا غير ان ام سلمةؓ قالت صلاهما عندى مرة فسألته ماهذه الصلوٰة فقال نسيت الركعتين قبل العصر نصليتهما الآن. (رواه الطبرانی فی کتاب مسند الشاميين بحواله نصب الرايه جلد ٢ صفحه ١٤١).

عن عبد الله بن بريدة قال حدثنى عبد الله المزنىؓ عن النبى ﷺ قال صلوا قبل صلوٰة المغرب قال فى الثالثة لمن شاء كراهية ان يتخذها الناس سنة. (بخارى جلد ١ صفحه ١٥٧).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ عبدالرحمن مبارک پوری صاحب تحریر فرماتے ہیں قبل نماز مغرب دو رکعت سنت پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اس کو اذان اور اقامت کے درمیان پڑھنا چاہئے۔ مغرب کی اذان ختم ہونے کے ساتھ ہی بلا وقفہ درود پڑھنا چاہئے، اللھم رب هذه الدعوة التامة آخر تک پڑھنا چاہئے، پھر سنت شروع کرنی چاہئے۔ اور مغرب کی سنتیں فجر کی سنت کی طرح ہلکی پڑھنی چاہئیں۔ (فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۴ صفحہ ۲۳۲)۔

نوٹ: امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک روایت کے مطابق رکعتین قبل المغرب کو مستحب کہتے ہیں دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، ترمذی کی روایت "بين كل اذانين صلوٰة لمن شاء" مگر حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک رکعتین قبل المغرب مکروہ ہے، حنفیہ کی تائید دلائل میں مذکور احادیث کے ساتھ ساتھ دار قطنی اور امام بیہقی کی روایت قال

رسول الله ﷺ ان عند کل اذانین رکعتین ماخلا صلوٰہ المغرب" سے بھی ہوتی ہے جس سے شوافع کا جواب ہوگیا۔

بہر حال بعض احادیث کی بنیاد پر رکعتین قبل المغرب کا اگرچہ جواز معلوم ہوتا ہے، مگر ترک افضل ہے(۱) ایک تو ان احادیث میں تعجیل مغرب کی تاکید بڑی اہمیت کے ساتھ وارد ہوتی ہے، اور یہ رکعتین اسکے منافی ہیں (۲) دوسرے صحابہ کرام کی اکثریت یہ رکعتین نہیں پڑھتی تھی، اور احادیث کا صحیح مفہوم تعامل صحابہ ہی سے ثابت ہوتا ہے چونکہ صحابۂ کرام نے عام طور سے اس کو ترک کیا ہے اسلئے ان کا ترک ہی بہتر معلوم ہوتا ہے، البتہ کوئی پڑھے وہ بھی قابل ملامت نہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۵۷) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو قیام رمضان کی بہت ترغیب دی ہے تراویح آپ خود بھی پڑھتے تھے، اور آپ نے تراویح (تین دن ۲۳-۲۵-۲۷ رمضان) صحابہ کو پڑھائی بھی ہیں۔ تراویح کو آپ نے امت کیلئے مسنون قرار دیا ہے، اور جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ (علی الکفایہ) ہے۔ اور یہ خود آنحضرت ﷺ کی سنت ہے۔

(۲) آنحضرت ﷺ سے بیس رکعات تراویح پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں بھی صحابۂ کرام باجماعت تراویح پڑھتے رہے ہیں۔

(۴) خلفائے راشدین حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ نے بیس رکعات تراویح پر مواظبت فرمائی، اور ان کے دور خلافت راشدہ میں تراویح بیس رکعات ہی پڑھی پڑھائی جاتی

رہیں، اسلئے تراویح بیس رکعات ہی سنت مؤکدہ ہیں۔

(۵) حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں تراویح کے بیس رکعات ہونے پر اجماع ہو گیا تھا، کیونکہ جب آپ نے حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں سب صحابہ کرام کو جمع کیا تھا۔ اور حضرت ابی بن کعبؓ کو بیس رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا، تو اس وقت کسی نے بھی آپ کے اس فعل کی کسی درجے میں بھی مخالفت نہیں کی تھی۔

(۶) جلیل القدر تابعین وتبع تابعین بھی اکثر تراویح بیس رکعات ہی پڑھتے پڑھاتے رہے۔

(۷) ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ ایک روایت کے مطابق حضرت امام مالکؒ بیس رکعات تراویح کے قائل تھے۔ (مسلم جلد ا صفحہ ۲۵۹، بخاری جلد ا صفحہ ۲۶۹، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۹۵-۲۰۲، معرفۃ السنن والآثار جلد ۴ صفحہ ۳۹، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ا صفحہ ۲۹۲-۲۹۳، بیہقی جلد ۲ صفحہ ۴۹۶، معجم طبرانی کبیر جلد ۱۱ صفحہ ۳۹۳، مسند عبد بن حمید صفحہ ۲۱۸، تاریخ جرجان صفحہ ۲۷۵، کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۴۰۹، صفحہ ۴۰۲، سیر اعلاء النبلاء جلد ا صفحہ ۴۰۰۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار، اجماع امت، اور اقوال ائمہ مجتہدین اور امت کے تقریباً تیرہ سوسالہ عمل کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ تراویح آٹھ رکعات ہی سنت ہے، بیس رکعات سنت نہیں ہیں، بیس یا بیس سے زیادہ رکعات متعین کرنے میں بدعت کا خوف ہے، بلکہ بیس رکعات پڑھنا ہی بدعت ہے۔ (صلاۃ الرسول صفحہ ۲۸۵، دستور المتقی صفحہ ۱۱۴، الجانبان صفحہ ۱۶، فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۱۹-۲۰)۔

احناف کی دلیل: عن ابی هريرةؓ قال كان رسول الله ﷺ يرغب في قيام رمضان من غير ان يأمرهم فيه بعزيمة فيقول من قام رمضان ايمانا واحتسابا غفرله ماتقدم من ذنبه فتوفي رسول الله ﷺ والامر على ذلك

ثـم كان الامر على ذٰلك فى خلافة ابى بكرؓ وصدرا من خلافة عمرؓ على ذٰلك. (مسلم جلد۱ صفحه ۲۵۹).

عن عروة ان عـائشةؓ اخبـرتـه ان رسـول الله ﷺخرج ليلة من جوف الـليل فـصلـى فـى المسجد وصلى رجال بصلوٰته فاصبح الناس فتـحـدثـوا فـاجتـمع اكثر منهم فصلى فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فـكثـر اهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج رسول الله ﷺ فصلى فصلوا بـصـلـوٰتـه فـلـمـا كـانت الليلة الرابعة عجزا المسجد عن اهله حتى خرج لصلوٰة الـصبـح فـلما قضى الفجر اقبل على الناس فتشهد ثم قال امابعد فـانـه لـم يخف على مكانكم لٰكنى خشيت ان تفرض عليكم فتعجزوا عنها فتـوفـى رسـول الله ﷺ والامر على ذٰلك. (بـخـارى جلد ۱ صفحه ۲٦۹، مسلم جلد ۱ صفحه ۲۵۹).

عـن ابـى ذرؓ صـمـنـا مع رسول الله ﷺ رمضان فلم يقم بـنـاشيئا من الشهـر حتـى بـقـى سبـع فـقـام بـنـا حتى ذهب ثلٰث الليل فلما كانت السـادسة لـم يـقـم بـنـا فلما كانت الخامسة قام بنا حتى ذهب شطر الليل فقلت يارسول الله لونفلتنا قيام هذه الليلة قال فقال ان الرجل اذا صلى مـع الامـام حتى ينصرف حسب له قيام ليلة قال فلما كانت الرابعة لم يقم فـلـمـا كـانـت الثـالثة جمع اهله ونساء ه والناس فقام بنا حتى خشينا ان يـفـوتنا الفلاح قال قلت ما الفلاح قال السحور ثم لم يقم بنا بقية الشهر. (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱۹۵).

عن ثعلبة بن ابى مالك القرظى قال خرج رسول الله ﷺ ذات ليلة

نی رمضان فرأی ناسا فی ناحیة المسجد یصلون فقال مایصنع هؤلاء قال نائل یارسول الله هؤلاء ناس لیس معهم قرآن وابی بن کعب یقرأ وهم معه یصلون بصلوته قال قد احسنوا وقد اصابوا ولم یکره ذلك لهم. (معرفة لسنن والأثار للامام البیهقی جلد ٤ صفحه ٣٩).

عن ابن عباسؓ ان رسول الله ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر. (مسند بن عبد حمید صفحه ٢١٨، مصنف ابن ابی شیبه جلد ٢ صفحه ٢٩٤، بیهقی جلد ٢ صفحه ٤٩٦ معجم طبرانی کبیر جلد ١١ صفحه ٣٩٣).

عن جابر بن عبد الله قال خرج النبی ﷺ ذات لیلة فی رمضان نصلی الناس اربعة وعشرین رکعة واوتر بثلثة. (تاریخ جرجان لابی لقاسم حمزه بن یوسف السهمی م ٧٢٧ھ صفحه ٢٧٥).

عن عبد الرحمن بن عبد القاری انه قال خرجت مع عمربن لخطاب لیلة فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی لرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلی بصلوته الرهط فقال عمرانی اری لوجمعت هؤلاء علی قارئ واحد لکان امثل ثم عزم مجمعهم علی ابی بن کعب ثم خرجت معه لیلة اکری والناس یصلون بصلوة قارئهم قال عمر نعم لبدعة هذه والتی تنامون عنها افضل من التی تقومون یرید آخر اللیل وکان الناس یقومون اوله. (بخاری جلد ١ صفحه ٢٦٩).

عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب امره ان یصلی باللیل فی رمضان فقال ان الناس یصومون النهار ولایحسنون ان یقرؤا

فلو قرأت عليهم بالليل فقال ياامير المؤمنين هذا شئ لم يكن فقال قد علمت ولكنه حسن فصلى بهم عشرين ركعة، رواه ابن منيع (كنز العمال جلد ٨ صفحه ٤٠٩).

عن الحسن ان عمربن الخطاب رضى الله عنه جمع الناس على ابى بن كعب فكان يصلى لهم عشرين ركعة، الحديث. (ابوداؤد جلد ١ صفحه ٢٠٢، سير اعلامْ النبلاء جلد ١ صفحه ٤٠٠).

عن يحيى بن سعيد ان عمر بن الخطاب امر رجلا يصلى بهم عشرين ركعة. (مصنف ابن ابى شيبة جلد ٢ صفحه ٣٩٣).

عن عبد العزيز بن رفيع قال كان ابى بن كعب يصلى بالناس فى رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويؤتر بثلٰث. (مصنف ابن ابى شيبة جلد ٢ صفحه ٣٩٣).

عن ابى عبد الرحمٰن السلمى عن على رضى الله عنه قال دعى القراء فى رمضان فامر منهم رجلا يصلى بالناس عشرين ركعة قال وكان على رضى الله عنه يوتر بهم. (سنن كبرى بيهقى جلد ٢ صفحه ٤٩٦).

غیر مقلدین کی دلیل: حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: یہ بات مہر نیمروز کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پاک تو آٹھ رکعت تراویح ہی ہے، اور اس سے زیادہ پڑھنا سنت نہیں ہے، بلکہ نافلہ عبادت ہے۔ (صلوٰۃ الرسول صفحہ ۳۸۵)۔

یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں: البتہ بیس یا تیس رکعت کی تعداد معین اور خاص کرنا درست نہیں، کیونکہ اس عمل کے بدعت ہو جانے کا خوف ہے۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۴۲)۔

غیر مقلدین کے ڈاکٹر محمد بشیر لکھتے ہیں: ہمارے جن علماء نے آٹھ سے زیادہ کو بدعت

کہا ہے، وہ ان لوگوں کی تراویح کو کہا گیا ہے جو آٹھ سے زیادہ سنت رسول اللہ ﷺ سمجھ کر پڑھتے ہیں اگر نفل سمجھ کر پڑھیں تو پھر ہمارا کوئی عالم ان پر بدعت کا فتویٰ نہیں لگاتا۔ الجانیا صفحہ ۱۶)۔

عبدالجلیل سامرودی صاحب اپنے ہم مشرب علماء پر برستے ہوئے رقمطراز ہیں بڑا تعجب تو مجھے یہ ہر علماء اس پر ہے جو کہ وہ باوجود ان باتوں سے واقف ہوتے ہوئے، رسالہ محدث میں زیادت آٹھ پر درست لکھتے ہیں، اور نوافل قرار دے کر باعث اجر بھی تسلیم کرتے ہیں، الی اللہ المشتکی رہا، ۲۰ کو سنت عمری بدعت عمری کہنا اصلاً غلط نا قابل مسموع ہے، پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ۲۰ رکعت نہ ہی فعل عمر سے وارد اور نہ ہی امر فاروق سے ثابت پھر زبردستی حضرت عمرؓ کے متھے تھوپنا کیا انصاف سے مراحل دور نہیں اور نہ ہی رسول کریم سے۔ (فتاوی ستاریہ جلد۳ صفحہ ۱۹-۲۰)۔

نوٹ: مسئلۂ ھذا میں غیر مقلدین تمام احادیث اور جمہور علماء کا خلاف ابن تیمیہ کی تقلید کرتے ہیں، کیونکہ ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح کی کم از کم بیس رکعات ہیں، البتہ امام مالکؒ سے ایک روایت میں چھتیس اور ایک میں اکتالیس رکعتیں مروی ہیں، جبکہ انکی تیسری روایت جمہور ہی کے مطابق ہے، پھر اکتالیس والی روایت میں بھی تین رکعتیں وتر کی اور دو نفلیں بعد الوتر کی شامل ہیں، اسلئے روایتیں دو ہی ہوئیں، ایک بیس رکعات کی اور ایک چھتیس رکعات کی، پھر چھتیس رکعات کی اصل بھی یہ ہے کہ اہل مکہ کا معمول بیس رکعات تراویح پڑھنے کا تھا، لیکن وہ ہر ترویحہ کے درمیان ایک طواف کیا کرتے تھے، اہل مدینہ چونکہ طواف نہیں کر سکتے تھے اسلئے انہوں نے اپنی نماز میں ایک طواف کی جگہ چار رکعتیں بڑھا دیں اس طرح ان کی تراویح میں اہل مکہ کے مقابلہ میں سولہ رکعتیں زیادہ ہو گئیں، اس سے معلوم ہوا کہ اصلاً ان کے نزدیک بھی رکعات تراویح بیس

تھیں گویا تراویح کی بیس رکعات پر ائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔

☆ **مسلک حنفی:** (۵۸) احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ جو نمازیں قضا ہو جائیں، جان بوجھ کر، یا بھول کر، یا سوتے رہ جانے کی وجہ سے تو وہ ذمہ سے ساقط نہیں ہوتیں، بلکہ ان کی ادائیگی ضروری ہے، کیونکہ آنحضرتؐ سوتے رہجانے یا بھول جانے کی وجہ سے قضاء ہو جانے والی نماز کو ادا کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ (بخاری جلد ا ۸۳، جلدا صفحہ ۸۴، مسلم جلدا صفحہ ۲۴۱-۲۲۷، ترمذی جلدا صفحہ ۴۳)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ جو نمازیں جان بوجھ کر نہ پڑھی ہوں، انکی قضا نہیں، صرف توبہ واستغفار کافی ہے۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۴۹، فتاوی اہل حدیث صفحہ ۴۱۵، فتاوی ستاریہ صفحہ ۱۵۴)۔

احناف کی دلیل: عن انس بن مالکؓ ان رسول الله ﷺ قال من نسی صلوٰۃ فلیصلها اذا ذکرها لاکفارۃ لها الا ذٰلك قال قتادۃ واقم الصلوٰۃ لذکری. (بخاری جلد ۱ صفحه ۸٤، مسلم جلد ۱ صفحه ۲٤۱، واللفظ لمسلم).

عن انس بن مالکؓ قال قال النبی ﷺ من نسی صلوٰۃ اونام عنها فکفارتها ان یصلیها اذا ذکرها. (مسلم جلد ۱ صفحه ۲٤۱).

عن انس بن مالکؓ قال قال رسول الله ﷺ اذا رقد احدکم عن الصلوٰۃ اوغفل عنها فلیصلها اذا ذکرها فان الله عزوجل یقول اقم الصلوٰۃ لذکری. (مسلم جلد ۱ صفحه ۲٤۱).

عن جابر بن عبد اللهؓ ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه جاء یوم الخندق بعد ماغربت الشمس فجعل یسب کفار قریش قال یا

رسول الله ماكدت اصلى العصر حتى كادت الشمس تغرب قال النبى ﷺ ماصليتها فقمنا الى بطحان فتوضأ للصلوٰة وتوضأنا لها فصلى العصر بعد ماغربت الشمس ثم صلى بعدها المغرب (بخارى جلد ۱ صفحه ۸۳، مسلم جلد ۱ صفحه ۲۲۷)۔

عن ابى عبيدة بن عبدا لله بن مسعودؓ قال قال عبد الله ان المشركين شغلوا رسول الله ﷺ عن اربع صلوات يوم الخندق حتى ذهب من الليل ماشاء الله فامر بلالاً فاذن ثم اقام فصلى الظهر ثم اقام فصلى العصر ثم اقام فصلى المغرب ثم اقام فصلى العشاء (ترمذى جلد۱ صفحه ٤٣)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ یونس دہلوی صاحب لکھتے ہیں اگر کوئی دیدہ دانستہ نمازیں چھوڑ دے اور پھر ان کی قضا کرنا چاہے تو اس قسم کی نمازوں کی قضا حدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ ایسے آدمی کے لئے توبہ واستغفار کافی ہے۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۴۹)۔

حافظ عبداللہ روپڑی صاحب تحریر فرماتے ہیں بلوغ کے بعد اگر نمازیں توڑی جو آسان سے ادا ہو سکتی ہے، تو کر لی جائیں اگر زیادہ مدت کی ہوں جن کو ادا کرنا مشکل ہو تو یہی کافی ہے۔ (فتاوی اہل حدیث جلد ا صفحہ ۳۱۵)۔

مفتی عبدالستار صاحب سابق امام جماعت غرباء اہل حدیث رقمطراز ہیں: لیکن سوال یہ ہے کہ نماز قضا کیوں ہوئی اصل یہ کہ عمداً چھوڑی ہے شروع میں نہ قضا کرنے کا حکم ہے اور نہ اس کی کوئی صورت ہے۔ انسان سو جائے تو جب بیدار ہو وہی اس کا وقت ہے، اگر بھول جائے تو جب یاد آجائے وہی اس کا وقت ہے اگر بیہوشی ہو جائے تو جب ہوش آئے وہی اس کا وقت ہے، پھر قضا ہو جانے کی صورت کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفسانی عذر بنا کر چھوڑی ہے، جس کی قضا نہیں، اس

پر جزم ہے کہ وہ کافر ہو گیا، اسلئے مسلمان توبہ کر کے ہوے۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد۴ صفحہ ۱۵۴)۔

نوٹ: غیر مقلدین اس مسئلہ میں جمہور کے خلاف بعض ظاہریہ کے قول پر عمل کرتے ہیں، کیونکہ بعض ظاہریہ حضرت انس بن مالک کی حدیث من نسی صلاۃ فلیصل اذا ذکر الخ، پر کہتے ہیں کہ یہاں اذا نسی لفظ ذکر کیا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عمداً ترک کرے تو اس کی قضاء ضروری نہیں، حالانکہ جمہور کے نزدیک حدیث کا مطلب وہ نہیں، بلکہ بھولنے والے پر اگر یاد آنے سے اگر قضاء کرنا پڑے (جبکہ بھول پر بہت ساری چیز معاف ہے) تو عمداً ترک کرنے سے تو بطریقہ اولی قضا کرے ورنہ کفارہ ادا کرے۔ والتفصیل فاطلب فی اعلاء السنن جلد:۷، صفحہ:۱۲۴، الموسوعۃ الفقہیۃ: جلد:۳۴، صفحہ:۲۶۔

☆ **مسلک حنفی:** (۵۹) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ نماز میں سہو ہو جانے پر سجدہ کئے جاتے ہیں وہ واجب ہیں، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سہو ہو جانے پر سجدۂ سہو کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۲) آخری قعدہ میں سجدۂ سہو سلام پھیر کر کرنا چاہیے، کیونکہ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد ہی سجدۂ سہو کرنے کا حکم دیا ہے، خود حضور علیہ السلام کو جب سہو ہوتا تھا، تو آپ سلام پھیر کر ہی سجدۂ سہو کیا کرتے تھے۔

(۳) جلیل القدر صحابۂ کرام حضرت عمر فاروقؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضرت سعد بن مالکؓ کا اسی پر عمل تھا، انہیں سہو ہوتا تو سلام پھیر کر ہی سجدۂ سہو کیا کرتے تھے۔ (بخاری جلد۱ صفحہ ۵۸، مسند احمد جلد۱ صفحہ ۲۰۵، نسائی جلد۱ صفحہ ۱۴۰و۱۴۹، ابوداؤد جلد۱ صفحہ ۱۴۸و۱۴۹، ترمذی جلد۱ صفحہ ۸۳و۹۰، مسند احمد جلد۴ صفحہ ۲۴۷)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن اسکے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ سجدۂ سہو سلام پھیرنے سے

پہلے کرنا چاہیے اور سجدۂ سہو کے بعد تشہد نہیں ہے۔ (صلوٰۃ الرسول صفحہ ۳۱۳، صلوٰۃ النبی صفحہ ۳۵)۔

احناف کی دلیل: عن ابن مسعودؓ مرفوعا واذا شك احدكم فی صلوته فليتحر الصواب فليتم عليه ثم يسلم ثم يسجد سجدتين (بخاری جلد ۱ صفحه ۵۸)۔

عن عبد الله بن جعفر ان رسول الله ﷺ قال من شك فی صلوته فليسجد سجدتيں بعد مايسلم. (مسند احمد جلد ۱ صفحه ۲۰۵، نسائی ۱٤٠، ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱٤٨)۔

عن ثوبان عن النبی ﷺ قال لكل سهو سجدتان بعد مايسلم (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱٤٩)۔

عن ابی هريرةؓ ان رسول الله ﷺ سلم ثم سجد سجدتی السهو وهو جالس ثم سلم ۔ (نسائی جلد ۱ صفحه ۱٤٩)۔

عن عمرانؓ بن حصين ان النبی ﷺ صلی ثلثا ثم سلم فقال الخرباقؓ انك صليت ثلثا فصلی بهم الركعة الباقية ثم سلم ثم سجدسجدتی السهو ثم سلم- (نسائی جلد ۱ صفحه ۱٤٩)۔

عن عمران بن الحصينؓ ان النبی ﷺ صلی بهم فسهی فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلم: (ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱٤٩، ترمذی جلد ۱ صفحه ۹۰)۔

عن زياد بن علاقةؓ قال صلی بنا المغيرة بن شعبةؓ فنهض فی الركعتين قلنا سبحان الله قال سبحان الله ومضی فلما اتم صلوته وسلم سجد سجدتی السهو فلما انصرف قال رأيت رسول الله ﷺ يصنع كما صنعت.

(ابوداؤد جلد ۱ صفحه ۱٤۸، ترمذی جلد ۱ صفحه ۸۳، مسند احمد جلد ٤ صفحه ۲٤۷).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: سجدۂ سہو کا طریقہ یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ میں تشہد، درود اور دعا پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جائیں، پھر اٹھ کر جلسے میں بیٹھ کر دوسرا سجدہ کریں۔ اور پھر اٹھ کر سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوں حدیث مذکور میں سلام پھیرنے سے پہلے سجدۂ سہو کا حکم ہے، اسلئے سہو کے دو سجدے سلام پھیرنے سے قبل کرنے چاہئیں۔ (صلاۃ الرسول صفحہ ۳۱۳)۔

مولوی خالد گرجاکھی صاحب لکھتے ہیں: سہو یعنی نماز میں بھول جانے سے دو سجدے نماز کے بعد سلام سے پہلے ادا کرنے ہوتے ہیں۔ (صلوٰۃ النبی صفحہ ۳۵)۔

مزید لکھتے ہیں: ''لیکن جو احناف میں رائج ہے کہ ایک طرف سلام پھیر کر پھر سہو کے سجدے کرنے کے بعد التحیات پڑھنا تو یہ سنت سے ثابت نہیں'' (صلوٰۃ النبی صفحہ ۳۵۲)۔

نوٹ: سجدۂ سہو بعد السلام اور قبل السلام میں اختلاف یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک سجدہ سہو مطلقا بعد السلام ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک مطلقا قبل السلام جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ تفصیل ہے کہ اگر سجدۂ سہو نماز میں کسی نقصان کی وجہ سے واجب ہوا ہے تو سجدہ سہو قبل السلام ہو اور اگر کسی زیادتی کی وجہ سے واجب ہوا ہے، تو بعد السلام ہوگا امام احمدؒ کا مسلک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سہو کی جن صورتوں میں سجود قبل السلام ثابت ہے، وہاں قبل السلام پر عمل کیا جائے گا مثلا ترمذی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ قعدۂ اولیٰ کی ترک پر سجدۂ سہو کیا، اور جہاں آپؐ سے بعد السلام ثابت ہے ان صورتوں میں بعد السلام پر عمل ہوگا مثلا چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر سلام پھر دینے کی صورت میں کمافی حدیث ذی الیدین، اور جن صورتوں میں آنحضرت ﷺ

سے کچھ بھی ثابت نہیں وہاں امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق قبل السلام سجود ہوگا، امام اسحاق کا مسلک بھی یہی ہے، البتہ جس صورت میں آنحضرت ﷺ سے کچھ ثابت نہ ہو وہاں وہ امام مالکؒ کے مسلک کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ بہر حال ائمہ ثلاثہ کسی نہ کسی صورت میں سجدۂ سہو قبل السلام کے قائل ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ ہر صورت میں بعد السلام دونوں طریقے ثابت ہیں، اور یہ اختلاف محض افضلیت میں ہے۔

☆ **مسلک حنفی:** (۶۰) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ اگر مقتدی کو دوران نماز سہو ہو جائے تو اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں، اسی پر اجماع امت بھی ہے (دار قطنی جلد ۱ صفحہ ۳۷۷، کتاب الآثار صفحہ ۳۷)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن اسکے خلاف غیر مقلدین کے نواب صاحب کا کہنا ہے کہ اگر مقتدی کو نماز میں سہو ہو جائے تو اس پر بھی سجدۂ سہو واجب ہے، اور اس سے سجدۂ سہو کے ساقط ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ (بدور الاہلہ صفحہ ۶۸)۔

احناف کی دلیل: عن عمرؓ عن النبی ﷺ قال لیس علی من خلف الامام سهو فان سها الامام فعلیه وعلی من خلفه السهو وان سها من خلف الامام فلیس علیه سهو والامام کافیه. (دارقطني جلد ۱ صفحه ۳۷۷)۔

عن ابراهیم انه قال اذا سهوت خلف الامام وحفظ الامام فلیس علیك سهو وان سها وحفظت فعلیك السهو وان لم یسجد الامام فلا تسجد وكذالك اذا سها جمیع من مع الامام اوسها الامام (كتاب الآثار للامام ابی حنیفة بروایة الامام ابی یوسف صفحه ۳۷)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں: ''واگر خود مؤتم را

در پس امام سہو نفس خود گردد و بروی سجود سہو بنا بر دخول در اں سہو واجب باشد بوجہ تناول اولۂ سجود از برائے موتم و دلیلی بر سقوط سجود سہو خودش بجز د ہمراہ امام نیامدہ۔ (بدور الاھلۃ صفحہ ۶۸)۔

نوٹ: اس مسئلہ میں بھی غیر مقلدین جمہور علماء وفقہاء کے خلاف ہیں کما فی "المغنی" لابن قدامہ: ان الماموم اذا سہا دون امامہ فلاسجود علیہ فی قول عامۃ اھل العلم لقول رسول اللہ ﷺ "انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا سجد فاسجدوا" والحدیث فی السجود، روی ھذا عن عطاء والحسن والنخعی، والشعبی وابی ثور واصحاب الرأی لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا سجد فاسجدوا" وقولہ فی حدیث ابن عمرؓ "فان سہا امامہ فعلیہ وعلی من خلفہ"

☆ **مسلک حنفی:** (۶۱) احادیث سے ثابت ہے کہ سجدۂ تلاوت ادا کرنے کیلئے طہارت شرط ہے، طہارت کے بغیر سجدۂ تلاوت جائز نہیں، کیونکہ سجدۂ تلاوت من جملۂ صلوٰۃ ہے، کیونکہ اس میں نماز کی طرح نیت بھی شرط ہے، ستر عورت بھی شرط ہے، استقبال قبلہ بھی ضروری ہے، اس میں تکبیر بھی ہے، تسبیح بھی ہے۔

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ کوئی نماز بھی طہارت کے بغیر قبول نہیں ہوتی، تو جب نماز کیلئے طہارت ضروری ہوگی، اور جس طرح کوئی نماز طہارت کے بغیر جائز نہیں، اسی طرح سجدۂ تلاوت بھی بغیر طہارت کے جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فتوی دیا کہ کوئی شخص بھی طہارت کے بغیر سجدۂ تلاوت نہ کرے۔ (ترمذی جلد ا صفحہ ۱۳، بیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۲۵)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان احادیث کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ سجدۂ تلاوت

وضو کے بغیر بھی جائز ہے۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۲۳، نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۴۶)۔

احناف کی دلیل: عن ابن عمرؓ عن النبی ﷺ لاتقبل صلوٰة بغیر طهور. (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۳)۔

عن نافع عن ابن عمرؓ انه قال لایسجد الرجل (سجدة التلاوة) الا وهو طاهر (بیهقی جلد۲ صفحه ۳۲۵)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث یونس دہلوی صاحب لکھتے ہیں: یہ سجدہ وضو کے ساتھ کرنا بہتر ہے، لیکن بے وضو بھی جائز اور درست ہے۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۲۳)۔

نواب وحید الزماں صاحب لکھتے ہیں: "وتجوز علی غیر وضوء وتستحب الطهارة لها" (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۴۶)۔

فتاوی نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۵۷۱ پر بھی بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت جائز ہونے کا فتویٰ موجود ہے، جس پر غیر مقلدین کے اکابر مثلاً میاں نذیر حسین صاحب، مولوی عبدالسلام صاحب، محمد ابوالحسن صاحب، محمد حسین بٹالوی صاحب وغیرہم کے دستخط موجود ہیں۔

نوٹ: سجدۂ تلاوت مع الطہارت کے بارے میں اختلاف یہ ہے کہ امام ابن جریر طبری عامر شعبی اور ابن علیہ کا مسلک یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت کیلئے طہارت کو شرط نہیں کہتے ہیں ان کا استدلال صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کے ایک اثر سے ہے جو تعلیقاً روایت کیا گیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں سجد علی غیر وضوء لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کے اصلی نسخہ میں سجد علی غیر وضوء کے بجائے سجد علی وضوء وارد ہوا ہے، جو جمہور کے مسلک پر صریح ہے، اور چونکہ سجدۂ تلاوت ایک طرح نماز ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ

قران حکیم میں سجود بول کر پوری نماز مراد لی گئی ہے، مثلا ومن اللیل فاسجد له وسبحه لیلا طویلا۔

☆ **مسلک حنفی:** (۶۲) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مسافر کیلئے موزوں پر مسح کی مدت تین دن تین رات مقرر فرمائی ہے۔ اور آپ نے عورت کو محرم کے بغیر تین دن کے سفر سے منع فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں تین دن ورات کو ضرور دخل ہے، اور مسافر کہلانے کا مستحق وہی ہے جو تین دن ورات کی مسافت کے سفر کے ارادہ سے گھر سے چلے۔ (مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۳۵، صحیح ابن حبان، جلد ۲ صفحہ ۳۱۱، بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۴۷، کتاب الآثار صفحہ ۳۹، کتاب الحجہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۸، کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۲۳۳، موطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۱۳۰، معجم طبرانی جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ مسافت سفر ۳ میل یا نو میل ہے۔ (فتاوی ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۶۳۰، فتاوی ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۵۷، رسول اکرم کی نماز صفحہ ۱۰۶)۔

احناف کی دلیل: عن شريح بن هانئ قال اتيت عائشةؓ اسألها عن المسح على الخفين فقالت عليك بابن ابى طالب فاسئله فانه كان يسافر مع رسول الله ﷺ فسألناه فقال جعل رسول الله ﷺ ثلثة ايام ولياليها للمسافر ويوما وليلة للمقيم. (مسلم جلد ۱ صفحه ۱۳۵).

عن عبد الرحمن بن ابى بكرة عن ابيه ان رسول الله ﷺ وقت فى المسح على الخفين ثلاثة ايام ولياليهن للمسافر وللمقيم يوما وليلة. (

صحیح ابن حبان جلد ۲ صفحه ۳۱۱).

عن ابن عمرؓ ان النبی ﷺ قال لاتسافر المرأة ثلثة ایام الا مع ذی محرم. (بخاری جلد ۱ صفحه ۱۴۷).

عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ لا یحل لامرأة ان تسافر ثلثا الا ومعها ذو محرم منها. (مسلم جلد ۱ صفحه ۴۳۴).

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول الله ﷺ لایحل لامرأة تؤمن بالله والیوم الآخر ان تسافر سفرا یکون ثلثة ایام فصاعدا الا ومعها ابوها اوابنها اوزوجها اواخوها منها. (مسلم جلد ۱ صفحه ۴۳۴).

عن علی بن ربیعة الوالبیؒ، الولبة بطن من بنی اسد بن خریمة قال سألت عبد الله بن عمر الی کم تقصر الصلوٰة؟ فقال اتعرف السویداء قال قلت لا ولکن قد سمعت بها قال هی ثلث لیال قواصد فاذا خرجنا الیها قصرنا الصلوٰة (کتاب الاثار للامام ابی حنیفة بروایة الامام محمد صفحه ۳۹).

حدثنا ابراهیم بن عبد الاعلی قال سمعت سوید بن غفلة الجعفی یقول اذا سافرت ثلاثا فاقصر. (کتاب الحجة جلد ۱ صفحه ۱۶۸).

عن عمرؓ قال تقصر الصلوٰة فی مسیرة ثلث لیال. (کنز العمال جلد ۱ صفحه ۲۳۴).

عن سالم بن عبد الله عن ابیه انه رکب الی ریم فقصر الصلوٰة فی مسیرة ذلک قال یحیی قال مالک وذالک نحو من اربعة برد. (موطا امام مالک جلد ۱ صفحه ۱۳۰).

عن ابن عباسؓ قال قال رسول الله ﷺ یااهل مکة لاتقصر و

الصلوٰۃ فی ادنی من اربعة برد من مكة الی عسفان۔ (معجم طبرانی کبیر بحوالہ مجمع الزائد جلد ۲ صفحہ ۱۵۷)۔

(۲) چنانچہ ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں: ''مسافر اس کو کہتے ہیں جو اپنے وطن سے نکل کر کسی دوسری بستی کو جائے اس کی کم سے کم بحکم حدیث شریف تین میل ہے''۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۶۳۰)۔

غیر مقلدین کے مفتی عبدالستار صاحب لکھتے ہیں: نماز قصر تین یا نو میل پر کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۵۷)۔

غیر مقلدین کے شیخ الحدیث اسماعیل سلفی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ نو میل پر قصر درست ہے۔ (رسول اکرم کی نماز صفحہ ۱۰۶)۔

نوٹ: غیر مقلدین مسئلۂ ھذا میں داؤد ظاہری کی تقلید کرتے ہیں، مسافت قصر کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ کم از کم تین مراحل کا سفر موجب قصر ہوتا ہے، اور ائمہ ثلاثہ نے سولہ فرسخ کی مقدار کو موجب قصر قرار دیا ہے، اور یہ دونوں اقوال متقارب ہیں، کیونکہ سولہ فرسخ کے اڑتالیس میل بنتے ہیں، اہل ظاہر کے نزدیک سفر کی کوئی مقدار مقرر نہیں، بلکہ قصر کیلئے مطلق سفر کا پایا جانا کافی ہے، ''وعن داؤد مطلق السفر وقدر بالمیل'' (معارف السنن جلد: ۴ صفحہ: ۴۷۳) پھر بعض اہل ظاہر نے صرف تین میل مقدار مقرر کی ہے، غالباً ان کا استدلال حضرت انسؓ کی روایت ہے'' کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خرج مسیرۃ ثلاثة لیال او ثلاثة فراسخ (شعبہ شک) پہلی رکعتیں'' لیکن جمہور اس کا جواب دیتے ہیں، کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف تین میل کے سفر میں قصر فرما لیتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ سفر تو تین میل سے زیادہ کا ہوتا تھا، لیکن آپ تین میل یا

تین فرسخ ہی کے فاصلہ پر قصر پڑھنا شروع کر دیتے تھے، بہر حال اس بارے میں جمہور کے دلائل اوپر ذکر کی گئی ہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۶۳) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ مسافر اگر کسی مقام پر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے، تو پھر نماز پوری پڑھے گا قصر نہیں کرے گا، ورنہ قصر کرے گا۔

جلیل القدر صحابۂ کرام حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اسی پر عمل تھا، اور وہ دوسروں کو یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۴۵۵، کتاب الآثار صفحہ ۳۹)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن اسکے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ چار روز کی اقامت کی نیت کر لینے سے قصر ختم ہو جائے گا۔ اور پوری نماز پڑھے گا۔ (فتاویٰ ثنائیہ صفحہ ۶۰۱)۔

احناف کی دلیل: عن مجاهد قال كان ابن عمرؓ اذا اجمع على اقامة خمس عشرة سرّح ظهره وصلى اربعا. (مصنف ابن ابی شیبه جلد ۲ صفحه ٤٥٥).

عن مجاهد عن عبد الله بن عمرؓ قال اذا كنت مسافرا فوطنت نفسك على اقامة خمسة عشر يوما فاتم الصلوة وان كنت لاتدرى فاقصر. (كتاب الاثار للامام ابى حنيفة برواية الامام محمد صفحه ۳۹).

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں: محدثین کے نزدیک بحکم حدیث تین روز کی نیت اقامت کرنے پر قصر کرنا جائز ہے، چار روز کی کرے گا تو قصر جائز نہ رہے گا۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۶۰۱)۔

فـــــوٹ: غیر مقلدین مسئلۂ ھذا میں شافعی، حنبلی کی تقلید کرتے ہیں، اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت ربیعۃ الرائی کے نزدیک ایک دن ایک رات کی اقامت کی نیت سے آدمی مقیم ہو جاتا ہے، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک چار دن سے زائد اقامت کی نیت ہو تو قصر جائز نہیں، امام اوزاعیؒ کے نزدیک بارہ دن اقامت کی نیت قصر کو باطل کر دیتی ہے، امام اسحاقؒ کے نزدیک انیس دن کی مدت کا اعتبار ہے، مدت کے سلسلہ میں سب سے زیادہ وسعت حضرت حسن بصریؒ کے مسلک میں ہے، ان کے نزدیک آدمی جبتک وطن اصلی واپس نہ پہنچ جائے وہ قصر کرسکتا ہے خواہ دوسرے مقامات پر کتنا ہی طویل قیام کیوں نہو۔

اس بارے میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ پندرہ دن سے کم مدت قصر ہے، اور پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کی نیت کرنیکی صورت میں اتمام ضروری ہوگا، پندرہ دن سے کم یا زیادہ کی جو روایت ابن عمرؓ یا ابن عباسؓ سے کی گئی ہے، یہ اولاً تو سنداً مرجوح ہے دوسرے اس حالت پر محمول ہے، جبکہ اقامت کی نیت نہ کی گئی ہو۔

☆ **مسلک حنفی:** (۶۴) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ دوران سفر نماز میں قصر کرنا عزیمت ہے نہ کہ رخصت، نیز قصر کرنا واجب ہے، اور ضروری ہے نہ کہ افضل، کیونکہ آنحضرت ﷺ اور خلفائے راشدین نے ہمیشہ (حالت امن ہو یا خوف) سفر میں قصر ہی کیا ہے۔ نیز آپ ﷺ نے سفر میں قصر نہ کرنے کو کفران نعمت اور قصر سے انکار کو گمراہی قرار دیا ہے، کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوران سفر نماز پوری پڑھی ہے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۴۹، مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ و ۲۴۱، عمدۃ القاری صفحہ ۱۲۲)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث و آثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ

دوران سفر قصر صرف افضل ہے، لہذا کوئی پوری نماز پڑھے تو بھی صحیح ہے۔(رسول اکرم کی نماز صفحہ ۱۰۸، نزل الابرار صفحہ ۱۴۸، کنز الحقائق صفحہ ۳۴، صلاۃ النبی صفحہ ۲۸۷)۔

احناف کی دلیل: (۱) عن عیسی بن حفص بن عاصم قال حدثنی ابی انه سمع ابن عمرؓ یقول صحبت رسول الله ﷺ فکان لایزید فی السفر علی رکعتین وابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کذالك (بخاری جلد ۱ صفحه ۱۴۹)۔

عن عبد الله بن عمرؓ (فی حدیث طویل) انی صحبت رسول الله ﷺ فی السفر فلم یزد علی الرکعتین حتی قبضه الله وصحبت ابابکر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وصحبت عمرؓ وعثمانؓ فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وقدقال الله تعالی لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة. (مسلم جلد ۱ صفحه ۲۴۲)۔

عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ صلوٰة السفر رکعتان من ترك السنة فقد کفر. (رواه ابن حزم بسند صحیح، عمدة القاری جلد ۷ صفحه ۱۳۳)۔

عن ابن عباسؓ قال فرض الله الصلوٰة علی لسان نبیکم ﷺ فی الحضر اربعا وفی السفر رکعتین وفی الخوف رکعة (مسلم جلد ۱ صفحه ۲۴۱)۔

عن موسی بن سلمة الهذلی قال سألت ابن عباس کیف اصلی اذا کنت بمکة اذا لم اصل مع الامام فقال رکعتین سنة ابی القاسم ﷺ (مسلم جلد ۱ صفحه ۲۴۱)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث اسماعیل سلفی صاحب لکھتے ہیں:

سفر میں قصر کرنا افضل ہے، جس نماز کے چار فرض ہوں دو پڑھے جائیں۔ صبح اور مغرب کی نماز قصر نہیں ہوگی، وہ بدستور دو اور تین رکعت پڑھی جائیں گی، اگر کوئی پوری نماز ادا کرنا چاہے تو بھی درست ہے (رسول اکرم کی نماز صفحہ ۱۰۸)۔

نواب وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں: " والاصح عندنا ان القصر افضل". (نزل الابرار جلد ا صفحہ ۱۴۸)۔

موصوف ایک دوسری جگہ رقمطراز ہیں: " فالافضل له قصر الرباعية وان صلى اربعا اجزأته"۔ (کنز الحقائق صفحہ ۳۴)۔

مولوی خالد گرجاکھی صاحب لکھتے ہیں: " یہ ایک مسئلہ ہے کہ کیا مسافر شخص نماز پوری پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یا افضل کیا چیز ہے اس میں اصل حقیقت یہ ہے کہ مسافر کو قصر کرنا افضل ہے۔ گویا کہ افضل اگر چہ مسافر کیلئے قصر ہے، لیکن اتمام منع نہیں ہے، خصوصا جب کہ کوئی مصلحت درپیش ہو۔ (صلوۃ النبی صفحہ ۲۸۷)۔

نوٹ: حنفیہ کے نزدیک قصر عزیمت یعنی واجب ہے، لہذا اس کو چھوڑ کر اتمام جائز نہیں، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی بھی ایک ایک روایت اسی کے مطابق ہے جبکہ ان کی دوسری روایت میں قصر کو افضل قرار دیا گیا ہے، اس کے برعکس امام شافعیؒ کے نزدیک قصر رخصت ہے، اور اتمام نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے، امام شافعیؒ کا استدلال قران کریم کی اس ایت سے ہے، واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصرو الصلوۃ" اس میں لیس علیکم جناح کے الفاظ اس پر دال ہیں، کہ قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور یہ الفاظ مباح کیلئے استعمال ہوتے ہیں، نہ کہ واجب کیلئے، اس کا جواب یہ ہے کہ نفی جناح ایک ایسی تعبیر ہے جو واجب پر بھی صادق آتی ہے، اور یہ ایسے ہی جیسے کہ سعی

کے بارے میں فرمایا گیا، فمن حج البیت اواعتمر فلا جناح علیہ ان بطوف بھما، حالانکہ سعی باتفاق واجب ہے، ایت مذکورہ سے شافعیہ کے استدلال کا دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ درحقیقت یہ ایت قصر فی السفر سے متعلق نہیں، بلکہ صلوٰۃ الخوف سے متعلق ہے اوراسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، گویا اس ایت میں قصر سے مراد قصر فی الکیفیت ہے نہ کہ قصر فی الکمیت جس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں آگے "ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا" کی قید لگی ہوئی ہے، حالانکہ قصر فی السفر کسی کے نزدیک بھی حالت خوف کے ساتھ مشروط نہیں، اس صورت میں "لیس علیکم جناح" اپنی حقیقی معنی پر محمول ہوگا، اوراس سے اباحت ہی کے معنی مراد ہوں گے (والتفصیل فی شروحات الاحادیث فاطلب ھنا)۔

☆**مسلک حنفی:** (۶۵) اثار واحادیث واقوال محدثین سے ثابت ہے کہ مسافر حالت اطمینان میں جب کوئی تشویش اور جلدی نہو فرض نمازوں میں قصر کے ساتھ سنتیں بھی ادا کرنی چاہئیں، کیونکہ حضور علیہ السلام اور صحابۂ کرام مسافرت میں فرائض کے ساتھ سنتیں بھی ادا کرتے تھے۔ (ترمذی جلد۱ صفحہ۱۲۳، طحاوی جلد۱ صفحہ ۲۸۷، مجمع الزوائد جلد۲ صفحہ ۱۶۳، ترمذی جلد۱ صفحہ ۱۲۳)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین بغیر کسی تفصیل کے اس بات کے قائل ہیں، کہ دوران سفر سنتیں معاف ہیں۔ اسلئے ان کا نہ پڑھنا ہی اولی اور بہتر ہے۔ چنانچہ یہ لوگ دوران سفر سنتیں ونوافل بالکل نہیں پڑھتے۔ اوراگر کوئی پڑھے تو اس سے الجھتے اور اسے روکتے ہیں۔ کہتے ہیں حدیث سے ثابت نہیں۔ (صلوٰۃ الرسول صفحہ ۴۰۱، نزل الابرار جلد۱ صفحہ ۱۵۰)۔

احناف کی دلیل: عن البراء بن عازبؓ قال صحبت رسول الله ﷺ ثمانية عشر سفرا فمارأيته ترك الركعتين اذا زاغت الشمس قبل الظهر. (ترمذی جلد ۱ صفحه ۱۲۳).

عن ابن عمرؓ قال صليت مع النبی ﷺ فی الحضر والسفر فصليت معه فی الحضر الظهر اربعا وبعدها ركعتين وصليت معه فی السفر الظهر ركعتين وبعدها ركعتين والعصر ركعتين ولم يصل بعدها شيئا والمغرب فی الحضر والسفر سواء ثلث ركعات لاينقص فی حضر ولاسفر وهی وتر النهار وبعدها ركعتين. (ترمذی جلد ۱ صفحه ۱۲۳).

عن ابن عباسؓ قال قد فرض لرسول الله ﷺ الصلوٰة فی الحضر اربعا وفی السفر ركعتين فكمايتطوع ههنا قبلها ومن بعدها فكذلك يصلی فی السفر قبلها وبعدها. (طحاوی جلد ۱ صفحه ۱۲۳).

عن قتادة ان ابن مسعود وعائشةؓ كانا يتطوعان فی السفر قبل الصلوٰة وبعدها. (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحه ۱۶۳).

قال الامام الترمذی ثم اختلف اهل العلم بعد النبی ﷺ فرأی بعض اصحاب النبی ﷺ ان يتطوع الرجل فی السفر وبه يقول احمد واسحق ولم ير طائفة من اهل العلم ان يصلی قبلها ولا بعدها ومعنی من لم يتطوع فی السفر قبول الرخصة ومن تطوع فله فی ذلك فضل كثير وهو قول اكثر اهل العلم يختارون التطوع فی السفر (ترمذی جلد ۱ صفحه ۱۲۳).

غیر مقلدین کی دلیل: حکیم صادق سیالکوٹی صاحب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی متذ ول حدیث ذکر کر کے لکھتے ہیں معلوم ہوا کہ سفر میں سنتیں نفل سب معاف ہیں (صلوٰۃ الرسول صفحہ ۴۰۱)۔

نواب وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں: "ولا تسن للمسافر فی صلوٰۃ الرواتب الاالفجر والوتر ومن صلاها فلا بأس غیر ان ترکها اولی. (نزل الابرار جلد ا صفحہ ۱۵۰)۔

نوٹ: سنن رواتب (مؤکدہ) کے بارے میں اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ اور جمہور علماء وائمۂ کرام ان کے پڑھنے اور استحباب کے قائل ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک بھی اگر گنجائش ہو تو سنن رواتب کے ادا کرنے میں فضیلت ہے اور ترک کر دینے میں کوئی حرج نہیں، اسلئے کہ حالت سفر میں سنن رواتب کی اکدیت ختم ہو جاتی ہے، البتہ سنت فجر اس سے مستثنیٰ ہے اور سفر میں بھی اسکی اکدیت باقی رہتی ہے، لہذا اس کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہئے۔

☆ **مسلک حنفی:** (۶۶) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ جمعہ اور عیدین کی نماز بڑے شہر ہی میں جائز ہے، چھوٹی بستی یا چھوٹے گاؤں میں جمعہ یا عیدین کی نماز جائز نہیں، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے مکۂ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو مقام قبا میں جو مدینہ طیبہ سے تین کوس فاصلہ پر ہے، چودہ روز قیام فرمایا پانچوں وقت نماز ادا فرمایا، مگر جمعہ کی نماز ادا کرنے کے متعلق کوئی روایت نہیں۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳، ۵۵۵، مسلم جلد ا صفحہ ۳۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ او ۱۰۱ معرفۃ السنن جلد ۴ صفحہ ۳۲۲)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن اسکے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ گاؤں میں چھوٹا ہو یا بڑا جمعہ فرض ہے، اور گاؤں میں جمعہ روکنے والے گنہگار ہیں۔ اس کا خمیازہ کو آخرت میں بھگتنا پڑے

گا۔(دستور المتقی صفحہ۱۵۹، صلوٰۃ الرسول صفحہ۳۸۹، فتاویٰ نذیریہ جلد۱ صفحہ۵۷۷)۔

احناف کی دلیل: عـن عـائشةؓ فی حدیث طویل حتی نزل بهم فی بنی عمرو بـن عوف وذلك یوم الاثنین من شهر ربیع الاول فقام ابوبکر للناس وجلس رسول الله ﷺ صامتا فطفق من جاء من الانصار ممن لم یر رسول الله ﷺ یـحیٔ ابـابکر حتی اصابت الشمس رسول الله ﷺ فاقبل ابوبکر حتی ظلل عـلیـه بـردائه فعرف الناس رسول الله ﷺ عند ذلك فلبث رسول الله ﷺ فـی بـنـی عـمروبـن عـوف بضع عشرة لیلة (وفی روایة انس بن مالك اربع عشرة لیـلة) واسس المسجد الذی اسس علی التقویٰ وصلی فیه رسول الله ﷺ ثم رکب راحلته فسار یمشی معه الناس حتی برکت عند مسجد الرسول ﷺ بـالـمـدیـنة وهو یصلی فیه یومئذ رجال من المسلمین وکان مربداً للتمر لسهیـل وسهـل غـلامیـن یتیـمین فی حجر اسعد ابن زرارة فقال رسول الله ﷺ حیـن بـرکـت بـه راحلته هذاان شاء الله المنزل ثم دعا رسول الله ﷺ الـغـلامیـن فسـا ومهـما بالمربد لیتخذ مسجدا فقالا بل نهبه لك یا رسول الله ﷺ فـابـی رسـول الـلـه ﷺ ان یـقبـلـه منهما هبة حتی ابتاعه منهما ثم بناه مسجدا۔ الحدیث (بخاری جلد ۱ ضفحه ۵۵۵)۔

عـن جـابـر بـن عبـد الـلهؓ (فی حدیث طویل فی حجة النبی ﷺ قـال) فـاجـاز رسـول الـلـه ﷺ حتـی اتی عرفة فوجد القبة قد ضربت له بنمرة فـنـزل بهـا حتـی اذا زاغ الشمس امربالقصواء فرحلت له فاتی بطن الـوادی فـخـطـب الـناس (الی ان قال) ثم اذن ثم اقام فصلی الظهر ثم اقام

نصلی العصر ولم یصل بینهما شیئا (مسلم جلد ۱ صفحه ۳۹۷)۔

عن عائشةؓ زوج النبی ﷺ قالت کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم والعوالی۔ الحدیث (بخاری جلد ۱ صفحه ۱۲۳)۔

عن ابن عباسؓ قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول اللہ ﷺ فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین۔ (بخاری جلد ۱صفحه ۱۲۲)۔

عن ابی عبد الرحمٰن السلمی عن علیؓ قال لا جمعة ولاتشریق الا فی مصر جامع۔ (مصنف ابن ابی شیبه جلد ۲ صفحه ۱٦۸)۔

عن ابی عبد الرحمٰن قال قال علی لاجمعة ولاتشریق ولاصلوٰة فطر ولااضحی الافی مصر جامع او مدینة عظیمة۔(مصنف ابن ابی شیبه جلد ۲ صفحه ۱۰۱)۔

عن ابی عبد الرحمٰن السلمی عن علی قال لاتشریق ولاجمعة الا فی مصر جامع ۔ (معرفة السنن والآثار للبیهقی جلد٤ صفحه ۳۲۲)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں: جمعہ کی نماز شہر اور گاؤں والوں پر فرض ہے، جو لوگ گاؤں والوں پر جمعہ ساقط کرتے ہیں وہ اللہ کے فرض سے لوگوں کو روک رہے ہیں، اس کا خمیازہ آخرت میں ان کو بھگتنا پڑے گا۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۵۹)۔

حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: اس سے ثابت ہوا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے، اگر اہل گاؤں میں جمعہ نہ پڑھیں تو گنہگار رہوں گے۔(صلوٰۃ الرسول صفحہ ۳۸۹)۔

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: واضح ہو کہ جمعہ پڑھنے کے لئے کسی خاص قسم کی بستی ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ بات کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے، بلکہ شرعی دلیل سے یہ ثابت ہے کہ جمعہ کا پڑھنا ہر جگہ فرض ہے، خواہ شہر ہو یا گاؤں اور خواہ بڑا گاؤں ہو یا چھوٹا گاؤں۔ (فتاوی نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۵۷۷)۔

نوٹ: مذکورہ دلائل کی بنیاد پر حنفیہ کے نزدیک صحت جمعہ کیلئے مصر یا قریۂ کبیرہ شرط ہے، اور دیہات وغیرہ میں جمعہ جائز نہیں، امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک جمعہ کیلئے مصر شرط نہیں، بلکہ گاؤں میں بھی جمعہ ہو سکتا ہے، البتہ غیرِ مقلدین اور بھی ایک ڈانگ غلو کر کے کہتے ہیں کہ جنگل میں جمعہ جائز ہے۔

☆ **مسلک حنفی:** (٦٧) احادیث وآثار واقوال محدثین سے ثابت ہے کہ نماز جمعہ اور عام نمازوں میں فرق ہے، انعقاد جمعہ کیلئے چند شرطیں ہیں؛ جن کے بغیر جمعہ جائز نہیں وہ شرط درج ذیل ہیں: (۱) مصر جامع، شہر کا ہونا، گاؤں دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔

(۲) امیر یا اس کے نائب کا ہونا جیسے امیر کی طرف سے اقامت جمعہ کی اجازت ہو، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے امام یعنی امیر کے ہوتے ہوئے جمعہ نہ پڑھنے پر وعید فرمائی ہے (۳) جماعت کا ہونا (۴) نماز جمعہ سے پہلے خطبہ پڑھنا (۵) اذن عام ہونا۔

قرآن، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۲۲ صحیح ابن خزیمہ جلد ۴ صفحہ ۳۲۳، مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱٦۹، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۹ صفحہ ۵۵۴، الاوسط فی السنن جلد ۴ صفحہ ۱۱۳، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۳، دار قطنی جلد ۲ صفحہ ۷، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۸)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن آیات کریمہ، واحادیث وآثار، اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ جمعہ کی نماز اور دوسری نمازوں میں کوئی فرق نہیں۔ فقہاء جو جمعہ کی شرطیں

یاذکرتے ہیں ان پر کوئی دلیل نہیں، اور یہ سب بیکار ہیں۔ (الدر البھیۃ مع شرح الروضۃ الندیہ جلد ا صفحہ ۱۳۴، عرف الجادی صفحہ ۴۱، فتاویٰ ستاریہ جلد ا صفحہ ۷۵۔

احناف کی دلیل: یاایها الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل الله واذکروا الله کثیرا لعلکم تفلحون ۔(ایۃ:۹، پ:۲۸، صورۃ الجمعۃ).

عن مولی لآل سعید بن العاص انه سأل ابن عمر عن القریٰ التی بین مکۃ والمدینۃ ماتریٰ فی الجمعۃ قال نعم اذا کان علیهم امیر فلیجمع (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۲۲)۔

عن ابی رافع ان ابا هریرۃ کتب الی عمر یسئله عن الجمعۃ وهو بالبحرین فکتب الیهم ان جمعوا حیث ماکنتم. (صحیح ابن خزیمہ بحوالہ معرفۃ السنن والآثار جلد ۳ صفحہ ۳۲۳)۔

عن ابی سعید الخدری قال خطبنا النبی ﷺ ذات یوم فقال ان الله کتب علیکم الجمعۃ فی مقامی هذا فی ساعتی هذه فی شهری هذا فی عامی هذا الی یوم القیامۃ من ترکها من غیر عذر مع امام جائر فلا جمع الله له شمله ولا بورک له فی امره الا ولا صلوۃ له الا ولا حج له الا ولا بر له الا ولا صدقۃ له. (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۶۹)۔

عن ابن محیریز قال الجمعۃ والحدود والزکوٰه والفیٔ الی السلطان (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۹ صفحہ ۵۵۴)۔

قال ابوبکر بن المنفذ المتوفی ۳۱۸ھ مضت السنة بان الذی یقیم الجمعة السلطان او من قام بها بامر السلطان وکان سلیمان بن یسار یقول لایقیم الجمعة الا من اقام الحدود، وقال الحسن البصری اربع الی السلطان الحدود والجمعة والزکوة ونسی الراوی الحدیث الرابع وقال حبیب بن ابی ثابت لاتکون الجمعة الا بامیر وخطبة (الاوسط فی السنن والاجماع والاختلاف لابن المنذر جلد۴ صفحہ۱۱۳)۔

عن طارق بن شہابؓ عن النبی ﷺ قال الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة (الحدیث) ابوداؤد جلد۱ صفحہ۱۵۳)۔

عن ام عبد الله الدوسیة قالت قال رسول الله و الجمعة واجبة علی کل قریة وان لم یکن فیها الااربعة یعنی بالقری المدائن۔ (دارقطنی جلد۲ صفحہ۷)۔

عن عمر بن الخطاب انه قال انما جعلت الخطبة مکان الرکعتین فان لم یدرک الخطبة فلیصل اربعا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۲ صفحہ۱۲۸، مصنف عبد الرزاق جلد۳ صفحہ۲۳۷)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ غیر مقلدین کے امام قاضی شوکانی لکھتے ہیں: وهی کسائر الصلوات لاتخالفها (الدرر البہیہ مع شرح الروضۃ الندیہ جلد۱ صفحہ۱۳۴)۔

نواب نور الحسن لکھتے ہیں: '' واشتراط امام ومصر جامع ومسجد جامع وجماعت وحضور چہار کس یازیادہ تا چہل نفر وجز آن کہ اہل فروع بذکرش پرداختہ اند حدیث خرافہ بیش نیست وکثرت تعینات دین عبادت وتشعب مذاھب در شروط آں از قبیل جمع میان متروبیہ ونطیحہ وماکول السبع باشد واعتبار آنہا بلا برہاں از سنت قرآن واز شرع وعقل وعرفان ست وروا ست بدوکس یکے امام شود ودیگر موتم وخطبہ سنت ست نہ واجب ونہ شرط صحت''۔ (عرف الجادی صفحہ۴۱)۔

جماعت غرباء اہل حدیث کے سابق امام مفتی عبدالستار رقمطراز ہیں: ''اہل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ جمعہ کی شرطیں جو برادران احناف نے لگائی ہیں، وہ سب بے دلیل ہیں۔ اور جمعہ کی نماز اور نمازوں کی طرح ہے۔ صرف جماعت کی اس میں شرط ہے یعنی امام کے سوا کم از کم ایک آدمی اور ہونا نماز سے پہلے دو خطبہ پڑھنا''۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۷۵)۔

نوٹ: قائلین جواز جمعہ فی القریٰ بطور استدلال پیش کرتے ہیں، "اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله (سورۃ الجمعۃ) میں فاسعوا کے عموم سے ہے جس میں مصر اور غیر مصر کی کوئی تفصیل نہیں، حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس ایت میں سعی الی الجمعۃ کو نداء پر موقف کیا گیا ہے، اور اس میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ نداء کہاں ہونی چاہئے کہاں نہیں؟ اور قریہ میں جب نداء نہو گی تو سعی بھی واجب نہو گی۔

دوسری دلیل: ابن عباسؓ کی روایت ان اول جمعة جمعت فی الاسلام بعد جمعة جمعت فی مسجد رسول الله بالمدینة لجمعة جمعت بجواثی الخ (رواہ ابوداؤد)۔ اس میں جواثی کو قریہ قرار دیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ قریہ میں جمعہ ہو سکتا ہے حنفیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ لفظ قریہ عربی محاورہ میں بسا اوقات شہر کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، چنانچہ قران کریم میں مکہ مکرمہ اور طائف کیلئے لفظ قریہ استعمال ہوا ہے حالانکہ یہ باتفاق شہر ہیں۔ اسی طرح حدیث بالا میں بھی لفظ قریہ شہر کے معنی میں آیا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ جواثی کے بارے میں امام جوہری نے ''صحاح'' میں علامہ زمخشریؒ نے کتاب البلدان میں لکھا ہے کہ ان جواثی من اسم حصن بالبحرین بعد القیس گویا قلعہ کے نام پر اس علاقہ کا نام پڑ گیا، اور قلعہ چھوٹے گاؤں میں نہیں ہوتا، بلکہ علامہ نیمویؒ نے آثار السنن میں متعدد اصحاب سیر کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ یہ شہر زمانہ جاہلیت ہی سے تجارت کا بڑا مرکز اور منڈی تھا، اور جاہلیت کے شعراء نے بھی اپنے اشعار میں اس کا اسی حیثیت سے تذکرہ کیا ہے، حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں حضرت

علاء بن الحضرمیؓ یہاں کے گورنر تھے، لہذا جواثی کے شہر ہونے میں کوئی شک نہیں، اور روایت ابن عباسؓ حنفیہ کے خلاف حجت نہیں ہو سکتی، بلکہ یہ روایت تو خود حنفیہ کی دلیل بنتی ہے۔

تیسری دلیل: عبدالرحمن بن کعب بن مالکؓ کی روایت: عن ابیه کان اذا سمع النداء یوم الجمعة ترحم لاسعد بن زرارة (ای دعاله بالرحمة) فقلت له اذا سمعت النداء ترحمت لاسعدبن زرارة قال لانه اول من جمع بنافی هزم البیت من حرة بنی بیاضة فی نقیع یقال له نقیع الخضمات، قلت کم انتم یومئذ قال اربعون، اس سے معلوم ہوا کہ چالیس آدمیوں کی بستی میں جمعہ پڑھا جا سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات نے یہ جمعہ اپنے اجتہاد سے فرضیت جمعہ سے پہلے ہی پڑھ لیا تھا، اس کی تفصیل مصنف عبدالرزاق میں صحیح سند کے ساتھ حضرت محمد بن سیرینؒ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: جمع اهل المدینة قبل ان یقدم رسول الله ﷺ وقبل ان تنزل الجمعة وهم الذین سموها الجمعة فقالت الانصار للیهود یوماً یجتمعون فیه کل سبعة ایام، وللنصاری ایضا مثل ذلك فهلم فلنجعل یوم نجتمع ونذکر الله ونصلی ونشکره فیه او کما قال، فقالوا یوم السبت للیهود ویوم الاحد للنصاری فاجعلوه یوم العروبة وکانوا یسمون یوم الجمعة یوم العروبة فاجتمعوا الی سعد بن زرارة فصلی بهم الی ... قوله فاسعوا الی ذکر الله، یہ حدیث اس پر صریح ہے کہ یہ جمعہ صحابہؓ کرام نے اپنے اجتہاد سے پڑھا تھا، اور اس وقت تک جمعہ کے احکام نازل بھی نہیں ہوئے تھے، لہذا اس واقعہ سے کوئی استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

چوتھی دلیل: کہ اس بات پر تمام روایات متفق ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلا جمعہ قباء سے آتے ہوئے محلہ بنی سالم میں ادا کیا ہے، اور یہ چھوٹا سا گاؤں تھا، اس کا جواب

یہ ہے کہ محلہ بنی سالم مدینہ طیبہ کے مضافات میں داخل تھا، لہٰذا اس میں جمعہ پڑھنا مدینہ طیبہ میں جمعہ پڑھنے کے حکم میں ہے، یہی وجہ ہے کہ سیرت کی کتابوں میں "اول جمعة صلاها بمدينة" کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

پانچویں دلیل: مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے انهم كتبوا الى عمر يسألونه عن الجمعة فكتب جمعوا حيث كنتم علامہ عینیؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ معناه حيث كنتم من الامصار اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ لفظ ''حیث'' یہاں اپنے ظاہری عموم پر محمول نہیں ہے، کیونکہ ظاہری عموم کا تقاضا یہ ہے کہ صحراؤں میں بھی جمعہ جائز ہو، حالانکہ صحراؤں میں جمعہ کے عدم جواز پر امت کا اجماع ہے، چنانچہ امام شافعیؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں ان كان هذا احديثا یعنی ثابتا و لا ادری کیف هو فمعناه فی ای قرية كنتم نقله البيهقی فی المعرفة، تو جس طرح امام شافعیؒ حیث کے عموم کو قری کے ساتھ مخصوص کیا اسی طرح حنفیہ اس کو ''امصار'' کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں، اور حنفیہ کی تخصیص تین وجوہ سے راجح ہے، ایک یہ کہ دوسرے دلائل جمعہ کیلئے اشتراط مصر پر دلالت کرتے ہیں کما سیأتی دوسرے اسلئے کہ امام شافعیؒ کی تخصیص کو ثابت کرنے کے بعد بھی ان کا مسلک ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے نزدیک بھی ہر قریہ میں جمعہ درست نہیں، بلکہ شرط یہ ہے کہ اس میں چالیس آزاد آدمی موجود ہوں، بلکہ بعض روایت میں انہوں نے چالیس گھروں کی شرط لگائی ہے، تیسرے اسلئے کہ دراصل اس حدیث کا پورا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں حضرت ابو ہریرہؓ علاء بن الحضرمیؓ کی جگہ بحرین کے گورنر بنادئے گئے تھے، انہوں نے وہیں جا کے حضرت عمرؓ سے یہ سوال کیا تھا کہ ہم یہاں جمعہ پڑھیں یا نہیں؟ اور ظاہر ہے کہ جہاں گورنر مقیم ہو وہاں جمعہ ہونے کا کوئی سوال نہیں، اسلئے جواب میں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "جمعوا حيثما كنتم" یعنی'' جمعوا حيثما كنتم من المدن"۔

☆ **مسلک حنفی:**(٦٨) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ جمعہ کا وقت زوال کے بعد ہے، کیونکہ حضور ﷺ خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرام جمعہ کی نماز زوال کے بعد ہی پڑھا کرتے تھے۔ جلیل القدر تابعین حضرت حسن بصریؒ، اور حضرت ابراہیم نخعیؒ یہی فتویٰ دیتے تھے۔ کہ جمعہ کا وقت زوال کے بعد ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے جمعہ کا وقت بتانے کیلئے اس طرح باب قائم کیا ہے ”باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس وكذلك يذكر عن عمر وعلى والنعمان بن بشير وعمرو بن حريف۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۳، مسلم جلد ا صفحہ ۲۸۳، معجم طبرانی جلد ۲ صفحہ ۵۹، موطا امام مالک صفحہ ٦)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ جمعہ زوال سے پہلے بھی جائز ہے۔ اور غیر مقلدین کے فقیہ نواب وحید الزمان کا کہنا ہے کہ جمعہ کا وقت تو سورج کے نیزہ بھر بلند ہوجانے سے ہی شروع ہوجاتا ہے۔ (الروضۃ الندیہ جلد ا صفحہ ۱۳۷، النہج المقبول فی شرائع الرسول صفحہ ۲۸، نزل الابرار صفحہ ۱۵۲)۔

احناف کی دلیل: عن انس بن مالكؓ ان رسول الله ﷺ كان يصلى الجمعة حين تميل الشمس (بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۳)۔

عن اياس بن سلمةؓ بن الاكوع عن ابيه قال كنا نجمع مع رسول الله ﷺ اذا زالت الشمس ثم نرجع نتتبع الفئ (مسلم جلد ا صفحہ ۲۸۳)۔

عن جابر كان رسول الله ﷺ اذا زالت الشمس صلى الجمعة (معجم طبرانی اوسط بحوالہ التلخیص الحبیر جلد ۲ صفحہ ۵۹)۔

عن مالك بن ابى عامر انه قال كنت ارى طنفسة لعقيل بن ابى طالب يوم الجمعة تطرح الى جدار المسجد الغربى فاذا غشى الطنفسة كلها

ظل الجدار اوخرج عمر بن الخطاب وصلی الجمعة قال ثم نرجع بعد صلوٰة الجمعة فقیل قائلة الضحاء (موطا امام مالک صفحہ ٦)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں: " وقد ورد مایدل علی انها تجزئ قبل الزوال " الخ۔ (الروضۃ الندیہ جلد ا صفحہ ۱۳۷)۔

نواب نور الحسن خاں صاحب لکھتے ہیں: "وقت نماز جمعہ نماز ظہر ست وقبل از زوال جائز باشد (النہج المقبول فی شرائع الرسول صفحہ ۲۸)۔

نواب وحید الزماں صاحب تحریر فرماتے ہیں: " ووقتها حین ارتفاع الشمس قدر رمح الی انتهاء وقت الظهر (نزل الابرار جلد ا صفحہ ۱۵۲)۔

نوٹ: جمہور کے نزدیک جمعہ کا وقت وہی ہے جو ظہر کا ہے، البتہ امام احمدؒ اور بعض اہل ظاہر کے نزدیک جمعہ زوال شمس سے پہلے پڑھنا بھی جائز ہے، ان کے نزدیک ضحوۂ کبریٰ سے نماز جمعہ کا وقت شروع ہو جاتا ہے، ان کا استدلال سہل بن سعد کی روایت " ماکنا نتغدی فی عهد رسول الله ﷺ ولا نقیل الا بعد الجمعة، وجہ استدلال کہ غداء عربی زبان میں اس کھانے کو کہتے ہیں جو طلوع شمس کے بعد اور زوال سے پہلے کھایا جائے، لہذا اس حدیث کا مطلب یہ نکلا کہ صحابۂ کرامؓ زوال سے پہلے کا کھانا جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد کھاتے تھے اس طرح جمعہ لازما زوال سے بہت پہلے ہوا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چہ لفظ غدا لغت میں زوال سے پہلے کے کھانے کیلئے آتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص دوپہر کا کھانا زوال کے بعد کھائے تو اس پر بھی توسعاً بلکہ عرفاً غداء کا اطلاق ہوتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے آنحضرت ﷺ نے سحری کے بارے میں فرمایا وما الی الغداء المبارک " اس سے یہ استدلال کسی کے نزدیک صحیح نہیں کہ سحری طلوع آفتاب کے بعد کھائی جا سکتی ہے۔

امام احمدؒ کے استدلال کے بالمقابل امام بخاریؒ نے وقت جمعہ پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے، جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، وکانوا اذا راحوا الی الجمعة راحوا فی هیئتهم اس میں جمعہ کیلئے ''رواح'' سے تعبیر کیا گیا ہے، اور لفظ "رواح" زوال کے بعد جانے کو کہتے ہیں، امام احمدؒ کا ایک قوی استدلال حضرت عبداللہ بن سیدان سلمیؒ کی روایت سے ہے قال شهدت یوم الجمعة مع ابی بکرؓ وکانت صلوٰته وخطبته قبل نصف النهار ثم شهدتها مع عمرؓ وکانت صلوٰته وخطبته الی ان اقول انتصف النهار ثم شهدتها مع عثمانؓ فکانت صلوٰته وخطبته الی ان اقول انتصف النهار ثم شهدتها مع عثمانؓ فکانت صلوٰته وخطبته الی ان اقول زال النهار فما رأیت احدا عاب ذیل ولاانکره اس حدیث کے جواب میں حافظ ابن حجرؒ نے یہ فرمایا کہ عبداللہ بن سیدان ضعیف ہے، لیکن حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حافظ کا یہ اعتراض صحیح نہیں واقعہ یہ ہے کہ عبداللہ ابن سیدان کبار تابعین میں سے ہیں، اور حافظ ابن عبدالبرؒ نے ان کو صحابہ میں سے شمار کیا ہے، اور ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، لہذا اس حدیث کو سند کی بنیاد پر رد نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ انتصاف نہار اگر چہ ایک آنی چیز ہے لیکن توسعاً اس کا اطلاق ایک طویل وقت پر ہوتا ہے، یہاں تک کہ مابعد الزوال کو بعض اوقات نصف النہار کہہ دیا جاتا ہے، اس روایت میں دراصل عبداللہ بن سیدان کا اصل مقصد تینوں حضرات کے وقت میں ترتیب بیان کرنا ہے، اور منشاء یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ زوال کے بعد اتنی جلدی نماز پڑھ لیتے تھے کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا تھا کہ ابھی انتصاف نہار نہیں ہوا اور حضرت عمر فاروقؓ اس کے کچھ دیر بعد ایسے وقت نماز پڑھتے تھے جبکہ کہنے والا یہ کہہ سکتا تھا کہ نصف النہار اب ہو رہا ہے، اور حضرت عثمانؓ نماز جمعہ ایسے وقت پڑھتے تھے جس میں کسی کو بھی انتصاف نہار کا شبہ نہ رہتا تھا، اسکی نظیر سنن نسائی میں مروی ہے حضرت انس

فرماتے ہیں: "وکان النبی ﷺ اذا نزل منزلا لم یرتحل منه حتی یصلی الظهر فقال رجل وان کانت بنصف النهار قال وان کانت بنصف النهار" ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب کسی کے نزدیک نہیں ہو سکتا ہے، کہ آپ نصف النہار سے پہلے یا نصف النہار کے وقت ظہر پڑھ لیتے تھے، بلا شک اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اتنی جلدی ظہر پڑھ لیتے تھے کہ بعض لوگوں کو انتصاف نہار میں شک ہوتا تھا، یہی معنی عبداللہ بن سیدان کی روایت میں مراد ہے۔

☆ **مسلک حنفی:** (۶۹) حدیث سے ثابت ہے کہ عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ میں سے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے دور میں جمعہ کی ایک ہی اذان ہوتی تھی، جو امام کے سامنے ممبر کے پاس دی جاتی تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت میں جب لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ کے حکم سے ایک اذان اور دی جانے لگی۔ یہ اذان صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں دی جاتی تھی۔ صحابۂ کرام میں سے کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا، چنانچہ یہ اذان باجماع صحابہ زائد ہوگئی۔ اور ہر زمانہ میں اس پر عمل ہوتا رہا۔ کوئی امام کوئی فقیہ و مجتہد نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ اور اختلاف کر بھی کیسے سکتے تھے، کہ حضور ﷺ کا حکم ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۲۵، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۵، نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۵۶)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن حدیث مبارک، اجماع امت تعامل و توارث امت کے خلاف، جو غیر مقلدین بیس رکعات تراویح کو بدعت قرار دیتے تھے، انہوں نے جمعہ کی اس اذان کو بھی بدعت قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۸۵، وفتاویٰ علمائے حدیث جلد ۲ صفحہ ۱۷۹، مجموعہ رسائل مکمل نماز و ہدایۃ النبی صفحہ ۳۱)۔

احناف کی دلیل: عن السائب بن یزید یقول ان الاذان یوم الجمعة کان اوله حین یجلس الامام یوم الجمعة علی المنبر فی عهد رسول الله ﷺ

وابی بکرؓ وعمرؓ فلما کان فی خلافة عثمانؓ وکثروا امر عثمان یوم الجمعة بالاذان الثالث فاذن به علی الزوراء فثبت الامر علی ذلك۔ (بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۵، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۵۵، نسائی جلد ا صفحہ ۱۵۶)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ مولوی محمد صاحب جوناگڑھی لکھتے ہیں: ''حضور ﷺ کے زمانہ اور آپ کے بعد کے دو خلیفوں کے زمانہ میں تو اس دوسری اذان کا وجود بھی نہ تھا ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایجاد ہوئی، جو وقت معلوم کرنے کیلئے زوراء بازار کی بلند جگہ کہلوائی جاتی تھی، نہ کہ مسجد میں پس ہمارے زمانے میں مسجد میں جو دو اذانیں ہوتی ہیں وہ صریح بدعت ہیں، اور کسی طرح جائز نہیں (فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۸۵)۔

مولوی عبدالرحمن صاحب مدرس میاں صاحب دہلوی رقمطراز ہیں اب مسجد میں دو اذانیں کہنا بدعت ہے الخ (فتاویٰ ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۸۷)۔

جماعت غرباء اہل حدیث کے امام اول عبدالوہاب صاحب صدری کے سوانح نگار ابو محمد میاں والی لکھتے ہیں: مساجد احناف واہل حدیث میں جمعہ کی دو اذانیں ہوا کرتی تھیں، جیسا کہ آج کل احناف کے ہاں مروج ہے۔ مولانا موصوف (عبدالوہاب صاحب، ناقل) نے پہلی اذان جو مسجد میں خطبہ سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ پہلے ہوتی تھی اسے موثق دلائل سے بدعت ثابت کر کے موقوف کا فتویٰ صادر فرمایا اور دوسری اذان عند جلوس الامام علی المنبر کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا آج اکثر مساجد اہل حدیث میں اس طریقہ نبوی پر عمل ہو رہا ہے۔ (مجموعہ رسائل مکمل نماز وہدایۃ النبی صفحہ ۲۱)۔

نوٹ: حضرت عثمانؓ کے اس عمل کو بدعت نہیں کہا جا سکتا ہے اسلئے کہ یہ خلیفہ راشد کا اجتہاد ہے اجماع صحابہ سے تقویت حاصل ہوئی، نیز علامہ شاطبیؒ نے الاعتصام میں لکھا ہے کہ'' خلفائے راشدین کا کوئی عمل بدعت نہیں ہو سکتا، خواہ کتاب وسنت میں اس عمل کے بارے میں کوئی نص

موجود نہ ہو، چنانچہ جہاں آنحضرت ﷺ نے اپنی سنت کے اتباع کا حکم دیا ہے وہاں خلفائے راشدین کی سنت کو بھی واجب الاتباع قرار دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ (سنن ابن ماجه باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین)۔

☆ **مسلک حنفی:** (۷۰) احادیث و آثار، اجماع امت، توارث، و تعامل امت سے ثابت ہے کہ خطبہ کی اذان امام کے سامنے ہونی چاہئے یہی سنت ہے۔ (نسائی جلد ا صفحہ ۱۵۷، مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۴۹، ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۵۶، بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۵، مسلم جلد ا صفحہ ۲۸۳، مراسیل ابی داؤد صفحہ ۷، الاوسط جلد ۴ صفحہ ۵۹، نور الایضاح صفحہ ۳۲۱)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن غیر مقلدین احادیث و آثار، اجماع اور توارث و تعامل امت سے بالکل قطع کر کے کہتے ہیں کہ دوسری اذان کی کوئی جگہ متعین نہیں ہے۔ اور اس اذان کو ممبر کے نزدیک کہلوانا بدعت ہے۔ اور خطبہ عربی کے علاوہ دوسری زبان پر بھی دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ غیر مقلدین کا یہ دستور ہے کہ ان کا خطیب جمعہ کے وقت ممبر پر آ کر بیٹھتا ہے، پھر اذان ہوتی ہے تو وہ اٹھ کر اردو میں تقریر شروع کر دیتا ہے۔ آدھ پون گھنٹے تقریر کر کے بیٹھ جاتا ہے۔ اور پھر کھڑے ہو کر عربی کا ایک ہی خطبہ پڑھ کر نیچے آ جاتا ہے اور نماز پڑھاتا ہے۔ (فتاوی علمائے حدیث جلد ۲ صفحہ ۱۷۹، فتاوی اہل حدیث جلد ۲ صفحہ ۱۵، فتاوی ستاریہ جلد ۳ صفحہ ۴۰)۔

احناف کی دلیل: عن السائب بن یزید قال کان بلال یؤذن اذا جلس رسول الله و علی المنبر یوم الجمعة فاذا نزل اقام ثم کان کذلك فی زمن ابی بکر وعمر رضی الله عنهما (نسائی جلد ا صفحہ ۱۵۷، مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۴۹)۔

عن ابن عمرؓ قال کان النبی ﷺ یخطب خطبتین کان یجلس اذا

صعدالمنبر حتی یفرغ اراه المؤذن ثم یقوم فیه فیخطب ثم یجلس فلایتکلم ثم یقوم فیه خطیب فیخطب۔(ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۵۶)۔

عن ابن عمرؓ قال کان النبی ﷺ یخطب قائما ثم یقعد ثم یقول کما تفعلون الآن (بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳۵، مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۸۳)۔

عن عبد اللہؓ قال کان النبی و یخطب خطبتین یقعد بینهما۔(بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۲۷)۔

عن جابر بن سمرةؓ قال کانت للنبی ﷺ خطبتان یجلس بینهما یقرأ القرآن ویذکر الناس (مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۸۳)۔

عن ابی وائل خطبنا عمار فاوجز و ابلغ فلما نزل قلنا یا ابالیقظان لقد ابلغت واوجزت فلوکنت تنفست فقال انی سمعت رسول اللہ یقول ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبة وان من البیان سحرا۔(مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۸۶)۔

عن ابن شهاب قال بلغنا ان رسول اللہ ﷺ کان یبدأ فیجلس علی المنبر فاذا سکت المؤذن قام فخطب الخطبة الثانیة حتی اذا قضاها استغفر اللہ ثم نزل فصلّی قال ابن شهاب وکان اذا قام اخذ عصا فتوکأ علیها وهو قائم علی المنبر ثم کان ابوبکر الصدیق وعمر وعثمان یفعلون ذلك۔ (مراسیل ابی داؤد ومع سنن ابی داؤد صفحه ۷)۔

چنانچہ ابوبکر بن المنذر رحمہ اللہ متوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں: والذی علیه عمل اهل العلم من علماء الامصار مایفعله الائمة وهو جلوس الامام علی المنبر اول مایرقی الیه ویؤذن المؤذن والامام جالس فاذا فرغ المؤذن من الاذان قام

الامام فخطب خطبة ثم جلس وهو فی حال جلوسه غیر خاطب ولایتکلم ثم یقوم فیخطب الخطبة الثانیة ثم ینزل عند فراغه (الاوسط جلد۴ صفحہ۵۹)۔

شیخ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی رحمہ اللہ متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں: وکذا (الجلوس علی المنبر قبل الشروع فی الخطبة والاذان بین یدیه) جری به التوارث (کالاقامة) بعد الخطبة" (نورالایضاح مع شرح مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحاوی صفحہ ۴۲۱)۔

غیر مقلدین کی دلیل: غیر مقلدین کے ترجمان الاعتصام کے مفتی لکھتے ہیں: "یہ اذان وقت خطبہ دروازہ مسجد یا امام کے سامنے کسی بلند جگہ پر کہلوانی چاہئے، جیسے اور اذانیں بلند آواز سے کہی جاتی ہیں۔ ویسی یہ اذان بھی کہلانا چاہئے، منبر کے نزدیک اس اذان کو کہلانا خلاف سنت ہے، بلکہ بدعت ہے"۔ (فتاویٰ علماء حدیث جلد۴ صفحہ ۱۷۹)۔

غیر مقلدین کے مجتہد العصر حافظ عبد اللہ روپڑی صاحب لکھتے ہیں: "اذان سے مقصود اعلان ہے، خواہ پہلی ہو یا خطبہ کے بعد۔ پس جو جگہ اعلان کیلئے زیادہ مناسب ہے وہاں ہونی چاہئے، اگر امام کے سامنے موزون جگہ ہو تو سامنے دی جائے ورنہ کوئی اور جگہ موزون دیکھ لی جائے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر خواہ دائیں طرف ہو یا بائیں طرف"۔ (فتاویٰ اہل حدیث جلد۳ صفحہ ۵۱)۔

حافظ صاحب خطبہ جمعہ کی بابت لکھتے ہیں: "خلاصہ یہ کہ خطبہ عام وعظوں کی طرح ایک وعظ ہے خواہ جمعہ کا ہو یا عیدین کا ہو خطیب کو اس میں کلام وغیرہ جائز ہے۔ زبان کی پابندی اس میں ضروری نہیں، کیونکہ خطبہ کی غرض کے خلاف بلکہ خطبہ کے لفظ کے خلاف ہے، کیونکہ خطبہ خطاب ہے جو سامعین کی زبان میں ہوتا ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث جلد۲ صفحہ ۴۲)۔

جماعت غرباء اہل حدیث کے مفتی عبد الغفار صاحب سے سوال ہوا کہ زید کہتا ہے کہ خطبہ جمعہ اپنی زبان میں کہنا جائز ہے، بکر کہتا ہے کہ جائز نہیں کون حق پر ہے؟ موصوف نے

جواب دیا کہ زید حق پر ہے، کیونکہ خطبہ کی غرض اور مقصد جو ہے اس پر نظر ڈالنی چاہئے۔ خطبہ بیان کرنے کا جو مقصد ہے وہ یہ ہے کہ لوگ راہ راست پر آ جائیں اور سن کر شریعت محمدیہ کے حامل ہو جائیں۔ بخلاف اس کے جب ان کو سمجھ میں کچھ نہ آئے گا اور امام کھڑا ہوا عربی میں خطبہ پڑھ رہا ہو اور سامعین پتھر کے بتوں کی طرف بیٹھے ہو اور کچھ ان کے پلے نہ پڑے تو کیا خاک عمل کریں گے۔ سامعین کو غیر زبان میں وعظ و تذکیر کرنے سے کچھ فائدہ نہیں''۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد۲ صفحہ۴۰)۔

نوٹ: خطبہ سے اصل مقصد ذکر ہے اور وعظ یہ طبعاً ہے اور خطبہ نماز جمعہ کیلئے شرط ہے۔ لہذا یہ خطبہ جسطریقہ سے زمانہ نبوت قرون ثلثہ سے چلے آ رہے اسی طریقہ پر اس کو ادا کرنا پڑے گا، طریقہ رسول میں اپنے اجتہاد کی کوشش کرنا بدعت کو دین میں شامل کرنا ہوگا۔

☆ **مسلک حنفی:** (۷۱) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ جمعہ کے خطبہ کے دوران نماز تحیۃ المسجد یا سنتیں پڑھنا اور باتیں کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (بخاری جلد۱ صفحہ۱۲۴، مسلم جلد۱ صفحہ۲۸۳، مسند احمد جلد۵ صفحہ۷۵، مجمع الزوائد جلد۲ صفحہ۱۸۴)۔

(۱) مسلک غیر مقلدین: لیکن اس کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ دوران خطبہ آنے والوں کو نماز پڑھنی جائز ہے۔ بلکہ دو رکعتیں پڑھنی تو ضروری ہیں (دستور المتقی صفحہ۱۶۳)۔

احناف کی دلیل: عن سلمانؓ قال قال رسول الله ﷺ من اغتسل یوم الجمعة وتطهر بما استطاع من طهر ثم ادهن او مس من طیب ثم راح فلم یفرق بین اثنین فصلی ماکتب له ثم اذا خرج الامام انصت غفرله مابینه وبین الجمعة الاخری' (بخاری جلد۱ صفحہ۱۲۴)۔

عن ابی هریرةؓ عن النبی ﷺ قال من اغتسل ثم اتی الجمعة فصلی قدر له ثم انصت حتی یفرغ من خطبته ثم یصلی معه غفرله مابینه

وبین الجمعة الاخری وفضل ثلاثة ایام (مسلم جلد ا صفحہ ۲۸۳)۔

عن عطاء الخراسانی قال کان بنیشة الھذلی یحدث عن رسول اللہ ﷺ ان المسلم اذا اغتسل یوم الجمعة ثم اقبل الی المسجد لایؤذی احدا فان لم یجد الامام خرج صلی مابدأ له وان وجد الامام قد خرج جلس فاستمع وانصت حتی یقضی الامام جمعته وکلامه ان لم یغفر له فی جمعته تلك ذنوبه کلها ان تکون کفارة للجمعة التی قبلها (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۷۵)۔

عن ابی ھریرةؓ قال قال النبی ﷺ اذا کان یوم الجمعة وقفت الملائکة علی باب المسجد یکتبون الاول فالاول ومثل المھاجر کمثل الذی یھدی بدنة ثم کالذی یھدی بقرة ثم کبشا ثم دجاجة ثم بیضة فاذا خرج طووا صحفھم ویستمعون الذکر (بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۷، مسلم جلد ا صفحہ ۲۸۰)۔

عن ابی ھریرةؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قلت لصاحبك یوم الجمعة انصت والامام یخطب فقد لغوت (بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۷)۔

عن ابن عمرؓ قال سمعت النبی ﷺ یقول اذا دخل احدکم المسجد والامام علی المنبر فلا صلوٰة ولا کلام حتی یفرغ الامام (مجمع الزوائد جلد ۲ صفحہ ۱۸۴)۔

غیر مقلدین کی دلیل: یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں: ''اثناء خطبہ میں جو لوگ آئیں انہیں ہلکی سی دو رکعتیں بیٹھنے سے پیشتر پڑھ لینی ضروری ہیں۔ (دستور المتقی صفحہ ۱۶۳)۔

نوٹ: شافعیہ و حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ کے دن آنے والا خطبہ کے ہوتے ہی تحیۃ المسجد پڑھ لے، تو یہ مستحب ہے، یہ حضرات استدلالاً پیش کرتے ہیں ترمذی کی اس روایت کو " بینما النبی ﷺ یخطب یوم الجمعة اذ جاء رجل فقال النبی ﷺ: اصلیت؟ قال: لا قال فقم فارکع اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ خطبہ سے پہلے کا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے

کہ آنحضرت ﷺ ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ کیلئے ممبر پر تشریف فرماتے تھے، لیکن ابھی خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا کہ اتنے میں ایک صاحب جنکا نام سلیک بن ہدبۃ الغلطانی تھا، انتہائی بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے، آپ نے ان کے فقر وفاقہ کی کیفیت کو دیکھکر یہ مناسب سمجھا کہ تمام صحابہ ان کی حالت کو اچھی طرح دیکھ لیں، اس لئے انہیں کھڑا کر کے نماز کا حکم دیا، اور جتنی دیر انہوں نے نماز پڑھی اتنی دیر آپ خاموش رہے، اور خطبہ شروع نہیں فرمایا، بعد میں آپ نے صحابۂ کرام کو ان پر صدقہ کرنیکی ترغیب دی، چنانچہ اس موقع پر صحابۂ کرام نے انہیں خوب صدقہ دیا، اس سے واضح ہوا کہ یہ اول تو ایک خصوصی واقعہ تھا جس کو عمومی قواعد کلیہ کے خلاف پیش نہیں کیا جاسکتا، دوسرے یہ کہ حضرت سلیکؓ کے آنے کے وقت آپ نے خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں جاء سليك الغلطاني يوم الجمعة ورسول الله ﷺ قاعد على المنبر اور یہ معلوم ہے کہ آپ ہمیشہ کھڑے ہوکر خطبہ دیا کرتے تھے، لہذا بیٹھنے کا مطلب یہی ہے کہ آپ نے ابھی خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا، اور یہ بات کہ حضرت سلیک غلطانی بہت بوسیدہ حالت میں تھے، ترمذی میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے ثابت ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں "ان رجلا جاء يوم الجمعة فى هيئة بذة (اى هيئة تدل على الفقر") اور سلیک کے واقعہ سے انکی نماز سے تحیۃ المسجد پر استدلال بھی مشکل ہے، اول تو اسلئے کہ قم فاركع کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیک آکر بیٹھ گئے تھے پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو کھڑا کیا، اور ظاہر ہے کہ بیٹھنے کے بعد تحیۃ المسجد فوت ہوجاتی ہے، دوسرے ابن ماجہ کی روایت میں مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ان سے پوچھا "اصليت ركعتين قبل ان تجئ" انہوں نے فرمایا "لا" اس پر آپ نے فرمایا "فصل ركعتين" اس سے صاف واضح ہے کہ آپ نے ان کو تحیۃ المسجد کا حکم نہیں دیا تھا، بہرحال یہ ایک مخصوص واقعہ تھا جس سے یہ عمومی حکم مستنبط کرنا غلط ہے، کہ

خطبہ کے دوران ہمیشہ تحیۃ المسجد پڑھنا مستحب ہے، شافعیہ اور حنابلہ کی ایک قوی دلیل صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی ایک قولی روایت ہے قال رسول اللہ ﷺ: وھو یخطب اذا جاء احدکم والامام یخطب اوقد خرج فلیصل رکعتین (اللفظ للبخاری) اس کے جواب میں بعض حضرات نے تو یہ کہا ہے کہ یہ روایت شعبہ کا تفرد ہے، اور عمرو بن دینار سے مذکورہ الفاظ کے ساتھ اس روایت کو نقل کرنے میں انہیں وہم ہوگیا ہے، اصل میں یہ حضرت سلیک ہی کا واقعہ تھا جسے انہوں نے غلطی سے قولی حدیث بنادی، اصل جواب اس حدیث کا یہ ہے کہ آیت قرآنی واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا اور نیز یہ حدیث ان احادیث کا معارض ہے جو حنفیہ نے اپنے استدلال میں ذکر کی ہیں۔ اب اگر تطبیق کے طرق اختیار کئے جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ والامام یخطب سے مراد یرید الامام ان یخطب "یا" کاد الامام ان یخطب " ہے اور اگر ترجیح کا طریقہ اختیار کیا جائے تو روایات نہی کئی وجوہ سے راجح ہیں۔

(۱) ایک محرم اور مبیح میں تعارض کے وقت محرم کو ترجیح ہوتی ہے (۲) دوسرے اسلئے کہ روایات نہی مؤید بالقرآن ہیں (۳) تیسرے اسلئے کہ روایات نہی مؤید بالاصول الکلیہ ہیں۔ (۴) چوتھے اسلئے کہ وہ مؤید بتعامل الصحابہ والتابعین ہیں۔ (۵) پانچویں یہ کہ ان پر عمل کرنے میں احتیاط زیادہ ہے، کیونکہ تحیۃ المسجد کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں، لہذا اس کے ترک سے کسی کے نزدیک بھی گناہ کا احتمال نہیں، جبکہ نہی عن الصلوۃ والکلام کی احادیث کو ترک کرنے سے گناہ کا اندیشہ ہے، اسلئے حنفیہ نے احتیاط اس میں سمجھی کہ نہی کے دلائل پر عمل کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خطبہ کے وقت ترک صلاۃ کو اختیار کیا ہے۔

☆ **مسلک حنفی:** (۷۲) احادیث واثار سے ثابت ہے کہ جمعہ کی دس سنتیں ہیں ۴ رکعت سنت مؤکدہ قبل الجمعہ اور ۶ رکعت سنت مؤکدہ بعد الجمعہ، جن میں تو باتفاق پہلی چار رکعت مؤکدہ

ہیں وعند البعض آخری دو رکعتیں بھی مؤکدہ ہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ چار رکعت قبل الجمعہ چھ رکعت بعد الجمعہ پڑھا کرتے (معجم طبرانی جلد۲ صفحہ۲۰۶، مجمع الزوائد جلد۲ صفحہ ۱۹۵، مسلم جلد۱ صفحہ۲۸۸، بخاری جلد۱ صفحہ۱۲۸، ابوداؤد جلد۱ صفحہ۱۶۱، مصنف عبدالرزاق جلد۳ صفحہ ۲۴۷، مصنف ابن ابی شیبہ جلد۲ صفحہ۱۳۲، طحاوی جلد۱ صفحہ۲۳۳، ترمذی جلد۱ صفحہ۱۱۷)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان احادیث و آثار کے خلاف غیر مقلدین کا یہ عمل ہے کہ وہ جمعہ کے بعد کی سنتوں میں دو اور چار رکعت پڑھنے میں اختیار دیتے ہیں۔ چاہے تو دو پڑھ لے اور چاہے چار پڑھ لے اور ان کا عمل بالعموم دو رکعت پڑھنے کا ہے (صلاۃ الرسول صفحہ۳۹۶، نزل الابرار جلد۱ صفحہ۱۵۴)۔

احناف کی دلیل: عن علیؓ قال کان رسول الله ﷺ يصلی قبل الجمعة اربعا و بعدها اربعاً يجعل التسليم فی آخرهن ركعة (معجم طبرانی اوسط بحوالہ نصب الرایہ جلد۲ صفحہ۲۰۶)۔

عن ابن عباسؓ قال كان رسول الله ﷺ يركع قبل الجمعة اربعا وبعدها اربعا لا يفصل بينهن (مجمع الزوائد جلد۲ صفحہ۱۹۵)۔

عن ابی هريرةؓ (مرفوعا) من كان مصليا (يوم الجمعة) فليصل قبلها اربعا و بعدها اربعاً (رواہ البخاری بحوالہ کنز العمال جلد۷ صفحہ۷۴۹)۔

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ اذا صلى احدكم الجمعة فليصل بعدها اربعاً (مسلم جلد۱ صفحہ۲۸۸)۔

عن سالم عن ابيه ان النبی ﷺ كان يصلی بعد الجمعة ركعتين ۔(بخاری جلد۱ صفحہ۱۲۸، مسلم جلد۱ صفحہ۲۸۸، واللفظ لمسلم)۔

عن ابن عمرؓ قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی بعد الجمعة رکعتین فی بیته۔(ابوداؤد جلد ا صفحہ ۱۶۱)۔

عن قتادةؒ ان ابن مسعودؓ کان یصلی قبل الجمعة اربع رکعات وبعدها اربع رکعات (مصنف عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۲۴۷)۔

عن ابی عبد الرحمٰن قال کان عبد اللہ ابن مسعودؓ یعلمنا ان نصلی اربع رکعات بعد الجمعة حتی سمعنا قول علیؓ صلوا ستا قال ابو عبد الرحمٰن فنحن نصلی ستا قال عطاء ابو عبد الرحمٰن یصلی رکعتین ثم اربعا۔(معجم طبرانی کبیر جلد ۹ صفحہ ۳۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲)۔

عن ابی عبد الرحمٰن عن علیؓ انه قال من کان مصلیا بعد الجمعة فلیصل ستا۔(طحاوی جلد ا صفحہ ۲۳۳)۔

قال الامام الترمذیؒ "وروی عن عبد اللہ بن مسعود انه کان یصلی قبل الجمعة اربعا وبعدها اربعا وروی عن ابی طالب انه امر ان یصلی بعدالجمعة رکعتین ثم اربعا الخ: (ترمذی جلد ا صفحہ ۱۱۷)۔

عن جبلة بن سحیم عن عبد اللہ بن عمر انه کان یصلی قبل الجمعة اربعا لایفصل بینهن بسلام ثم بعد الجمعة رکعتین ثم اربعا۔ (طحاوی جلد ا صفحہ ۲۳۱)۔

عن ابی بکر بن ابی موسی عن ابیه انه کان یصلی بعد الجمعة ست رکعات۔(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲)۔

عن محمد بن المنتشر عن مسروق قال کان یصلی بعد الجمعة ستا رکعتین واربعاً۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲)۔

غیر مقلدین کی دلیل: حکیم صادق سیالکوٹی صاحب لکھتے ہیں: "اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پاک کے مطابق جمعہ کے بعد دو (چار) سنتیں پڑھنا اپنا معمول بنالو"۔ (صلوٰۃ الرسول صفحہ ۲۹۶)۔

نواب وحید الزمان تحریر فرماتے ہیں: "ومن کان مصلیا بعد الجمعة فلیصل اربعا فی المسجد او رکعتین او ست رکعات فی بیته ولیس لها قبلها سنة راتبة"۔ (نزل الابرار جلد ا صفحہ ۱۵۴)۔

نوٹ: مسئلہ ھذا میں غیر مقلدین تمام علماء وفقہاء کے مخالف ہیں، کیونکہ سنن بعدیہ میں کسی نے اختیار نہیں دیا اگرچہ تعداد میں اختلاف کرتے ہیں اور اس بارے میں اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی اور محمدؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد صرف دو رکعتیں مسنون ہیں ان حضرات کا استدلال حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث "انه کان یصلی بعد الجمعة رکعتین" امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعتیں مسنون ہیں ان کی دلیل اسی باب میں حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث صحیح ہے، "من کان منکم مصلیا بعد الجمعة فلیصل اربعا" نیز ان کا استدلال حضرت ابن مسعودؓ کے عمل سے بھی ہے "انه کان یصلی قبل الجمعة اربعا وبعدها اربعا" اور صاحبین کے نزدیک جمعہ کے بعد چھ رکعتیں مسنون ہیں ان کا استدلال حضرت عطاءؒ کی روایت "قال رأیت ابن عمرؓ صلی بعد الجمعة رکعتین ثم صلی بعد ذلك اربعا"، نیز امام ترمذیؒ نے حضرت علی کے بارے میں بھی نقل کیا ہے کہ "اخر امران یصلی بعد الجمعة رکعتین ثم اربعا" حنفیہ میں سے علامہ ابراہیم حلبیؒ نے منیۃ المصلی کی شرح میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا ہے، کیونکہ یہ جامع قول ہے، اور اس کو اختیار کرنے سے جمعہ کے بعد چار رکعات اور دو رکعات والی تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

فائدہ: پھر ان چھ رکعتوں کی ترتیب میں مشائخ کا اختلاف رہا ہے، بعض مشائخ حنفیہ پہلے

چار رکعات اور پھر دو رکعات پڑھنے کے قائل ہیں، اور بعض اس کے برعکس صورت کو افضل قرار دیتے ہیں، یعنی پہلے دو رکعتیں پھر چار رکعتیں، اور حضرت ابن عمرؓ اور حضرت علیؓ کے آثار آخری قول کے مؤید ہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۷۳)۔ آیت کریمہ واحادیث مبارکہ اور اقوال محدثین سے ثابت ہے کہ اگر عید اور جمعہ دونوں ایک دن جمع ہو جائیں تو دونوں نمازیں پڑھنا ضروری ہے، عید کی نماز کی وجہ سے جمعہ کی نماز کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی۔ وجہ یہ ہے کہ جمعہ فرض ہے، جس کی فرضیت نص قطعی یعنی آیت کریمہ "یایها الذین امنوا اذا نودی للصلوٰة" سے ثابت ہے۔ جو تمام جمعوں کو شامل ہے۔ اس میں کسی جمعہ کی تخصیص نہیں ہے۔ (القرآن بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۳۵، موطا امام مالک صفحہ ۱۶۵، کتاب الام جلد ۱ صفحہ ۲۳۹، ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۱۹، نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۷۸)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن آیات کریمہ، احادیث مبارکہ اور اقوال محدثین کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ جس دن عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں اس دن جمعہ کی نماز کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ اور جمعہ کی نماز میں رخصت ہوتی ہے۔ چاہے کوئی پڑھے یا نہ پڑھے (فتاوی نذیریہ جلد ۱ صفحہ ۵۷۳، عرف الجادی صفحہ ۴۳، نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۵۵)۔

احناف کی دلیل: (۱) یـاایها الذین امنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون.

عن الزهری قال حدثنی ابو عبید مولی ابن ازهر انه شهد العید یوم الاضحی مع عمر بن الخطاب فصلی قبل الخطبة ثم خطب الناس فقال یاایها الناس ان رسول الله ﷺ قد نهاکم عن صیام هذین العیدین اما احدهما فیوم فطرکم من صیامکم واما الآخر فیوم تأکلون من نسککم

فقال ابوعبيد ثم شهدت مع عثمان بن عفان وكان ذلك يوم الجمعة فصلى قبل الخطبة ثم خطب فقال ايها الناس ان هذا يوم قد اجتمع لكم فيه عيدان فمن احب ان يرجع فقد اذنت له (الحديث) (بخاری جلد۲صفحہ ۸۳۵،موطاامام مالک صفحہ ۱۶۵)۔

عن عمر بن عبد العزيزؒ قال اجتمع عيدان على عهد رسول الله ﷺ فقال من احب ان يجلس من اهل العالية فليجلس فى غير حرج. (کتاب الام جلد۱صفحہ ۲۳۹)۔

قال ابن حزم واذا اجتمع عيد يوم جمعة صلى للعيد ثم للجمعة ولابد ولايصح اثر بخلاف ذلك قال ابومحمد الجمعة فرض والعيد تطوع والتطوع لايسقط الفرض (المحلی لابن حزم جلد۳صفحہ ۹۳)۔

غیر مقلدین کی دلیل: میاں نذیر حسین صاحب سے ایک سوال ہوا کہ اگر اتفاق سے عید و جمعہ دونوں ایک ہی دن میں جمع ہو جائیں تو اس میں جمعہ کا پڑھنا رخصت ہے یا نہیں۔ زید ایسے دنوں میں جمعہ ادا نہیں کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں یہ کہنا کیسا ہے؟

اس سوال کے جواب میں آپکے شاگرد مولوی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں: ''جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاویں تو اس دن اختیار ہے جس کا جی چاہے جمعہ پڑھے اور جس کا جی نہ چاہے نہ پڑھے اور ایسے دنوں میں زید جو نماز ادا نہیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایک مردہ سنت کو زندہ کرتا ہوں، سو اس کا یہ کہنا اچھا ہے (فتاوی نذیریہ جلد۱صفحہ ۵۷۳)۔

نواب نورالحسن صاحب لکھتے ہیں: '' وچوں جمعہ وعید فراہم آیند در یک روز جمعہ رخصت باشد

وظاہر آنست کہ ایں رخصت عام ست از برائے امام وسائر مردم۔'' (عرف الجادی صفحہ ۴۳)۔

نواب وحید الزماں صاحب رقمطراز ہیں: "والجمعة فی یوم العید رخصة مطلقا لاهل البلد وغیرهم فان شاء صلی العید والجمعة کلیهما وان شاء صلی العید فقط ولم یصلی الجمعة وفی سقوط الظهر خلاف والحق جواز ترکه ایضا. (نزل الابرار جلد ۱ صفحہ ۱۵۵)۔

نوٹ: غیر مقلدین قرآن واحادیث کے خلاف کتنی جرأت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عید اور جمعہ اگر دونوں جمع ہو جائیں تو جمعہ کی نماز معاف ہے جو جمہور علماء کا خلاف ہے، البتہ یوم جمعہ افضل ہے یا یوم عرفہ اس میں علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت نے یوم عرفہ کو افضل قرار دیا ہے'' امام احمد اور مالکیہ میں سے ابن عربی اسی کے قائل ہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۴۷) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازوں میں چھ زائد تکبیریں واجب ہیں۔ تین پہلی رکعت میں ثناء کے بعد اور قرأت سے پہلے اور تین دوسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہوکر رکوع میں جانے سے پہلے، کیونکہ آنحضرت ﷺ عیدین کی نماز میں چھ تکبیریں ہی زائد کہتے تھے۔ (طحاوی جلد ۲ صفحہ ۴۳۸، ابوداؤد جلد ۱ صفحہ ۱۶۳، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۴۱۶، مصنف عبد الرزاق جلد ۳ صفحہ ۲۹۳، معجم طبرانی کبیر جلد ۹ صفحہ ۳۰۳، ومصنف ابن ابی شیبہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۴)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں زائد ہیں۔ صرف چھ تکبیروں کو زائد ماننا بدعت اور گمراہی ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۸)۔

احناف کی دلیل: عن القاسم ابی عبد الرحمن انه قال حدثنی بعض

اصحاب رسول الله ﷺ قال صلى بنا النبى ﷺ يوم عيد فكبر اربعا واربعا ثم اقبل علينا بوجهه حين انصرف فقال لاتنسوا كتكبير الجنائز واشار باصابعه وقبض ابهامه (طحاوى جلد٢ صفحه ٤٣٨).

عن مكحول قال اخبرنى ابوعائشة جليس لابى هريرةؓ ان سعيد بن العاص سأل اباموسى الاشعرى وحذيفة بن اليمان كيف كان رسول الله و يكبر فى الاضحى والفطر فقال ابوموسىٰ كان يكبر اربعا تكبيرة على الجنائز فقال حذيفة صدق فقال ابوموسىٰ كذلك كنت اكبر فى البصرة حيث كنت عليهم قال ابوعائشة وانا حاضر سعيد بن العاص. (ابوداؤد جلد١ صفحہ١٦٣، طحاوی جلد٢ صفحہ٤٣٩، مسند احمد جلد٤ صفحہ٤١٦۔

عن مكحول قال حدثنى رسول حذيفة وابى موسى رضى الله عنهما ان رسول الله ﷺ كان يكبر فى العيدين اربعا واربعا سوى تكبيرة الافتتاح. (طحاوی جلد٢ صفحہ٤٣٩)۔

عن علقمة والاسود بن يزيد قال كان ابن مسعودؓ جالسا وعنده حذيفة وابوموسى الاشعرى فسألهما سيعد بن العاص عن التكبير فى الصلوٰة يوم الفطر والاضحىٰ فجعل هذا يقول هل هذا وهذا يقول هل هذا فقال له حذيفة هل هذ العبد الله بن مسعود فسأله فقال ابن مسعود يكبر اربعا ثم يقرأ ثم يكبر فيركع ثم يقوم فى الثانية فيقرأ ثم يكبر اربعا بعد القرأة. (مصنف عبدالرزاق جلد٣ صفحہ٢٩٣، معجم طبرانی کبیر جلد٩ صفحہ٣٠٢)۔

عن كردوس قال ارسل الوليد الى عبد الله ابن مسعود وحذيفة وابى مسعود وابى موسى الاشعرى بعد العتمة فقال ان هذا عيد المسلمين فكيف الصلوٰة؟ فقالوا سل اباعبدالرحمٰن فسأله فقال يقوم فيكبر اربعا

ثم یقرأ بفاتحة الکتاب وسورة من المفصل ثم یکبر ویرکع فتلك خمس ثم یقوم فیقرء بفاتحة الکتاب وسورة من المفصل ثم یکبر اربعا یرکع فی آخرهن فتلك تسع فی العیدین فما انکره واحد منهم. (معجم طبرانی جلد۹ صفحہ ۳۰۲ ومصنف ابن ابی شیبہ جلد۲ صفحہ ۱۷۴)۔

عن ابن مسعود فی الاولی خمس تکبیرات بتکبیرة الرکعة وبتکبیر ة الاستفتاح وفی الرکعة (الاخری) اربعة بتکبیرة الرکعة. (مصنف عبدالرزاق جلد۳ صفحہ ۲۹۳)۔

عن علقمة والاسود بن یزید ان ابن مسعودؓ کان یکبر فی العیدین تسعا تسعا اربعا قبل القرأة ثم کبر فرکع وفی الثانیة یقرأ فاذا فرغ کبر اربعا ثم رکع. (مصنف عبدالرزاق جلد۳ صفحہ ۲۹۳، معجم طبرانی کبیر جلد۹ صفحہ ۳۰۴)۔

عن کردوس قال کان عبد الله بن مسعودؓ یکبر فی الاضحی والفطر تسعا تسعا یبدأ فیکبر اربعا ثم یقرأ ثم یکبر واحدة فیرکع بها ثم یقوم فی الرکعة الآخرة فیبدأ فیقرأ ثم یکبر اربعا یرکع باحداهن. (معجم طبرانی کبیر جلد۹ صفحہ ۳۰۲)۔

عن عامر ان عمروبن عبد الله رضی الله عنهما أجتمع رأیهما فی تکبیر العیدین علی تسع تکبیرات خمس فی الاولی واربع فی الاخرة ویوالی بین القرأتین (طحاوی جلد۲ صفحہ ۴۳)۔

عن حماد عن ابراهیم فی حدیث طویل فاجمعوا امرهم علی ان یجعلوا التکبیر علی الجنائز مثل التکبیر فی الاضحی والفطر اربع تکبیرات فاجمع امرهم علی ذلك (طحاوی جلد۱ صفحہ ۳۳۳)۔

•غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ جماعت اہل حدیث کے ایک مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''صورت مرقومہ بالا میں واضح ولائح ہو کہ صلاۃ عیدین کی تکبیریں شریعت محمدیہ میں بارہ ہیں اور نو بھی بعض صحابہ سے ثابت ہیں جیسا کہ جامع ترمذی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور تیرہ بھی بعض وقت کبھی ثابت ہیں، جیسا کہ مجمع الزوائد میں ہے اور جو ماسوا ان کے ہیں سب بدعت ہیں، کیونکہ بدعت اسی چیز کو کہتے ہیں جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ میں نہ ہوں۔ اور لوگ اس کو اپنی طرف سے شرعی حکم سمجھ کر عوام الناس میں مروج کر دیں تو معلوم ہوا کہ یہ جو آج کل لوگوں میں صلوٰۃ عیدین کی تکبیریں چھ مروج ہیں۔ یہ بالکل بدعت اور سب گمراہی ہیں، کیونکہ ان کا ثبوت شریعت محمدیہ میں نہیں ہے۔ اور جو یہ چھ تکبیریں ہیں یہ مذہبی تکبیر گھڑی گھڑائی ہیں۔ خدا اور رسول کی طرف سے یہ حکم قطعاً نہیں اور جو کوئی کہے کہ یہ حکم خدا اور رسول کا ہے تو وہ بڑا کاذب، بلکہ اکذب اور نیز معلوم ہو کہ یہ تمام دنیا میں عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قراءت تکبیروں کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اور دوسری رکعت میں تکبیروں کے قبل پڑھی جاتی ہے۔ سو یہ غلط اور خلاف سنت نبوی ہے، بلکہ سنت یوں ہے کہ قرأت تکبیروں کے بعد دونوں رکعتوں میں ہونی چاہئے۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد ا صفحہ ۱۱۸)۔

نوٹ: قائلین بارہ تکبیر استدلال کرتے ہیں ترمذی کی روایت "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کبر فی العیدین فی الاول سبعاً قبل القرأة وفی الآخرة خمساً قبل القرأة" سے حنفیہ اس حدیث کا جواب دیتے ہیں کہ اس کا مدار کثیر بن عبداللہ پر ہے جو نہایت ضعیف ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کی جو تحسین کی ہے اس پر دوسرے محدثین نے سخت اعتراض کیا ہے، ان حضرات کا دوسرا استدلال حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی مرفوع حدیث سے ہے "والتکبیر فی الفطر سبع فی الاولی وخمس

فی الآخرۃ والقرأۃ بعدھما کلتیھما" لیکن اس حدیث کا مدار عبداللہ بن عبد الرحمن الطائفی پر ہے اور یہ بھی ضعیف ہے، ان حضرات کا تیسرا استدلال ابوداؤد میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے ہے، "ان رسول اللہ ﷺ کان یکبر فی الفطر والاضحی فی الاولی سبع تکبیرات وفی الثانیة خمساً لیکن اس کا مدار ابن لہیعہ پر ہے جن کا ضعف معروف ہے۔

☆ **مسلک حنفی:** (۷۵) احادیث وآثار سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں رفع یدین صرف پہلی تکبیر ہی میں کرنا چاہئے، باقی تکبیروں میں نہیں، کیونکہ آنحضرت ﷺ نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر ہی میں رفع یدین کرتے تھے۔ باقی میں نہیں۔ (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۰۶، دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۷۵، بیہقی جلد ۴ صفحہ ۳۸ و جلد ۲ صفحہ ۷۵، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۶، المدونۃ الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۷۶، المحلی جلد: ۳، صفحہ: ۱۸۱، نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۶۷)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کے نزدیک نماز جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرنا چاہئے، ان کے نزدیک نہ صرف یہ کہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین جائز ہے، بلکہ مستحب ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۵۰)۔

احناف کی دلیل: عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ کبر علی الجنازۃ فرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ووضع الیمنی علی الیسری. (ترمذی جلد ۱ صفحہ ۲۰۶، دارقطني جلد ۲ صفحہ ۷۵، بیھقی جلد ٤ صفحہ ۳۸)۔

عن ابن عباسؓ ان رسول اللہ ﷺ یرفع یدیہ علی الجنازۃ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود (دارقطني جلد ۲ صفحہ ۷۵)۔

عن الولید بن عبد اللہ بن جمیع الزھری قال رأیت ابراھیم اذا

صلی علی جنازة رفع يديه فكبر ثم لايرفع يديه فيما بقی وكان يكبر اربعا.
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ صفحہ ۲۹۶)۔

(قال) قال مالك بن انس ترفع الايدی فی الصلوٰة علی الجنازة فی اول التكبير قال ابن القاسم وحضرته غيرمرة يصلی علی الجنائز فمارأيته يرفع يديه الا فی اول التكبيرة قال ابن القاسم وكان مالك لايری رفع اليدين فی للصلوٰة علی الجنازة الا فی اول تكبيرة "۔(المدونۃ الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۷۶)۔

قال ابن الحزم " ولاترفع اليدان فی الصلوٰة علی الجنازة الا فی اول تكبيرة فقط لانه لم يأت يرفع الايدی فيما عدا ذلك نص وروی مثل قولنا هذا عن ابن مسعودؓ وابن عباسؓ، وهو قول ابی حنيفةؒ وسفيانؒ (المحلی جلد ۳ صفحہ ۱۸۱)۔

قال القاسم الشوكانی " والحاصل انه لم يثبت فی غير التكبيرة الاولی شئ يصح للاحتياج به عن النبی ﷺ وافعال الصحابة واقوالهم لاحجة فيها فينبغی ان يقتصر علی الرفع عنه تكبيرة الاحرام "۔(نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۲۷)۔

•غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ مولوی عبید اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں: تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع قولی یا فعلی یا تقریری حدیث موجود نہیں ہے، البتہ بعض صحابہ سے ضرور ثابت ہے۔ اس موقوف روایت و نیز بعض ضعیف احادیث کی رو سے تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کرنا جائز ہے۔ بدعت یا ممنوع نہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۵۰)۔

ثناء اللہ امرتسری صاحب رقمطراز ہیں: " جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۵۰)۔

نوٹ: امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوری وغیرہ کے نزدیک بقیہ تکبیروں میں ہاتھ نہیں اٹھائے جائیں گے، "لان کل تکبیرۃ مقام رکعۃ ولا ترفع الایدی فی جمیع الرکعات"۔ بخلاف امام شافعیؒ، امام احمد، امام اسحٰق، امام اوزاعی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز وغیرہ کا مسلک ہے کہ ہر تکبیر کے موقعہ پر ہاتھ اٹھائے جائیں شوافع وغیرہ کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے، ان النبی ﷺ کان اذا صلی علی الجنازۃ رفع یدیہ فی کل تکبیرۃ واذا انصرف سلم اخرج الدارقطنی فی علله، لیکن اس روایت کو مرفوع قرار دینا درست نہیں، مزے کی بات کہ غیر مقلدین کے اجتہاد کیلئے دار مدار احادیث بخاری کو قرار دینے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر اس مسئلہ میں دارقطنی کی حدیث سے بھی ترمذی وغیرہ کی مخالفت میں استنباط کر رہے ہیں۔

☆ **مسلک حنفی:** (۶۷) احادیث و آثار سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میت کے حق میں درحقیقت دعا و استغفار ہے۔ اسلئے اس میں اللہ تعالی پر حمد و ثناء، نبی علیہ السلام پر درود پھر میت کیلئے دعا ہونی چاہئے، جیسا کہ دعاء کا طریقہ ہے۔ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت بطور قرأت پڑھنا صحیح نہیں۔ آنحضرت ﷺ میت کیلئے خود بھی دعا فرماتے تھے۔ اور دوسروں کو بھی اخلاص کے ساتھ دعا مانگنے کا حکم دیتے تھے، لیکن کسی ایک بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ حضور علیہ السلام نماز جنازہ میں قرأت کرتے تھے۔ یا دوسروں کو قرأت کا حکم دیتے تھے۔ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۰۰، ابن ماجہ صفحہ ۱۰۹، موطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۲۰۹ بدائع الصنائع جلد ۱ صفحہ ۳۱۳، مغنی لابن قدامہ جلد ۲ صفحہ ۴۸۵، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۲۹۵، مصنف عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۹۱، نسائی جلد ۱ ۲۱۸)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث و آثار کے خلاف مقلدین کا کہنا ہے کہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اگر کسی نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اسکی نماز باطل ہوگی۔ اور

بقول بعض شرط ہے، جس کے بغیر نماز جنازہ ہوگی ہی نہیں (فتاوی علمائے حدیث جلد۵ صفحہ ۱۸۵، بدور الاھلہ جلد۱ صفحہ ۹۲)۔

احناف کی دلیل: عن ابی هريرةؓ قال سمعت رسول الله ﷺ يقول اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء (ابوداؤد جلد۲ صفحه ۱۰۰، ابن ماجه صفحه ۱۰۹۔

مالك عن سعيد بن ابی سعيد المقبریؒ عن ابيه انه سال اباهريرةؓ كيف تصلى على الجنازه فقال ابوهريرة انا لعمر الله اخبرك اتبعها من اهلها فاذا وضعت كبرت وحمدت الله وصليت على نبيه ثم اقول اللهم انه عبدك وابن عبدك وابن امتك كان يشهد ان لااله الا انت وان محمداعبدك ورسولك وانت اعلم به اللهم ان كان محسنا فزدفی احسانه وان كان مسيئا فتجاوز عنه سياته اللهم لاتحرمنا اجره ولاتفتنا بعده (موطا امام مالک جلد۱ صفحہ ۲۰۹)۔

روی عن ابن مسعود انه سئل عن صلوٰة الجنازة هل يقرأ فيها فقال لم يؤقت لنا رسول الله ﷺ قولا ولاقرأة وفی رواية دعاء ولاقرأة كبر ماكبر الامام واختر من اطيب الكلام ماشئت وفی رواية واختر من الدعاء اطيبه. (بدائع الصنائع جلد۱ صفحہ ۳۱۳، المغنی لابن قدامہ جلد۲ صفحہ ۴۸۵)۔

عن علیؓ انه كان اذا صلى على ميت يبدأ بحمد الله ويصلى على النبی ﷺ ثم يقول اللهم اغفر لاحيائنا وامواتنا والف بين قلوبنا واصلح ذات بيننا واجعل قلوبنا على قلوب خيارنا. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۲۹۵)۔

عن الشعبی قال فی التکبیرة الاولی یبدأ بحمد الله والثناء علیه والثانیة صلوٰة علی النبی ﷺ والثالثة دعاء للمیت والرابعة للتسلیم. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۲۹۵، مصنف عبدالرزاق جلد۳ صفحہ۴۹۱)۔

عن مفضل قال سألت میمونا علی الجنازة قرأة او صلوة علی النبی ﷺ قال ماعملت (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۲۹۹)۔

عن محمد بن عبد الله بن ابی سارة قال سألت سالما فقلت القرأة علی الجنازة فقال لاقرأة علی الجنازة (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۲۹۹)۔

عن ابی المنهال قال سألت اباالعالیة عن القرأة فی الصلوة علی الجنازة بفاتحة الکتاب فقال ماکنت احسب ان فاتحة الکتاب تقرأ الا فی صلوة فیها رکوع وسجود. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۲۹۹)۔

عن موسی بن علی عن ابیه قال قلت لفضالة بن عبیدة هل یقرأ علی المیت شئ قال لا. (مصنف ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ۲۹۹)۔

عن سعید بن ابی بردة عن أبیه قال قال له رجل اقرؤ علی الجنازة بفاتحة الکتاب قال لاتقرأ (مصنف ابن ابی شیبه جلد ۳ صفحه ۲۹۹).

عن حماد عن ابراهیم قال سألته ایقرأ علی المیت اذا صلی علیه؟ قال لا. (مصنف عبد الرزاق جلد۳ صفحه ۴۹۱).

عن طلحة بن عبد الله بن عوف قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازة فسمعته یقرأ بفاتحة الکتاب فلما انصرف اخذت بیده فسألته فقلت تقرأ قال نعم انه حق وسنة (نسائی جلد۱ صفحه ۲۱۸).

•غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ غیر مقلدین کے شیخ الحدیث مولوی یونس قریشی صاحب لکھتے ہیں: نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد دعائے ماثورہ پڑھ کر امام اور مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنی

ضروری ہے، اگر امام یا مقتدی نے نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز باطل ہوگی۔ (فتاوی علمائے حدیث جلد ۵ صفحہ ۱۸۵)۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں: ''وچوں نماز جنازہ یکے از نماز ہاست کہ در آں رسول خدا ﷺ لاصلوٰة الا بفاتحة الکتاب ارشاد فرمودہ پس ایں قدر در فرضیت قرأت فاتحہ در یں نماز بلکہ در شرطیتش کہ عدمش عدم نماز باشد کافی ست'' (بدور الاحلہ جلد ا صفحہ ۹۲)۔

نوٹ: مسئلۂ ھذا میں غیر مقلدین شافعیہ اور حنابلہ کی تقلید کرتے ہیں، اور ان کا استدلال عن ابن عباسؓ "ان النبی ﷺ قرأ علی الجنازة بفاتحة الکتاب" (رواہ الترمذی) سے ہے، لیکن یہ حدیث ابراھیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف ہے، لہٰذا مذکورہ دلائل کی بنیاد پر ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ قرأت فاتحہ نماز جنازہ میں واجب نہیں، اسی طرح حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ بھی نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ کے قائل نہ تھے، ابن وھب نے فضالہ ابن عبید، جابر، واثلہ بن الاسقع اور فقہائے مدینہ کا عمل بھی یہ بیان کیا ہے کہ وہ جنازہ میں فاتحہ نہیں پڑھتے تھے، اور امام مالک کہتے ہیں کہ جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کا ہمارے شہر میں معمول نہیں، صاحب اعلاء السنن مبسوط سے نقل کرتے ہیں کہ مشائخ کا ثناء کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ ثنا ''الحمد للہ'' کے ذریعہ ہوگی کمافی ظاہر الروایۃ اور بعض نے کہا کہ ثناء ''سبحانک اللھم وبحمدک الخ'' کے ذریعہ ہوگی، وھــــو روایة الحسن عن الامام ابی حنیفة۔

☆ **مسلک حنفی:** (۷۷) آیات کریمہ، احادیث مبارکہ، اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ حقیقۃً میت کے لئے دعا ہے۔ اور دعا کے بارے میں اللہ تعالی کا حکم ہے کہ گڑگڑا کر اور چپکے چپکے مانگو۔ (القرآن، ابن ماجہ صفحہ ۱۰۹، مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۵۷)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن آیات کریمہ، احادیث مبارکہ، اور اجماع امت کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ نماز جنازہ میں بلند آواز کے ساتھ جنازہ پڑھنا افضل ہے، قوی بلکہ مسنون ہے۔(فتاوی علمائے حدیث جلد۵ صفحہ۱۵۲، فتاوی ثنائیہ جلد۲ صفحہ۵۶)۔

احناف کی دلیل: ادعوا ربکم تضرعا وخفية انه لايحب المعتدين۔

عن جابرؓ قال ماباح لنا رسول الله ولاابوبكر ولاعمر فى شئ ماباحوا فى الصلوٰة على الميت يعنى لم يوقت (ابن ماجہ صفحہ۱۰۹، مسند احمد جلد۳ صفحہ۳۵۷)۔

غیر مقلدین کی دلیل: چنانچہ مولوی ابوالحسنات علی محمد سعیدی لکھتے ہیں: "دلائل کے لحاظ سے بلند آواز کے ساتھ جنازہ پڑھنا افضل اور قوی ہے۔(فتاوی علماء حدیث جلد۵ صفحہ۱۵۲)۔

حافظ احمد صاحب بٹالوی لکھتے ہیں: جنازہ کی نماز میں سورۂ فاتحہ اور اسکے بعد کی سورت بآواز بلند پڑھنا جائز ہے، بلکہ سنت ہے۔(فتاویٰ ثنائیہ جلد۲ صفحہ۵۶)۔

نوٹ: قائلین قرأة الفاتحہ بالجہر استدلال کرتے ہیں، ابن عباسؓ کے عمل مارواه النسائى عن طلحة بن عبيد الله بن عوف قال صليت خلف ابن عباسؓ على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب وسورة وجهر حتى اسمعنا الخ سے والجواب عن الجهر انه لتعليم كون الثناء ولو فى آيات القرآن سنة كما يدل عليه قول ابن عباس فى رواية "وانما جهرت الخ" والحاصل انه لايمنع عن القرآن فى صلاة الجنازة اذا كان على نية الثناء من السور الدالة عليه والتفصيل فى اعلاء السنن صفحہ:۲۱۳-۲۱۴)

☆ **مسلک حنفی:** (۷۸) احادیث وآثار اور اقوال محدثین سے ثابت ہے کہ مسجد نبوی ﷺ کی مشرقی دیوار کی طرف مسجد سے باہر تھی۔ اسی جگہ حضور ﷺ مستقلاً نماز جنازہ پڑھا کرتے

تھے۔ اسی جگہ کا نام جنائز اور مصلی جنائز تھا۔ جیسا کہ حضرت امام محمدؒ کے بیان سے ظاہر ہے۔

(۲) اسی جگہ حضور ﷺ نے شاہ حبشہ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

(۳) اسی موضع جنائز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صاحبزادے ابراھیم رضی اللہ عنہ کی جنازہ کی نماز پڑھائی تھی۔ جیسا کہ ابوداؤد شریف کی روایت سے ظاہر ہے۔

(۴) آنحضرت ﷺ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ شاید اسی لئے آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں نماز جنازہ پڑھتا ہے اسے کوئی اجر نہیں ملتا۔ (ابوداؤد جلد۲ صفحہ ۹۸، ابن ماجہ صفحہ ۱۰۰، مصنف عبدالرزاق جلد۳ صفحہ ۵۲۷، منحۃ المعبود جلد۱ صفحہ ۱۶۵، مصنف ابن ابی شیبہ جلد۳ صفحہ ۳۶۴ و جلد۳ صفحہ ۳۶۵، سنن کبریٰ بیہقی جلد۲ صفحہ ۴۳۵، مسلم جلد۱ صفحہ ۳۱۳، وفاء الوفاء جلد۳ صفحہ ۵۳۱، وصفحہ ۵۳۲، بخاری جلد۱ صفحہ ۱۷۷، المدونۃ الکبریٰ جلد۱ صفحہ ۱۷۷، موطا امام محمد صفحہ ۱۶۵ زاد المعاد جلد۱ صفحہ ۱۴۰)۔

مسلک غیر مقلدین: لیکن ان تمام احادیث وآثار کے خلاف غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا نہ صرف جائز ہے، بلکہ سنت ہے۔ اور اس سے انکار کرنا سنت کی مخالفت کرنا ہے۔ (فتاویٰ ستاریہ جلد۲ صفحہ ۵ بلاغ المبین صفحہ ۵۵۳۔

احناف کی دلیل: عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ من صلى على جنازة في المسجد فلا شئ له (ابوداؤد جلد۲ صفحہ ۹۸، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۰، مصنف عبدالرزاق جلد۳ صفحہ ۵۲۷)۔

عن صالح مولى التوأمة عن ابى هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ من صلى على جنازة فى المسجد فلا شئ له قال صالح وادركت رجالا ممن ادركوا النبى ﷺ وابابكر اذا جاء فلم يجدوا الا ان يصلوا فى المسجد

رجعوا فلم یصلو. (منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد جلد ا صفحہ ۱۶۵)۔

عن صالح مولی التوأمة عن ابی هریرةؓ قال قال رسول الله ﷺ من صلی علی جنازة فی المسجد فلاشئ له قال وکان اصحاب رسول الله اذا تضایق بهم المکان رجعوا ولم یصلوا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۶۴)۔

عن صالح مولی التوأمة عمن ادرك ابابکر وعمر انهم کانوا اذا تضایق بهم المصلی انصرفوا ولم یصلوا علی الجنازة فی المسجد (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۶۵)۔

عن کثیر ابن عباس قال لاعرفن ماصلیت علی جنازة فی المسجد (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳ صفحہ ۳۶۵، مصنف ابن عبد الرزاق جلد ۳ صفحہ ۵۲۷)۔

نوٹ: شافعیہ، حنابلہ، امام اسحاق، ابوداؤد، ابوثور، اور داؤد ظاہری اس بات کے قائل ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونیکا خوف نہو غیر مقلدین حضرات انہیں حضرات کی تقلید کرتے ہوئے ان سے بھی آگے بڑھکے کہتے ہیں، بلکہ مسجد میں جنازہ پڑھنا سنت ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مسجد میں صلاۃ علی المیت مکروہ ہے، حضرت گنگوہی قدس سرہ نے قول راجح یعنی جنازہ اگرچہ خارج مسجد ہو مسجد میں نماز تب بھی درست نہیں، اس پر نجاشی کے واقعہ سے استدلال کیا ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ مسجد میں نہیں پڑھی باوجودیکہ نجاشی کی نعش مسجد میں موجود نہ تھی اس سے معلوم ہوا کہ میت کے خارج ہونے کی صورت میں بھی مسجد میں نماز جنازہ درست نہیں پھر جگہ کی تنگی یا بارش وغیرہ اعذار کی صورت میں مسجد میں نماز جنازہ درست ہے، اس صورت میں بھی بہتر یہ ہے کہ میت امام اور بعض مقتدی خارج مسجد اور بقیہ مسجد میں، اسلئے کہ یہ صورت بعض احناف کے نزدیک بغیر عذر کے بھی جائز ہے۔

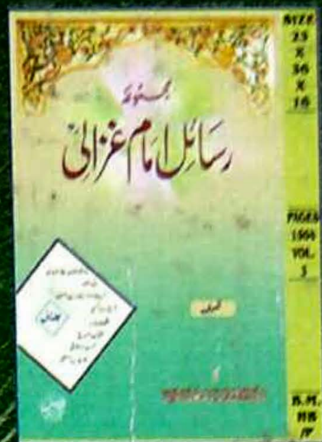
مؤلف علام کی دیگر تالیفات

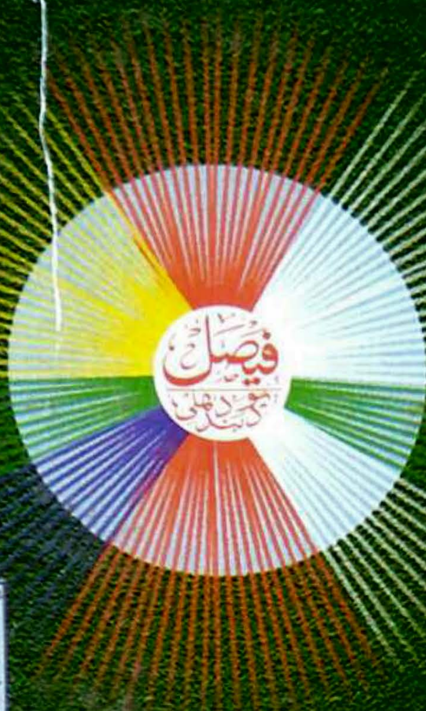
- ضرورۃ المؤمنین (مسائل اعمال)۔
- امر بالمعروف نہی عن المنکر اور دعوت الی اللہ کی شرعی حیثیت۔
- ماہ محرم کی معروفات ومنکرات۔
- حقوق العباد اور حسن اخلاق (زیر طبع)۔
- اسلامی عدالت (زیر طبع)۔
- قادیانی اور اس کی تفصیلی جائزہ۔
- رد عیسائیت۔
- رد یہودیت۔
- رد شیعیت۔

- কাদিয়ানী ধর্মস্বরূপ ও তাত্ত্বিক বিশ্লেষণ।
- কুরআন ও হাদীসের আলোকে বিশুদ্ধ নিয়্যাত।
- কুরবানী কি? আকিকা কেন?
- দারুল উলূম হাটহাজারীর ইতিহাস।
- ইসলামের দৃষ্টিতে মানব অঙ্গের ক্রয় বিক্রয়।

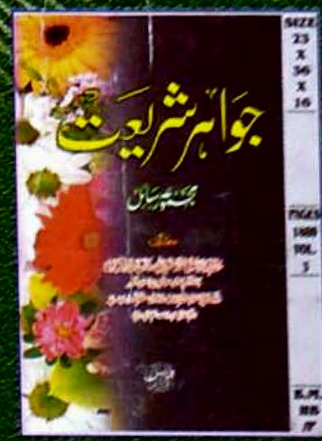














FAISAL PUBLICATIONS
Jama Masjid Deoband
Pin-247554 Distt. Saharanpur U.P.
PHONES: 0091-1336-224110,222694,FAX.224110



Rs.150/-